

ڈاکٹر احسن (مصری) کی عظیم تصنیف

# الفتن الکبریٰ

ترجمہ  
پروفیسر محمد منور (ایم۔ اے)

جس میں حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ کے نازک ترین واقعات کا بڑے ذمہ دارانہ اور غیر جانبدارانہ انداز سے جائزہ لیا گیا ہے۔

شائع کردہ: اڈا رطلووع اسلام۔ لاہور

قیمت: پچھروپے



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۲۹۷۹  
۶۱۲  
۸۹۰۳

مفہم و مشمولات

# الفتنۃ الکبریٰ

## بہارِ سنی

عنوان

فہرست

عرض مترجم

تعارف

باب اول

تہذیب و تمدن کے مسائل و مسائل کے حل و فصل  
تاریخ کے مطالعہ میں میرا نقطہ نظر  
خلافت اسلامیہ کا مفہوم

مختلف نظام ہائے حکومت کے تجربے اور ان کا مال  
حضرات ابوبکر و عمرؓ اور عدل اجتماعی کا براہ امتداد تجربہ

کتاب دوم  
اسلام کے دو بنیادی اہم مسائل — توحید اور مساوات  
وعدت عدل کی حدود و پیمائش

## باب سوم

حضرت اردوقی تک حکومت کا انداز و نوعیت

شوری

میت

پیامد راول کی اسلامی حکومت جمہوری نظام پر مشتمل تھی؟

اسلامی حکومت کے اجزائے ترکیبی

مجلسی شکل

سری شکل

حضرت عمرؓ کی حکمت عملی کا ایک پہلو

حضرت عمرؓ کی حکمت عملی کا دوسرا پہلو

نظام شوری

## باب چہارم

حضرت عثمانؓ (خلیفہ تیسرے سے پہلے)

حضرت عثمانؓ (اسلام لانے کے بعد)

دین و دوا دین اور نظام عسکری

ام شوری اور اس پر تنقید

انت کے لئے حضرت عثمانؓ کا انتخاب

## باب پنجم



حضرت عثمانؓ کی خلافت کا آغاز

مکاتیب حضرت عثمانؓ

حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ مال جہیں حضرت عثمانؓ نے بحال رکھا۔

حضرت عثمانؓ کی طرف سے دطائف اور عطیوں میں اضافہ۔

انتظامی امور میں حضرت عثمانؓ کا حضرت عمرؓ سے اختلاف

عہد عثمانؓ کے متعلق مورخین کے بیان کا مطلب

### باب ششم

حضرت عثمانؓ اور ان کی رعایا۔

قریش کے ساتھ طرز عمل

جماعت انصار

عرب کے عوام

مفتوحہ اقوام

### باب ہفتم

حضرت عثمانؓ کی خلافت کا دوسرا دور

مفتوحہ علاقوں کی مختلف حیثیتیں

حضرت سعدؓ کی تقرری و معزوری

کوفہ میں ولید اور اس کی سیاست

### باب ہشتم

کوفہ سعید ابن العاص کے دور میں

کوفہ اور دیگر نئے مفتوحہ علاقوں میں اصل بیماری اور اس کا علاج



صفحہ

۲۲۵

اسلام میں بڑی بڑی ملکیتوں اور جاگیردارانہ نظام کا آغاز  
حبلا وطنی کی سزا

۲۳۸

————— باب نہم —————

۲۴۶

بصرہ میں ابو موسیٰ اشعریؓ کی معزولی اور عبداللہ بن عامر کی تقرری

————— باب دہم —————

۲۵۵

شام کے وسیع علاقے پر حضرت معاویہؓ کا اقتدار

————— گیارہواں باب —————

۲۶۳

مصر حضرت عثمانؓ کے عہد میں

عمر بن العاصؓ کی معزولی اور عبداللہ بن سعد کی تقرری

————— بارہواں باب —————

۲۷۱

دوقریشی نوجوان مصر میں

۲۷۸

کووند سے اشتر کا خط

————— تیرہواں باب —————

۲۸۲

عبداللہ ابن سبا

۲۸۹

سلک بوذری اور عبداللہ ابن سبا

۲۹۳

ایک اہم سوال اور اس کا جواب

————— چودھواں باب —————

۲۹۶

حضرت عثمانؓ کے ساتھ مرکز میں

————— پندرہواں باب —————

۳۰۶

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ



عنوان  
عمر بن العاص

حضرت زبیر بن العوام

ستر حواں باب

حضرت طلحہ بن عبید اللہ

اعتبار و ان باب

حضرت علی بن ابی طالب

انکسواں باب

حضرت عبداللہ ابن مسعود

پلستواں باب

حضرت ابوذر غفاری

اکیسواں باب

حضرت عمار بن یاسر

باسیسواں باب

حضرت عثمان کی مخالفت کے سباب

عہد عثمانی پر تنقید کرنے والوں کے نقطہ ہائے نظر

تیسویں باب

حضرت عثمان کے بارے میں قدامت کا نقطہ نظر

دینی حیثیت رکھنے والے اعتراضات

چوبیسواں باب

حضرت عثمان کے خلاف نظم و نسق سے متعلق اعتراضات



۱۰۰۰ چھیسواں باب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

۲۱۵ حضرت عثمان کے عہد میں نظام مالیات کی بنیاد پڑی

۲۱۶ خلافت کے متعلق حضرت عثمان کی رائے

۲۱۷ چھیسواں باب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

۲۱۸ حضرت عثمان کا اپنے مخالفوں کے ساتھ طرز عمل

۲۱۹ ستائیسواں باب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

۲۲۰ مخالفین اور حضرت عثمان

۲۲۱ حضرت عثمان کے خلاف پہلی جرات سال ۱۰ھ میں

۲۲۲ حضرت عثمان کی سخت ترین تقریر

۲۲۳ اموال عامہ کے متعلق حضرت عثمان کا خیال

۲۲۴ حضرت عثمان کی مشاورت

۲۲۵ کوفہ میں بغاوت

۲۲۶ مصری وفد کی مدینہ میں آمد

۲۲۷ مروان کی مداخلت اور اس کی تاثیر

۲۲۸ مدینے پر باغیوں کا قبضہ

۲۲۹ خط کا قصہ

۲۳۰ اٹھائیسواں باب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

۲۳۱ حضرت عثمان کی شہادت

۲۳۲ ممانعت کرنے والی جماعت

۲۳۳ بھڑپ کی ابتدا

۲۳۴

۲۳۵



کیا حضرت عثمان آخری وقت میں خلافت سے دستبراری کے لئے تیار تھے ۲۷۴

انتیسواں باب

امیر معاویہؓ کی دو تجویزیں

۲۷۵

ان حالات کا خلاصہ جو باعث شہادت بنے۔ ۲۸۱

مسلمانوں کے سامنے آنے والا دور امیر معاویہؓ کی خلافت کا ۲۸۳

تیسواں باب

ایک جواب طلب سوال

۲۸۴

اکیسواں باب

۲۸۵

عثمانؓ کے خون ناحق کی ذمہ داری کس پر ۲۹۰

باغیوں کے عذر

۲۹۳

ضمیمہ

حضرت عثمانؓ کا صوبوں کے نام خط

(برائے امداد طلبی)

۲۹۸

حاجیوں کے نام حضرت عثمانؓ کا خط

۳۰۱



## عربى مترجم

(الفتنۃ الکبریٰ) عربی سے اردو میں منتقل ہو گئی ہے۔ عربی اور اردو کے لسانی سانچے خاصے متفاوت ہیں اس لئے ایک دوسرے میں ڈھلتے ہوئے ان کی ہر ساری رعنائی و دل کشی باقی نہیں رہتی۔ یہ راہ اُس وقت اور بھی زیادہ پر پیچ ہو جاتی ہے جب اس متن کا خالق ڈاکٹر طہ حسین ایسا فن کار مصنف ہو جس کے سہل منتزع انداز بیان کی نقل خود عربی ادباء کے بھی حیطہ قدرت سے باہر ہے۔

(یہ ترجمہ قریشی اسونی صد لفظی ترجمہ ہے۔ آزاد نہیں کہ ایسی صورت میں سلاست و روانی قائم رکھنے کا مسئلہ دشوار تر ہو جاتا ہے۔ میں اس کوشش میں کہاٹک کامیاب ہوا ہوں اس کا اندازہ میں نہیں کر سکتا۔ قارئین بہترین منصف ہیں۔

رہا ترجمہ کی صحت و عدم صحت کا سوال تو گزارین ہے کہ میں ترجمہ شروع



کرنے سے قبل بھی اپنی کم مائیگی محسوس کر رہا تھا اور اب بھی کر رہا ہوں۔ عربی زبان  
 سے مجھے عشق ہے مگر جہاں تک اس زبان کے علم کا تعلق ہے محض مبتدی  
 ہوں۔ ترجمہ بذاتِ خود ایک نہایت مشکل فن ہے۔ میں اس دریا کا بھی شلو  
 نہیں ہوں۔ لہذا املتس ہوں کہ جن اربابِ علم کو جہاں کہیں ترجمہ اور ترجمانی  
 میں غلطی دکھائی دے اس کی ہمدردانہ نشاندہی فرمائیں۔ میں ان کا  
 تہ دل سے شکر گزار ہوں گا۔ اور ان شاء اللہ آئندہ طباعت میں ان غلطیوں  
 کی تصحیح کبزدی جائے گی۔  
 یہ کتاب کا موضوع پیرانا زک ہے بلکہ بقول عربی چارونے،  
 یہ موضوع قابلین سے وقتِ نظر اور صداقت پر کبریا ت پیدا کرتا ہے  
 حق یہ ہے کہ اسلامی تاریخ کا یہ زمانہ روایات کی گونا گونی کے باعث آئندہ  
 تمام اسلامی تاریخ کی عمارت پر خشتِ کج کی طرح اثر انداز ہوا ہے۔ ڈاکٹر  
 طہ حسین نے اس کتاب میں بڑے خلوص کے ساتھ اس مسئلہ کو سمجھنے اور حد  
 نہ شے کی سچانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ ایک شخص کی  
 انفرادی کاوش ہے۔ دوسرے افراد کو اس سوچ سے کئی مقامات پر اختلاف  
 ہو سکتا ہے۔ خود مترجم کو بعض واجب التکریم شخصیتوں کے بارے میں  
 محقق کی رائے سے اتفاق نہیں ہے لیکن جن بات کی افہام ضرورت ہے



وہ یہ ہے کہ ایسی سوچ ملت گیر ہو تاکہ اجتماعی ذہن کسی فیصلہ پر پہنچنے کے قابل ہو سکے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب ایسے غیر فرقہ وارانہ تفکیر کی داغ بیل ڈالنے میں تاخیر ایک اجتماعی جرم ہے۔

اس کتاب کا ترجمہ کرنے کے لئے اگرچہ موضوع کتاب ہی کافی وجہ تھا تاہم مجھ سے یہ کام کرا لینے کی ذمہ داری تیرے کئی عزیزوں اور بزرگوں پر عائد ہوتی ہے۔ — درنہ میں نے دونوں جلدیں کئی بار پڑھنے کے بعد بڑے آرام سے اس نیت کے ساتھ الماری میں بند کر دی تھیں کہ اگر کبھی ہمت ہوئی تو ان کا ترجمہ کر دیا جائے گا۔ یہ نیت اس طرح نیک تھی جیسے بقول خالی ہر مسلمان کی حج پر جانے کی نیت نیک ہوتی ہے۔ — مگر کتنے افراد جانے میں کامیاب ہوتے ہیں؟ — کام کرنے کی خواہش کرنا اور فی الواقع کام کرنا یہ دو ایسے جزیرے ہیں جن کے مابین بے کراں موجیں مائل ہیں۔ — ہر حال سب سے بڑی ذمہ داری میرے مشفق چودھری غلام احمد صاحب پرنٹرز پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے اقتیابا اس کتاب کے کچھ ٹکڑے "طلوع اسلام" میں شائع کئے جس کے باعث میر نے احباب کو اس ساری کتاب کا ترجمہ دیکھنے کا شوق پیدا ہوا ہے ان شائقین میں میر نے دوست اور بھائی دوست کے بعد بھائی کہنا یقیناً ایک فالتوی بات ہے، محمد ایساں صاحب پیش پیش تھے۔ کیونکہ انہوں نے لوگوں میں جن جوش و خروش کے ساتھ عربی پڑھی تھی جو اب میں اسی ذوق و شوق کے



ساتھ بھلا ڈالی ہے۔ رالیاں صاحب کی طرح حبیب گرامی قریشی محمد علی شاہ صاحب بھی جب بھی اس کتاب کا ذکر سنتے ترجمہ پر اصرار فرماتے۔ محترم برادر محمد میر اکبر صاحب سکریٹری میونسپل کمیٹی سرگودھا تو طعن و تشنیع کے ہتھیاروں سے مسلح ہر وقت آمادہ پیکار رہتے تھے۔ مثلاً کیا فائدہ آپ لوگوں کے پڑھنے کا۔ کوئی کتاب نہیں لکھی۔ اور نہیں تو کسی کتاب کا ترجمہ ہی کر دیا ہوتا۔ کسی کتاب سے مراد یہی الفتنہ الکبریٰ تھی۔

آخر رالیاں صاحب نے جناب پرویز صاحب سے ترجمہ کا حکم صادر کرادیا۔ اور میں نے ۱۹۵۵ء کی تعطیلات گراما میں کوہستان مری کی بہاریں فضا میں کام شروع کر دیا۔ یہ سلسلہ حسب فرصت جون ۱۹۵۶ء تک جاری رہا ترجمہ کی تسوید میں میرے ایک شاگرد سبطین رضا صاحب نے کافی مدد دی۔ میں ان کا بہ خلوص خاطر ممنون ہوں۔ یہاں یہ بات واضح کر دینی غیر محل نہ ہوگی کہ اگر تسوید درود سر ہے تو نظر ثانی اور تبصیر درود جگر۔ میرے ایک کرمبر ما کہا کرتے ہیں کہ اگر نظر ثانی اور تبصیر بھی نقطہ اتنی ہی مشکل ہوتی جتنی تسوید ہے تو دنیا میں مصنفوں کی تعداد ہزاروں گنا زیادہ ہوتی۔ اس ترجمہ کی تسوید بھی یقیناً ایک مدت تک خلعت تبصیر کی منتظر رہتی مگر جناب محمد میر اکبر صاحب پھر حلاؤ ہوئے۔ ۱۹۵۶ء کی تعطیلات ہو چکی تھیں انھوں نے حکم دیا کہ تم



سرگودھ سے کہیں یاہر نہیں جاسکتے۔ اس کام کو ان تعطیلات میں مکمل کرو۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنی کو بھیج کا ایک مکلف مکرمہ میرے لئے مخصوص کر دیا اور میری جملہ آسائشوں اور ضرورتوں کی کفالت اپنے ذمہ لے لی۔ ایسے ظالم ہربانوں کا شکریہ کس زبان شکایت سے ادا کیا جاسکتا ہے؟

پھر حال میں نے نظر ثانی وغیرہ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس "تبد" میں میرے جگر کی دوست نصیر احمد زار ایم۔ اے اور محمد خورشید عاصم ایم۔ اے بھی شریک تھے۔ یہ دونوں عزیز عربی زبان کے ستوانے ہیں۔ انہوں نے نظر ثانی میں میری گراں قدر امداد کی۔ ترجمہ کی کئی غلطیاں درست کیں اور عبارت کو رواں تر بنانے کی خاطر خاصی جگر کا وی سے کام لیا۔ محمد خورشید عاصم نے تو کم از کم دوسو صفحات کی تیسویں بھی کی۔ ان دونوں کا شکریہ کیونکر ادا کروں۔ دوست ہیں۔ ڈرتا ہوں میرے کلمات امتنان، ان کی طبع نازک پر گراں نہ گزریں۔ میں ادارہ عالیہ طلوع اسلام کا بھی انتہائی احسان مند ہوں جس نے اس کتاب کو لپٹے سائے عاطفت میں شائع ہونے کا فخر بخشا۔

محبت کیش

(پروفیسر) محمد منور (ایم۔ اے)

(گورنمنٹ کالج۔ لاکھپور)



یہ کہ ان میں سے کئی ایسے تھے جنہوں نے اپنے رب سے انکار کیا اور  
 پہلے یہ کہ ان میں سے کئی ایسے تھے جنہوں نے اپنے رب سے انکار کیا اور  
 پہلے یہ کہ ان میں سے کئی ایسے تھے جنہوں نے اپنے رب سے انکار کیا اور

## تاریخ

یہ کہ قرآن کریم نے تاریخ کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ اس نے کہا ہے کہ دلائل  
 آئندہ ان کے لیے حجت بن جائیں گے۔ مثلاً میں آئیں تو میں مخلوق میں سے ہوں  
 رہوں اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے تمہاری طرف سے اس کے لیے دلائل دیے ہیں  
 کہ وہ اس سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ اس نے تاریخ کو محض واقعات نگاری کی حیثیت  
 سے پیش نہیں کیا بلکہ اس نے اسے فلسفہ یا سائنس کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ اس کا ہونا  
 یہ ہے کہ قوموں کا عروج و زوال، فطرت کے اہل قوانین سے والہانہ ہونا ہے۔ یہ تاریخ  
 وہ ہے یہ بتاتی ہے کہ فلاں قوم نے جب تو ان میں خداوندی کے مطابق معاشرہ قائم کیا تو  
 اس کا نتیجہ کیا ہے؟ اور جب اس نے ان قوانین کی خلاف ورزی کی تو اس کا نتیجہ  
 کیا ہوا۔ ان امور کے بیان کرنے سے قرآن کریم کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اگر تم بھی اس  
 قسم کی روشناس اختیار کر دو گے جس پر عمل کر کوئی قوم تباہ ہوئی تھی تو تمہارا انجام  
 بھی سبای ہو گا اور اگر تم نے ایسی قوم کی راہ اختیار کی جس نے تو ان میں خداوندی  
 کے امتثال سے عروج حاصل کیا تھا تو یہ بھی سب فراموشی اور بلندی نصیب  
 ہو جائے گی۔ (تاریخ و فلاسفہ)

لیکن تاریخ کی اس اہمیت کے باوجود ہماری تاریخ کا جو عالم ہے اس  
 کے پیش نظر اسے کسی طرح بھی متبادل اعتماد تو ایک طرف، قابل اطمینان بھی  
 نہیں کہا جا سکتا۔ اول تو ہمارے قرن اول کی تاریخ باضابطہ طور پر تفسیری



جو کئی صدی ہجری سے پہلے مرتب نہیں ہوئی۔ اور جو مرتب ہوئی وہ بھی ایسے غیر  
ماقدانہ انداز سے کہ اسے اس عہد کی قابل اطمینان تاریخ کسی صورت میں  
بھی نہیں کہا جاسکتا۔

یہ تو اس دور کی تاریخ کی عمومی حالت ہے۔ لیکن خاص طور پر حضرت  
عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے کا جو نقشہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ ■

بڑا ہی عبرت آموز اور تاسف انگیز ہے۔ ہم چاہتے تھے کہ کوئی بلند پایہ  
مؤرخ یا تنقید نگار اس دور کی تاریخ کا غیر جانبدارانہ طور پر جائزہ لے کر یہ  
بتائے کہ وہ احوال و ظروف کیا تھے جن میں خلیفۃ المسلمین، حضرت عثمان  
کی مدنیہ منہ میں شہادت عمل میں آئی۔ اس ضمن میں جو کتب تاریخ ہمارا  
نظروں سے گزریں ان میں ہم نے مصر کے ڈاکٹر طہ حسین کی کتاب  
الفتنة الکبریٰ کوئی الجملہ باقیوں کے مقابلہ میں بہتر پایا۔ ڈاکٹر موسوف علی  
دنیا میں کسی لغات کے محتاج نہیں۔

(ہم اس کتاب کا اردو ترجمہ اس خیال سے شائع کر رہے  
ہیں کہ ہمارے ہاں جو طبقہ عربی زبان سے واقف نہیں لیکن وہ اس موضوع  
سے دلچسپی رکھتا ہے، اسے معلوم ہو جائے کہ عربی مالک کے معنی  
اور مؤرخ کس نہج پر سوچتے اور تاریخ کو پیش کرتے ہیں۔ چونکہ ہمارے  
پیش نظر تنقید ہے اور نہ محاکمہ اس لئے ہم نے نہ کسی طویل مہتد کی ضرورت  
سمجھی ہے اور نہ ہی خاص حواشی کی۔ ہم نے ڈاکٹر طہ حسین کے خیالات  
کو اردو میں منتقل کر دینے پر اکتفا کیا ہے۔ ضروری نہیں کہ ہم ان کے نتائج  
مستخرج سے بھی بالکل متفق ہوں۔

امید ہے کہ ہمارا اردو دان طبقہ اس کتاب کو مفید پائے گا۔  
 القنتہ الکبریٰ (عربی) دو جلدوں میں ہے۔ جلد اول میں حضرت عثمان کے  
 زمانے کے حالات ہیں اور جلد دوم میں حضرت علیؓ اور آپ کے صاحبزادگان  
 کے حالات۔ ہم ہر دست جلد اول کا ترجمہ شائع کر رہے ہیں۔

والسلام

ناظم ادارہ طلوع اسلام

۲۵۔ بی۔ گلبرگ کالونی۔ لاہور

۲۹ جولائی ۱۹۵۹ء

(اتحاد پریس مل روڈ۔ لاہور) ہاشم شیعہ وحید الدین پرنٹر چھپا



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# باب اول

## تمہید

میری دلی خواہش ہے کہ اس بحث میں حتی الامکان حق اور صرف حق کو ملحوظ رکھوں اور جہانتک میں چلے راستی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑوں۔ اس معاملہ میں اپنے آپ کو جادۂ انصاف کا پابند رکھوں اور اس سے ایک پیچ بھی ادا نہ کر دوں نہ ہٹوں، میری پوری کوشش ہوگی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں مسلمانوں کی مختلف لڑنے والی جماعتوں میں سے کسی کی طرف ذیادۂ حمایت نہ کروں۔ میں نہ پرستار عثمان ہوں نہ شیعہ علیؑ نہ اس قضیہ میں میرا انداز فکر حضرت عثمانؓ کے ان مہموروں کی طرح ہے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ اس جھگڑے کی مشکلات برداشت کی تھیں۔ اور پھر ان کے دوش بدوش یا ان کی وفات کے بعد اس کے عواقب کا

بار اٹھایا تھا۔

تاریخ کے مطالعہ میں میرا نقطہ نظر مجھے معلوم ہے کہ حضرت عثمان کے زمانہ سے لے کر آج تک اس جھگڑے

میں لوگوں کے درمیان اختلاف آرا رہا ہے چنانچہ ایک گروہ تو عثمانی ہے جو حضرات شیخین راوی بکرہ و عمرہ کو چھوڑ کر اصحاب رسول اللہ میں سے کسی کو بھی حضرت عثمان کا ہم پلہ نہیں مانتے۔ دوسری جماعت شیعوں کی ہے جو رسول خدا کے بعد کسی کو بھی حضرت علی کا ہم تسلیم نہیں کرتی۔ اس ضمن میں وہ حضرت ابوبکرہ و عمرہ کو بھی مستثنیٰ نہیں کرتے نہ ان کے دلوں میں ان دونوں بزرگوں کی عظمت و منزلت کا کوئی خیال ہے۔ ایک گروہ ان دونوں کے بین بین ہے اور وہ حضرت عثمان کی پاسداری یا حضرت علی کی طرفداری میں کسی قدر میانہ روی سے کام لیتا ہے اور وہ صحابہ کرام و تنواریں اللہ علیہم اجمعین میں سے ہر ایک کی قدر و عظمت کا اعتراف کرتا ہے۔ وہ سابقون الاولون کی سبقت کا قائل ہونے کے ساتھ ساتھ کسی کو کسی پر فضیلت بھی نہیں دیتا۔ ان کا عندیہ یہ ہے کہ ان سب خدا و رسول کے احکامات کی تابعداری میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی تھی اور وہ سب کے سب اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ تھے، ان سے اجتہاد میں خطا و صواب کا وقوع ممکن ہے اور ہر دو صورت میں وہ اجر کے حقدار ہیں۔ کیونکہ انہوں نے نہ تو عمدہ کوئی خطا کی تھی نہ قصور کسی غلطی کا ارتکاب کیا تھا۔ یہ حال یہ سب فریق اپنے اپنے نظریہ پر بری سختی



کار بند ہیں اور اپنی اپنی آراء کی مدافعت میں جان تک لڑا دینے کو تیار ہیں۔ اس لئے کہ وہ اس قضیہ کو دینی نقطہ نظر سے سوچتے ہیں اور اسے ایمان کی ایک شق قرار دیتے ہیں اور پھر اس کی حفاظت و مدافعت اس انداز سے کرتے ہیں جیسے ایک مومن اپنے دین کی حفاظت کرتا اور اپنے یقین و ایمان پر سختی سے قائم رہتا ہے اور اس تمام قول و عمل سے رضائے الہی کے حصول کا متمنی اور ثواب کا طالب ہوتا ہے۔

میں اس قضیہ کو ہر قسم کے جذبات و احساسات سے الگ ہوتے ہوئے دین و ایمان سے بالاتر ہو کر محض ایک ایسے مؤرخ کی نظر سے دیکھتا چاہتا ہوں جو جملہ میلانات و عواطف اور اغراض و خواہشات سے پوری طرح مبرا و منزہ ہو خواہ ان کے مظاہر و مصادر اور غایات کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں۔

مسلمانوں کی ایک جماعت بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ صحابہ کرامؓ کا ایک بڑا حصہ تو اس قضیہ کے رونما ہونے اور اس جھگڑے کے پھیلنے سے پہلے ہی داعی اہل کولبیک کہہ چکا تھا۔ لہذا یہ حادثہ ان کے ایمان اور ان کی قدروں میں کوئی نقص خلل پیدا نہ کر سکا بلکہ اس کی وجہ سے وہ شک و شبہ سے بالا اور لغزشوں سے محفوظ رہے۔ دنیائے رخصت ہوتے وقت وہ ان نعمتوں اور برکتوں سے بہرہ مند تھے جو خدا نے مسلمانوں کے لئے بطور اجر مخصوص کر رکھی تھیں اور ان تمام نعمتوں اور برائیوں سے بچے رہے جو خدا کے قانون مکافات نے مسلمانوں کے لئے بطور سزا مقرر کی تھیں۔ جب یہ قضیہ ظہور پذیر ہوا اور مسلمان اس شدید خانہ جنگی کا شکار ہو گئے

جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے تو اس وقت بہت سے صحابہ کرام کو  
 ایسے بھی موجود تھے جنہوں نے اس نزاع میں کسی قسم کی کوئی شرکت نہ کی اور نہ  
 کے شدائد و آلام سے کوئی بار اپنے کا ندھوں پر اٹھایا۔ انہوں نے اپنے دین کو کچھ  
 کے لئے اس قضیہ میں جھگڑنے والوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ انہیں بزرگوں  
 میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی تھے جنہوں نے فرمایا تھا کہ میں اس وقت  
 تک شریک نہ ہوں گا جب تک مجھے کوئی ایسی تلوار نہ لادو جو صرف عقل و نظر

ہی نہ رکھتی ہو بلکہ وہ یہ بھی بول کر تباہی دے کہ فلاں غلطی رہے اور فلاں راستی پر

چنانچہ میں بھی حضرت سعدؓ اور ان کے رفقاء کی روش اختیار کرنا چاہتا ہوں۔  
 نہ ایک کی حمایت میں جھگڑا مول لوں گا نہ دوسرے کی مدافعت میں۔ میری کوشش  
 یہ ہوگی کہ پہلے خود اپنے سامنے اور پھر تمام لوگوں کے سامنے وہ احوال و ظروف بیان  
 کروں جنہوں نے مخالفت گردہوں کو فتنہ و فساد اور نتیجتاً ایک ایسی شدید خانہ  
 جنگی کی طرف دھکیل دیا جس سے مسلمانوں کا شیرازہ آج تک منتشر ہوتا چلا  
 آ رہا ہے اور جو اغلباً قیامت ان میں پھوٹ ڈالتی رہے گی، اس داستان کو  
 مطالعہ کرنے والوں کو معلوم ہو جائے گا کہ حقیقتاً یہ معاملہ حضرت عثمانؓ و حضرت  
 علیؓ اور ان کے ہوا خواہوں اور جہاں نشاروں کے پس کا نہ تھا۔ اس وقت حضرت  
 عثمانؓ کی جگہ جو شخص بھی مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوتا اسے انہی مصائب  
 فتن سے دوچار ہونا پڑتا جس سے حضرت عثمانؓ ہوئے تھے اور نتیجتاً ہی انہیں



اور اس سے پیدا ہونے والے قتال کا مقابلہ کرنا پڑتا جس کا حضرت عثمان رضی کو  
امتنا کرنا پڑا۔

مجھے اس اعتقاد کے اظہار میں بھی باک  
نہیں کہ خلافت اسلامیہ کا جو مفہوم حضرت  
ابوبکر و عمر رضوان اللہ علیہما کے بیان

خلافت اسلامیہ کا مفہوم  
سیاسی تجربہ

تھا۔ وہ ایک بہت بڑا آزمائشہ تجربہ تھا جو تقریباً جان کی بازی لگانے کے مترادف  
تھا، لیکن یہ جان آزما ہم اپنے انجام تک نہ پہنچی۔ نہ ہی اس کا انجام تک پہنچنا  
مکن تھا کیونکہ اس کی داغ بیل ایک ایسے دور میں ڈالی گئی جو اس کے لئے  
وزروں و مناسب نہ تھا۔ وہ اس عہد کے لئے بہت ہی پیش از وقت چیز تھی۔  
کیا یہ صحیح نہیں کہ ان اہمیت اپنے گونا گوں تجربات۔ علمی ترقیات، مختلف  
ستم کی حکومتوں اور حکمرانی کے طریقوں کی آزمائشوں کے باوجود آج تک کسی ایسے  
سیاسی نظام کی تشکیل نہ کر سکی جس میں لوگوں کے درمیان سیاسی و اجتماعی  
عدل کا وہ نظام رونمائی لایا جاسکے جسے حضرات ابوبکر و عمرؓ عملی جامہ پہنانے  
کا ارادہ رکھتے تھے۔

اسے یعنی زمانے کی سطح ابھی اتنی اونچی نہیں ہوئی تھی کہ وہ اس ستم کے نظام عدل مساوات  
کو اپنا سکتا۔

مختلف نظامائے حکومت کے تجربے  
اور ان کا مال

انسانیت نے حکومت کے کئی طریقے  
اختیار کئے ایسے بادشاہ بھی آئے  
جو خود کو خدا سمجھتے تھے۔ ایسے بھی  
جوانے آپ کو مختلف دیوتاؤں کا سایہ تصور کرتے تھے۔ ازاں بعد ایسے بادشاہ  
بھی منصفہ شہود پر آئے جو خود کو خدائے واحد کا ظل خیال کرتے تھے تاہم یہ  
جملہ ملوک و سلاطین مخلصانہ یا غیر مخلصانہ طور پر رائے یہ رکھتے تھے کہ ان  
حکومت خدا یا دیوتاؤں کی طرف سے تفویض ہوئی ہے اور وہی انہیں اپنا ظل  
بنانا کہ بندوں میں بطور نائب و خلیفہ بھیج دیتے ہیں۔ لہذا ان ملوک کے اوپر  
و قوا ہی اور ان کے اعمال و دعادی کو اس سے کوئی غرض نہ ہوتی تھی کہ لوگ  
اس سے راضی ہوں گے یا ناراض۔ اس لئے کہ لوگوں کو راضی یا ناراض ہونے  
کا کوئی حق ہی نہ تھا۔ ان کا فرض نقطیہ تھا کہ وہ تسلیم خم کر دیں۔ ان کی  
خوشی یا ناخوشی کو ہرگز یہ حق حاصل نہ تھا کہ وہ بادشاہوں کا طرز عمل بدل دے  
ایسے ہی جیسے آپ سورج کے طلوع ہونے پر خوش اور غروب ہونے پر ناراض  
ہوتے رہیں کیونکہ نہ آپ کی خوشی اسے نمودار ہونے پر اس کا سکتی ہے اور  
نہ آپ کا غصہ اسے روپوش ہونے سے روک سکتا ہے۔  
انسانیت کو ان ملوک کی حکومت میں خوش بختی کم اور بد بختی زیادہ  
نصیب ہوئی۔ لہذا وہ اس میں تغیر و تبدیلی کے لئے کوشاں رہی اور بعض



میں اسے یہ تبدیلی میسر بھی آگئی۔ چنانچہ انسانیت نے اس چند سری حکومت (Aristocracy) کا رنگ بھی دیکھا جس میں حکومت محدود سے چند آدمیوں کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ ہر معاملہ میں عامۃ الناس سے قطع نظر کر کے عدل کا ترازو اپنے خود غرض ہاتھوں میں محدود و مخصوص رکھتے تھے۔ انسانوں نے ان باغیوں کی حکومت کا ڈھنگ بھی دیکھا جو اس لئے آئے تھے کہ عوام کو ان قلیل التعداد خود غرض افراد کی چیرہ دستیوں سے نجات دلائیں اور عوام میں ایسے عدل کو رواج دیں جس کی رو سے قوی و ضعیف، غنی و فقیر اور قادر و عاجز میں کوئی تفرق باقی نہ رہے مگر وہ بھی عوام میں ظلم و جور عام کرنے اکثریت کے ساتھ اقلیت کو ذلیل کرنے اور اسے از سر نو اسی ضعف و بے بسی اور مصیبت میں مبتلا کر دینے کے سوا اور کچھ نہ کر کے جس سے وہ اسے نکالنا چاہتے تھے۔

ازاں بعد انسانوں نے وہ نظام حکومت دیکھا جو ان کے **جمہوریت** خیال میں بہترین ترقی یافتہ، بلند اور مثالی نظام حکومت تھا۔ جسے وہ اس قابل سمجھتے تھے کہ عامۃ الناس میں سیاسی و اجتماعی عدل برقرار رکھ سکے گا۔ یہ وہ نظام تھا جس میں جمہور کی حکومت جمہوری کے سپرد ہوتی ہے کہ وہ جو تصرف چاہیں کریں اور جو تدبیر پسند کریں عمل میں لائیں۔ انسانوں کو اس تجربہ سے عدل کا ایک حصہ تو ضرور مل گیا مگر مکمل

عدل تک نہ پہنچ سکے۔ بلکہ جو عدل انھیں حاصل ہوا تھا وہ بالکل معمولی اور ادنیٰ درجہ کا تھا۔ ازاں بعد آج تک عوام الناس کو یہ موقع میسر نہ آیا کہ وہ کسی ایک راک یا ایک نظریہ پر متفق و متحد ہو سکتے تاکہ ان کی آواز ایک ہوتی اور آرزو بھی۔ اس طرز حکومت میں وہ جمہور کے مسائل بظاہر انہیں کے ہاتھ میں دیدیتے ہیں مگر حقیقت جہاں تک عمل کا تعلق ہے انھیں اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ مثلاً وہ جمہور سے ان کے کسی معاملہ میں رائے طلب کرتے ہیں اور جب اختلاف رونما ہوتا ہے اور جس کارروائی لازمی امر ہے۔ تو پھر وہ اکثریت کی رائے کو نافذ کر کے اقلیت کی منشا کا خون کر دیتے ہیں چنانچہ اس طرح وہ اکثریت کو یہ اختیار دیدیتے ہیں کہ وہ حسب مرضی اقلیت کو ذلیل کریں اور ان میں ایسے احکام نافذ کریں جنہیں وہ نہ چاہتی ہو۔ اگر یہ طرز حکومت اس امر کا ضامن ہو تاکہ اکثریت اپنے اوپر بھی حکومت کرتی اور اقلیت پر بھی تو یہ چیز عدل سے نسبتاً قریب اور ظلم سے کسی حد تک بعید ہوتی۔ لیکن اکثریت والے خود تو حکومت کرتے نہیں اور نہ وہ کر سکتے ہیں بلکہ وہ فرائض حکومت اپنے منتخب شدہ نمائندوں کے سپرد کر کے یہ بار ان پر ڈال دیتے ہیں۔ اس انتخاب میں کبھی پارٹی بازی، تشدد، لالچ اور خوف کی آمیزش ہوتی ہے اور کبھی یہ ان چیزوں سے پاک صاف ہوتا ہے بہر حال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ لوگ جنہیں عوام اپنے اوپر حکومت کا حق سونپتے ہیں اسی معاشرہ کے انسانوں میں سے ہوتے ہیں۔ ان میں طاقت



..... بھی ہوتی ہے اور کمزوری بھی، سختی بھی ہوتی ہے اور نرمی بھی، قناعت بھی ہوتی ہے اور طمع بھی، ایثار کا جذبہ بھی ہوتا ہے اور مصلحت پرستی و خود پروری کا بھی، لہذا ہر وقت ان کی طرف سے خطرہ ہے کہ وہ اعتدال چھوڑ کر راہ حق سے منحرف ہو جائیں اپنے ساتھ دوسروں کو بھی غلط راہ پر لگا دیں اور پھر اسی طرح ظلم و ستم ڈھالنے لگیں جس طرح مطلق العنان بادشاہ یا خود سر خود رائے استقر اطمینت یا جاہ پسند باغی ڈھالتے رہے۔

بائیں ہمہ جب حال یہ ہے کہ ابھی تک  
**عدل سیاسی اور عدل اجتماعی** ہم عدل سیاسی کو بھی پوری طرح

قائم نہیں کر سکے تو پھر اگر ہم عدل اجتماعی بھی بروئے کار لانا چاہیں جس کا تقاضا صرف یہی نہیں کہ جملہ عوام حاکم کی نگاہ میں برابر ہوں بلکہ یہ بھی ہے کہ سب لوگ اس پیداوار میں بھی برابر کے شریک ہوں جس پر ان لوگوں کی زندگی کا دار و مدار ہو تو یہ چیز کس قدر مشکل ہوگی، اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اب تک دنیا کے انسانوں نے مختلف ادوار و احوال، متعدد معاشرہ کی تشکیل میں جن نظام ہائے حکومت کا تجربہ کیا ہے وہ سب کے سب اس اجتماعی عدل کو اس کی پوری پوری شرائط کے ساتھ قائم کرنے میں ناکام رہے ہیں یا ایسا عدل اجتماعی جس میں انسانیت مکمل طمانیت سے بہرہ اندوز ہوتی اسے ایسا سکون نصیب ہوتا جس میں کسی قسم کا تلذذ نہ ہوتا۔ اور وہ ایسے

اس سے ہمکنار ہوتی جس میں کسی قسم کے خوف کی آمیزش نہ ہوتی، ہمارے  
 موجودہ دور میں انسانیت پر جو کچھ بیت رہی ہے اس کے متعلق کچھ زیادہ کہنے  
 کی ضرورت نہیں۔ مختصر یہ کہ جمہوریت نے عوام کو کسی حد تک آزادی اور قانون  
 کی نگاہ میں تھوڑی سی مساوات ضرور عطا کر دی ہے لیکن وہ اجتماعی عدل بروکھا  
 لانے کے لئے کوئی ذمہ داری قبول نہ کر سکی۔ کیونکہ نظم نے تھوڑے بہت اجتماعی  
 عدل کی ضمانت لے کر عوام کے یا ہی امتیازات کو ختم کر دیا۔ ہر مزدور کو کام  
 ہتیا کیا اور اپنی محنت سے نفع اندوز ہونے کا موقع بہم پہنچایا۔ اسی طرح  
 معاشرہ کے اچا جج اور مزدور لوگوں کی روزی کا ایسا بندوبست کیا کہ وہ نہ  
 تو ہین اور شرمندگی سے محفوظ رہ کر باعزت زندگی بسر کر سکیں لیکن اس  
 کارگزاری کے عوض انھوں نے لوگوں کی آزادی تمام کیونکہ نظم کی قربان گاہ  
 پر کھینٹ چڑھا دی۔ فسطائیت نے آزادی اور عدل دونوں کا خون کر دیا۔  
 اور لوگوں کو حکومت کے تسلط کے سامنے بالکل بے دست و پا بنا دیا۔ انھیں اپنی  
 محنت اور مزدوری کے صلہ سے بھی محروم کر کے آزادی کی ایک سانس بھی ان پر  
 حرام کر دی۔

انسانیت نے صالح حکومت

کی تلاش میں یہ سب مراحل

طے کئے اور ان تمام نظاموں کے

حضرات ابوبکر و عمرؓ اور عدل اجتماعی کا

جرائمندانہ تجربہ



حکومت کو آزمایا لیکن بایں ہمہ مقصد تک نہ پہنچی۔ ظلم و جور کا شکوہ بہستور اپنی جگہ رہا۔ ذلت و غلامی میں جکڑی رہی، اور سلسل کسی ایسے صحیح نظام کی جستجو اور تلاش میں لگی رہی جو عامۃ الناس کو حریت اور عدل دونوں کی نعمتوں سے ہمکنار کر سکے۔ یہی وہ صحیح نظام تھا جس کی نشوونما کے لئے خلافت اسلامیہ حضرات ابو بکرؓ اور عمرؓ کے عہد میں سرگرم عمل رہی۔ مگر حضرت ابو بکرؓ ابھی اس تجربے کو شروع بھی نہیں کئے پائے تھے کہ وفات پا گئے۔ حضرت عمرؓ جب شہید ہوئے تو وہ اس تجربہ کی راہ میں کئی قدم آگے بڑھا چکے تھے مگر ادلا تو وہ خود اپنے تجربے سے مطمئن نہ تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی خلافت کے آخری ایام میں فرمایا کرتے تھے "جو کچھ میں نے بعد میں معلوم کیا اگر اس کا علم پہلے ہو جاتا تو میں سرمایہ

داروں سے فالتو دولت چھین کر فقرا میں بانٹ دیتا" اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ خود بھی ایسا اجتماعی عدل دیکھ کر پرستاش قائم نہ کر سکے جس کے وہ آرزو مند تھے۔ جب حضرت عمرؓ کا یہ حال ہے حالانکہ آپؓ وہ خلیفہ ہیں جس کے زیادہ عدل پرورد عدل گستر امیر مسلمانوں اور غیر مسلموں کو کبھی میسر نہ ہوا تو پھر دوسروں کا ذکر ہی عبث ہے۔ ثانیاً یہ کہ حضرت عمرؓ کے اس تجربے سے خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہم عصر بھی خوش نہ تھے اس لئے کہ وہ ان کے اقتدار و دبذہ سے خائف و لرزاں رہتے تھے اور ان میں سے اکثر افراد ان کی اطاعت خوف و ہمت کی بنا پر کرتے تھے۔ چنانچہ وہ افراد جنہیں حضرت عمرؓ سے بے پناہ محبت تھی یا جن

حضرت عمرؓ کو بے حد الفت تھی وہ حضرت عمرؓ کو یہ تلقین کیا کرتے تھے کہ وہ اپنے  
 اور عامۃ الناس کے حق میں شری اختیار کریں۔ لیکن وہ ایک نہ مانتے تھے کیونکہ  
 ان کی نظر میں عدل ہر شے سے زیادہ عزیز تھا۔ علاوہ ازیں اس تجربہ سے مفتوحین  
 بھی راضی نہ تھے۔ وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ ان سے جو کچھ کرایا جاتا ہے وہ  
 ان کے لئے ناگوار و ناقابل برداشت تکلیف ہے۔ یہ لوگ خود کو تہذیب و تمدن  
 میں بہت آگے سمجھتے تھے۔ اور ان کے خیال میں عربوں نے ان کی ثقافت پر  
 ڈاکہ ڈالا تھا۔ لہذا انہیں ہرگز گوارا نہ تھا کہ عرب کے بادیشان اس متمدن قوم  
 پر مسلط ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ کی شہادت اسی غم و غصہ کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ  
 انہی مفتوحین میں سے ایک شخص نے آپ کو شہید کر دیا تھا۔ یہ شخص مغیرہ بن  
 شعبہ کا غلام تھا۔ اس نے حضرت عمرؓ کے پاس مغیرہ بن شعبہ کی سخت گیری  
 کا شکوہ کیا تھا لیکن جب حضرت عمرؓ نے تحقیق کی تو اس کی شکایت بجا  
 ثابت نہ ہوئی اور حضرت عمرؓ نے اس کے اقلے کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی۔  
 نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کو نماز ادا کرتے ہوئے نیزہ مار کر شہید کر دیا گیا۔

تاہم اگر ہم اس جراثیم زدہ تجربہ کے بارے میں یوں سرسری طور  
 پر فیصلہ صادر کر دیں تو یہ زیادتی ہوگی۔ یہ معاملہ اس کا مستحق ہے کہ ذرا توقف  
 کر کے اس پر گھنڈے سے غور کیا جائے اور دیکھا جائے کہ اس تجرباتی  
 نظام کی بقتار کامیابی اور فائز المرامی ممکن بھی تھی؛ اس غور و تامل کے



دفعہ میں ہم اس انصاف پر پابند رہ کر جسے ابتداء میں ہم نے اپنے اوپر لازم  
 کیلئے اس بات کو پایہ تحقیق تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ دوسرے یہ غور و تامل  
 ہماری اس ضمن میں بھی اعانت کرتا ہے کہ ہم ان بے شمار مشکلات کو سمجھنے کی  
 کوشش کریں جو عہد حضرت عثمانؓ میں خود بخود رونما ہوئیں یا پیدا کی گئیں اور جن کا  
 باعث قطع یہ نہ تھا کہ خلیفہ حضرت عثمانؓ تھے بلکہ درحقیقت خود وہ وقت ہی  
 آپہنچا تھا جو ان مشکلات سے بعض کو ابھار کر سامنے لاتا اور رہی سہی کسر لوگ /  
 پوری کر دیتے۔



# باب دوم

## اسلامی سیاسی نظام کا دار و مدار مساوات پر ہے

وہ بنیادی قاعدہ جس پر حضرات ابوبکر

و عمرؓ نے اپنا نظام حکومت استوار کیا،

یہ تھا کہ مسلمانوں کے حق میں ان کا

اسلام کے دو بنیادی اہم مسائل

توحید اور مساوات

طرز عمل حتی الوسع وہی ہو جو آنحضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ آپ کی سیرت

پاک سے مسلمان حتی الامکان بڑی حد تک آگاہ تھے۔ اس سیرت کا بنیادی عنصر

یہ تھا کہ عامتہ الناس میں خالص اور مطلق عدل نافذ کیا جائے۔ یہ وہ بات ہے

جس کے لئے ہمیں کسی دلیل و ثبوت کی ضرورت نہیں۔ جو بھول گیا ہوا ہے اتنا ہی

یا دلا دینا کافی ہے کہ جب اسلام آیا تو اس نے دو مسائل پر سب سے زیادہ

زور دیا۔ ایک توحید اور دوسرا مساوات۔ خدائے عز و جل کا ارشاد ہے۔



يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ  
وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا  
إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ  
عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝ (۴۹)

اے لوگو! بیشک ہم نے تم کو نر اور مادہ سے پیدا کیا اور تمہیں قبائل  
اور خاندانوں میں بانٹ دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بیشک  
خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں  
سب سے زیادہ تقویٰ شعار ہے۔ بیشک اللہ سب کچھ جانتا ہے  
اور پوری طرح باخبر ہے۔

قریش کو آنحضرت رسول اکرمؐ اور ان کی دعوت کے خلاف جو غم و غصہ  
تھا اس کا سب سے بڑا بنیادی سبب یہی تھا کہ آپ اسی شہر آنی عدل و مساوات  
کی طرف دعوت دیتے تھے۔ اور آقا و خادوم۔ آزاد و غلام۔ قوی و ضعیف۔  
اور غنی و فقیر میں کوئی فرق روا نہ رکھتے تھے۔ آپ کی دعوت کا مقصد یہی تھا  
کہ تمام انسان کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر ہو جائیں کسی کو کسی کے  
مقابلے میں کوئی امتیاز حاصل نہ ہو۔ کہا جاتا ہے کہ اسلام نے غلامی کا خاتمہ  
نہیں کیا اور نہ لوگوں کو اس سے روکا کہ وہ ایک دوسرے کو اپنی ملک بنائیں  
لیکن وہ لوگ جو اسلام کو بخوبی سمجھتے ہیں اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ

اسلام کا یہ بڑا خطر اقدام جس کی رو سے آزاد اور غلام کو خدا کے نزدیک ہم تر قرار دیا گیا تھا اتنی تاریخ کا ایک بہت ہی اہم اور بالآخر نہایت دور رس نتیجہ پیدا کرنے والا واقعہ تھا۔ بشرطیکہ مسلمانوں کے حالات اسی رفتار سے بڑھتے رہتے اور انھیں ان مضامین و محن اور حوادث و فتن کا سامنا نہ کرنا پڑتا جن سے وہ دوچار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے نمازیں غلام اور آزاد دونوں پر یکساں فرض فرمائیں جیسے روزہ ان دونوں پر فرض کیا، اسی طرح دونوں پر یہ بھی فرض کیا تھا کہ وہ اپنے دلوں کو خالص خدا کے لئے خاص کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے خون کو باحرمت و معصوم قرار دیا۔ دونوں کے لئے ایک ہی دین مقرر کیا۔ یہ نہیں کیا کہ دین کا ایک حصہ آزاد کے لئے ہو اور دوسرا غلام کے لئے۔ اگر حالات درست رہتے تو یہی ایک بات غلامی کو مٹانے اور حرام کر دینے کے لئے کافی تھی۔ غلامی کیسے ختم نہ ہوتی جبکہ خدا نے غلام کے آزاد کرنے کو ان معاملات میں شامل کر دیا جن کی انجام دہی میں مسلمان ایک دوسرے سے مسابقت کرنے لگ گئے تاکہ خدا کے حضور خدا کے اجر و ثواب کے مستحق ہوں؟ غلامی کیسے ختم نہ ہوتی جبکہ خدا نے دین میں ایسے کئی دروازے کھول دیئے تھے کہ غلام جو اپنی ان دروازوں سے گزرے گا آزاد ہو جائے۔ غلام کو آزاد کرنے کے لئے خدا نے کئی اسباب بنا دیئے مثلاً جب کہ بھی بتایا گیا ہے غلام کے آزاد کرنے کو ان اعمال صالحہ میں شمار کیا جو ایک



مسلمان کا مقصود و منہی ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض خطاؤں کا کفارہ  
 غلام کا آزاد کرنا مقرر فرمایا۔ الغرض خدا نے غلام کی آزادی کے لئے  
 کوئی ایسا ذریعہ باقی نہ چھوڑا جس سے اس کی آزادی کی راہ آسان ہوتی ہو اور  
 اسے مسلمانوں کے لئے فرض اور دستور العمل نہ بنادیا ہو۔

جب حضرت رسول اکرمؐ نے اس امر کا اعلان فرمایا تو قریش کے غیظ  
 و غضب کی کوئی حد نہ رہی۔ بلکہ میں تو یہاں تک مانتے کو تیار ہوں کہ اگر آنحضرتؐ  
 صرف توحید کی تلقین فرماتے اور قریش کے نظام اجتماعی و اقتصادی سے تعرض  
 کر کے عہد و تحر۔ غنی و فقیر تو یہی وضعیت ہیں مساوات پیدا کرنے کی جدوجہد  
 نہ فرماتے، سود کا قلع قمع نہ کرتے اور غریبوں میں بانٹنے کے لئے سرمایہ داروں  
 سے دولت طلب نہ کرتے تو قریش کی اکثریت کسی تکلیف کے بغیر آپ کی دعوت  
 قبول کر لیتی۔ کیونکہ قریشیوں کو یہ خلوص ایمان نہیں مانتے تھے، اور نہ  
 انہیں ان سے سچی محبت تھی۔ قریش کی بت پرستی تفتن طبع سے زیادہ کوئی  
 حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ ان کے نزدیک بتوں کی حیثیت وسیلہ کی تھی نہ کہ  
 غایت کی۔ یعنی قریشیوں کے ذریعے اپنی عرب کو دائم تقدس میں گرفتار رکھنا  
 چاہتے تھے۔ اگر معاملہ صرف بتوں کو چھوڑنا ہوتا تو قریش کے لئے آسان ہو جاتا

۱۔ اور آئندہ کے لئے قرآن کے حکم کی نڈ سے غلامی کا دروازہ بند کر دیا۔

جوان میں چاہتا آپ کی دعوت قبول کر لیتا جو چاہتا انکار کر دیتا۔ اس صورت میں کسی کو کسی تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ کیونکہ قریش کو بتوں سے اگر محبت تھی تو اس لئے کہ بتوں کی وجہ سے انہیں اہل عرب میں وقار بھی حاصل تھا اور ایک طرح کا وسیلہ نذرانہ دہی بھی۔ تاہم قریش کو رسول خدا کی طرف سے ان کے بتوں کی عیب چینی اور یہ دعوت کہ اپنے اور خدا کے مابین بتوں کا وسیلہ ختم کر دیا جائے اتنی ناگوار نہ تھی جتنی یہ بات کہ آپ ان کے نظام اجتماعی سے تعرض کر کے ایک ایسا مدلل قائم کرنا چاہتے تھے جو قریش کے رؤسا و زعماء کی مصلحتوں کے خلاف تھا۔

یہ بات سب جانتے ہیں کہ آنحضرت رسول اکرمؐ بسا اوقات سرداران قریش کے ساتھ اس خیال سے بہت نرمی اور خاص رعایت فرماتے تھے کہ شاید ان کا دل اسلام کی طرف مائل ہو جائے اور وہ اس دعوتِ جدیدہ کے لئے ایک قوتِ ثابت ہوں۔ بعض اوقات اس کوشش میں آپؐ سے کسی غریب دور ماندہ کے حق میں غفلت اور بے پروائی ہوئی ہوگی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں قرآن مجید میں آیات نازل فرما کر آپؐ کو سرزنش کی۔ ابن ام مکتوم کے واقعہ سے متعلق جو کچھ خدائے عز و جل نے وحی نازل فرمائی ہے لوگ آج تک پڑھتے چلے آ رہے ہیں۔

عَبَسَ وَ تَوَلَّىٰ اَنْ جَاءَهُ الْاَوْعَىٰ وَمَا



وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَكِّي ۚ أَوْ يَذَّكَّرُ  
فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرَى ۚ أَمَّا مِنَ اسْتِغْنَىٰ  
فَأَنْتَ لَهُ تَصَدَّقْ ۚ وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَرْفَعُ  
وَأَمَّا مِنْ جِئَاءِكَ لَيْسَ ۚ وَهُوَ يُخْشَىٰ  
فَأَنْتَ عَنْهُ تَلَهَّى ۚ كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۚ  
فَمَنْ شَاءَ ذَكَرْهُ ۚ فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۚ  
مَرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۚ (پہلے)

پہنچیں یہ جہیں ہوئے اور منہ موڑ لیا کیونکہ ان کے پاس ایک اندھا  
آیا تھا۔ اسے پہنچا آپ کو کیا معلوم ممکن تھا کہ وہ پاکبازی اختیار  
کرتا، یا نصیحت پکڑتا اور نصیحت اسے نفع دیتی۔ مگر آپ اس  
شخص کی طرف ملاحظہ ہوئے جو بے نیازی کا اظہار کر رہا تھا۔  
حالانکہ اگر وہ پاکبازی اختیار نہ کرے تو آپ پر کوئی الزام نہیں  
آتا۔ لیکن جو آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور خائف بھی تھا تو آپ نے  
اس سے بے اعتنائی برتی۔ ایسا ہرگز نہ چاہیے۔ بیشک یہ ایک  
پیغام و نصیحت ہے جسے جو چاہے یاد کرے۔ وہ پیغام باعزت  
صحیفوں میں ہے جو بلند کئے ہوئے اور مقدس و پاکیزہ ہیں۔

الغرض انسانوں کے درمیان باہمی مساوات ان دواہم بنیادی اصولوں

یعنی توحید و عدل میں سے ایک ہے جن پر اسلام قائم ہوا۔ چنانچہ رسول خدا

صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں اور ازاں بعد  
**اقامت عدل کی جدوجہد** مدینہ میں اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم

اجمعین کے ساتھ ہر بڑے اور چھوٹے معاملہ میں جو سلوک روار کھا اس کا بنیادی

عنصر عدل تھا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات راسخ ہو گئی کہ عدل

اسلام کے اساسی ارکان میں سے ایک رکن ہے اور اس سے انحراف گویا اسلام

سے انحراف ہے۔ اور اس میں خلل اندازی گویا دین میں خلل اندازی کے مترادف

ہے۔ یہی سبب ہے کہ جب ایک مسلمان نے خود رسول کریمؐ کو دیکھا کہ جنگ

حنین کے بعد مال غنیمت کی تقسیم میں آپؐ بعض عربوں کو ان کی تالیف قلوب

کی خاطر دوسروں سے زیادہ حصہ دیر ہے ہیں تو وہ نا اچھی کے باعث اس طرز

کو برداشت نہ کر سکا۔ چنانچہ اس نے کہا "اے محمدؐ عدل کرو یہ آپؐ عدل نہیں کرتے

آپؐ نے پہلی بار اس کی جانب توجہ نہ فرمائی۔ لیکن اس شخص نے دوبارہ وہی بات

کہی۔ اس پر آپؐ کے چہرے پر غصہ کے آثار نمایاں ہو گئے اور آپؐ نے فرمایا:

کر د اگر میں بھی عدل نہیں کر رہا تو پھر عدل کون کرے گا؟" یہ دیکھ کر کچھ مسلمانوں

چاہا کہ اس شخص کو پکڑیں لیکن انھیں آپؐ نے روک دیا۔ اس لئے کہ آپؐ اپنے

ساتھیوں کی حریت کا تحفظ کرتے تھے۔ اور انھیں مشورہ تنقید اور اعتراض کا

عطا فرماتے تھے۔ ملاوہ ازیں رسول خداؐ صلعم، اگر بعض عربوں کی تالیف قلوب



کر رہے تھے تو یہ عمل عین وحی الہی و اجازت قرآنی کے مطابق تھا۔ خدا نے آپ کو  
 سورہ "برأت" میں اس بات کی اجازت دی تھی کہ آپ اموال صدقہ کے ذریعے  
 بعض لوگوں کی تالیف قلوب کر سکتے ہیں کیونکہ خدا نے اموال صدقہ کے مصارف  
 کی تعیین کرتے وقت اس امر کو بھی ایک مصرف قرار دیا ہے۔ اندر میں صورت  
 اگر آپ نے اموال غنیمت میں سے بہ اجازت خداوندی ایک جماعت کی تالیف  
 قلوب کے لئے بخشش کی تو یہ راہ عدل سے انحراف نہ تھا۔ جہاں تک عدل کی  
 انتہائی ممکن حد تک پاسداری کا تعلق ہے اس کا سب سے بڑا ثبوت وہ طریق  
 عمل ہے جو آپ نے اپنے حق میں بھی اختیار کیا اور اپنے خلفاء کو بھی یہ شوق  
 دلایا کہ وہ آپ کے بعد اسی طریق عمل کو عامۃ الناس میں رواج دیں۔ یہ الگ  
 بات ہے کہ بعد میں آنے والے وہاں تک نہ پہنچ سکے جہاں تک پہنچنا چاہتے  
 تھے۔ ظاہر ہے کہ خود رسول خداؐ نے اپنے آپ کو قصاص اور پاداش کے لئے  
 پیش کر رکھا تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے بھی اپنے عہد خلافت میں اس امر کا  
 عام احساس دلایا ہوا تھا کہ جو عامل بھی رعیت کے کسی فرد کو بلا وجہ ایزاد یگا  
 اس سے ضرور قصاص لیا جائے گا کہا جاتا ہے کہ ایک شخص نے آیام حج میں حضرت  
 عمرؓ کے پاس شکایت کی کہ اس کے عامل نے اسے بلا سبب زد و کوب کیا ہے۔  
 جب عامل کی زیادتی ثابت ہو گئی تو حضرت عمرؓ نے فیصلہ صادر کیا کہ صاحب شکایت  
 اس سے اپنا انتقام لے۔ یہ سن کر عامل گھبرائے ہوئے حضرت عمرؓ کی خدمت میں

حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ عامل سے درگزر فرمایا جائے۔ کیونکہ بدیں صورت حکومت کے قدار کو دھکا لگتا ہے اور رعیت حکام کے حق میں گستاخ ہو جاتی ہے۔ فرض بہت اصلاح و اصرار کیا مگر حضرت عمرؓ نے ایک نہ مانی۔ آخر کار صرف اس شرط پر سنبھلے درگزر کرنا گوارا فرمایا کہ وہ عامل صاحب شکایت کو راضی کر لے۔ چنانچہ عامل نے اس شخص کو راضی کیا اور اس طرح منزل سے بچ سکا۔ حضرت عمرؓ کے پاس دیل قاطع یہ تھی کہ جب آنحضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو سزا سے مستثنیٰ قرار نہ دیتے تھے۔ در انحالیکہ امت میں کوئی شخص بھی آپ کے رتبے کو نہیں پہنچ سکتا تو پھر کسی خلیفہ یا دالی کو ہرگز یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے آپ کو پاداش کے لئے پیش کرنا کر شان سمجھے، یا یہ کہ جب حکومت انھیں سناوئے تو وہ ناپسندیدگی کا اظہار کریں۔ حضرت عثمانؓ کے مخالفین بھی یہ دیل پیش کیا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کو قصاص کے لئے پیش فرمایا تھا اور حضرت عمرؓ نے بھی حکام سے رعیت کو قصاص دلایا تھا، ان کا حضرت عثمانؓ سے یہی مطالبہ تھا کہ وہ بھی اپنے آپ کو سزا کے لئے پیش کریں۔ مگر حضرت عثمانؓ نے ان کا مطالبہ منظور نہ کیا۔ جن لوگوں نے تاجدار دو عالمؐ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ آپؐ خود کسی وصف میں بھی دوسروں سے بالاتر نہ سمجھتے تھے۔ سوائے اس وصف کے جس کی رو سے خدا تعالیٰ نے آپؐ کو برتری عطا فرمائی تھی۔ یعنی یہ کہ



خدا نے آپ پر وحی نازل فرمائی تھی۔ آپ لوگوں سے شورہ کرتے تھے۔ اُن کے  
 مشوروں کو قبول فرماتے تھے۔ آپ کو وہ لوگ  
عدل و مساوات کی مثالیں کے شانہ و شانہ شریک جنگ اور شامل صلح  
 ہوتے تھے۔ آپ نے تعمیر مسجد کے موقع پر لوگوں کے ساتھ مسجد بنانے میں جھگڑ لیا۔  
 ان کے ساتھ خندق کھودی۔ اور جب لوگوں نے کھدائی یا تعمیر کی کلفت و شدت  
 دور کرنے کے لئے کوئی نئے والا پاتا تو آپ نے اس میں بھی شرکت فرمائی۔ بہر حال  
 آپ نے پتھر اٹھائے مٹی ڈھوئی اور اپنے آپ کو ایک عام فرد سمجھا۔ جیسے فضیلت  
 صرف یہی تھی کہ خدا نے اسے وحی و نبوت سے سرفراز فرمایا تھا۔ لہذا جس قدر  
 امتیاز خدا نے دیا تھا اس سے بڑھ کر آپ نے اپنے بارے میں کبھی کچھ خیال  
 نہ فرمایا۔ کتب سیرت و سنن میں مروی ہے کہ آپ نے مرحلتہ الموت کے دوران  
 میں پوچھا کہ میرے یہاں مسلمانوں کے مال میں سے کوئی بھی کچھ شے تو نہیں  
 پڑی رہ گئی ہے؟ اس پر گھر سے کچھ سونا رچند دینار لایا گیا جو آپ نے لوگوں  
 میں تقسیم فرما دیا۔ جب آپ نے رحلت فرمائی تو آپ کے گھر میں نہ سونا تھا نہ  
 چاندی۔ آپ خود بھی اس بارے میں بہت سخت تھے۔ پھر اس ضمن میں اللہ تعالیٰ  
 کی طرف سے جو ہدایات تھیں وہ بھی سخت تھیں، اور بموجب مَا يَنْطِقُ عَنِ  
الْهَوَىٰ آپ اپنی خواہش نفسانی کے تحت کچھ نہ کہتے تھے۔ چنانچہ آپ نے  
 مرت اسی پر اکتفا نہ کیا کہ اپنے آپ کو دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

پر کوئی ترجیح نہ دی بلکہ اپنے اہل بیت کے لئے بھی وہی طریقہ اختیار فرمایا جس پر  
خود پابند تھے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔

نَحْنُ مَعَاشِرُ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُؤْمِرُ بِمَا تَرَكْنَا صَدَقَ

ہماری نبیوں کی برادری کا یہ دستور ہے کہ وہ کسی وارث کے لئے اپنا مال  
نہیں چھوڑتے، ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔

اسی بنا پر جب حضرت فاطمہ الزہراء حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں اپنے والد محترم  
صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث فدک کا مطالبہ کرنے کے لئے تشریف لائیں تو حضرت  
ابوبکرؓ نے ان کا مطالبہ منظور نہ کیا اور انہیں یہی فرمان نبوی سنا دیا۔

بہر حال رسول خدا کی سیرت کا بنیادی پہلو یہ تھا کہ ہر ایک کے ساتھ عدل  
رہا رکھا جائے۔ خواہ اس عدل کا تعلق عامۃ الناس کے باہمی معاملات و مسائل  
سے ہو خواہ آپ کی ذات گرامی اور عامۃ الناس سے یا آپ کے اہل بیت اور  
عوام الناس سے، آپ کے بعد

خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ کا طریقہ | صاحبین حضرت ابوبکرؓ و حضرت

عمرؓ نے حتی المقدور آپ کی روش اور آپ ہی کا طریقہ اختیار کرنے کی کوشش کی  
بلکہ حضرت ابوبکرؓ نے تو اپنی بساط سے بھی کچھ بڑھ کر کرنا چاہا۔ ان کا ارادہ تھا کہ  
مسلمانوں کی امامت و قیادت کی پابندی کرنے نیز ان کے معاملات کی دیکھ بھال  
میں اپنا وقت اور کوشش صرف کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے اور اپنے اہل و عیال



کے لئے روزی بھی کھاتے رہیں۔ چنانچہ لوگوں نے ایک روز دیکھا کہ خلیفہ اہل حق حضرت ابوبکرؓ کچھ سامان اٹھائے بغرض تجارت بازار کی طرف تیز تیز جا رہے ہیں۔ ویسے ہی جیسے خلیفہ مقرر ہونے سے قبل عام مسلمانوں کی طرح ان کا معمول تھا۔ مسلمانوں کو ان پر ترس آگیا۔ خود انھوں نے بھی محسوس کیا کہ خلافت اور کسب معاش کی ذمہ داریوں سے بیک وقت عہدہ برآ ہونے کی ان میں سکت نہیں ہے۔ اس مسئلہ کے متعلق مختلف روایات بیان کی جاتی ہیں۔ بہر حال مسلمانوں نے بیت المال میں سے ان کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ مگر اس وظیفہ کی مقدار زیادہ نہ تھی وہ اتنی ہی تھی کہ ان کا اور ان کے اہل و عیال کا گزارہ ہو سکے۔

حضرت ابوبکرؓ کی روش بالکل وہی تھی جس پر رسول خداؐ گامزن رہے تھے۔ ہذا وہ بھی اس بات سے ڈرتے تھے کہ مبادا ان کی وفات ہو جائے اور ان کے گھر میں اموال مسکین کا کچھ حصہ پڑا رہ جائے۔ اسی خوف کے پیش نظر انھوں نے آل ابوبکرؓ کو وصیت کر دی کہ ان کے گھر میں مسلمانوں کی جو چیز بھی پڑی ہے وہ حضرت عمرؓ کے حوالے کر دی جائے۔ چنانچہ اسی تمام اشیاء حضرت عمرؓ کے حضور پیش کی گئیں جن میں اپنے سامنے دیکھ کر حضرت عمرؓ رو پڑے۔ جب انھیں اپنی تحویل میں لینے لگے تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے انھیں اس سے منع کیا۔ لیکن انھیں اپنے رفیق محترم کے بارے میں اتنی ہی احتیاط ملحوظ تھی جتنی خود اپنی ذات کے بارے میں۔ انھیں یہ بات گوارا نہ ہوئی کہ حضرت ابوبکرؓ جب خدا کے حضور

پیش ہوں اور ان سے امانتوں کے بارے میں پوچھا جائے تو وہ خدا کو یہ جواب دیں کہ میرے اہل خاندان نے وہ سب چیزیں حضرت عمرؓ کے حوالے کی تھیں مگر انھوں نے ان کے لینے سے انکار کر دیا تھا۔

سہرورد عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اور آپ کے خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ کا

خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کا طریق کا

کی احتیاط کا یہ عالم تھا، دونوں کی نظروں میں عدل کی اس درجہ اہمیت تھی کہ جہاں گناہ واقع نہ ہوتا انھیں وہاں بھی خوف گناہ لاحق رہتا۔ وہ ان امور میں بھی تنگی تکلیف محسوس کرتے تھے جن میں عام متقی اور پاک دل لوگوں کے ضمیر کوئی مضائقہ محسوس نہیں کرتے۔ اگر حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کچھ مدت اور رہتی تو ایسی کتنی عجیب و غریب باتیں ہمارے سامنے آتیں۔ لیکن چونکہ حضرت عمرؓ کی مدت خلافت دس سال سے متجاوز تھی۔ لہذا ہمارے سامنے ایسے ایسے واقعات آتے ہیں کہ جنہیں لوگ بشکل باور کر سکتے ہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ راویوں نے حضرت عمرؓ کے بارے میں افراط و مبالغہ سے کام لیا ہے اور وہ سختیاں اور سخت گیریاں ان کی طرف منسوب کی ہیں جو ان میں نہ تھیں، لیکن جو لوگ کتب سنن و طبقات اور تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں وہ بغیر کسی دشواری کے سمجھ سکتے ہیں کہ کیا کچھ راویوں نے بڑھایا ہے اور کونسے واقعات و حوادث ایسے ہیں جو حضرت عمرؓ کی سیرت و

لہ مومن کے پاس جو کچھ بھی ہو وہ اسے امانت سمجھتا ہے۔



طبیعت اور مزاج سے ہم آہنگ ہیں۔ بلا شک حضرت عمرؓ حدود الہی کی اقامت کے بارے میں لوگوں کے ساتھ انتہائی سختی رہا رکھتے تھے۔ لیکن خود وہ اپنی ذات پر اس سلسلہ میں ہوش دہرتے تھے وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ سختی سے بدرجہا زیادہ تھا۔ میں نہیں جانتا کہ تاریخ انسانی کسی ایسے شخص کی مثال پیش کر سکے جو حضرت عمرؓ کا سا زندہ وحساس، محتاط اور گناہ سے خائف ضمیر رکھتا ہو۔ جو اپنے حق میں ان باتوں سے بھی ڈرتا ہو جن میں ڈرنے کی کوئی بات نہ ہو، ان امور سے بھی با ڈرتا ہو جن سے ابا مرثیہ نہیں کیا جاتا، اور اپنی ذات پر ایسی سختیاں کرتا ہو جو صرف ایک دلو العزم انسان ہی کر سکتا ہے۔

لوگوں کو معلوم ہے کہ عام الزمادہ رنخط سالی کے دوران میں مسلمانوں کو نیکی و سختی میں مبتلا دیکھ کر حضرت عمرؓ بھی عوام کے شریک حال ہو گئے اور عوام میں بھی ان لوگوں کے جوہیت زیادہ قحط سے متاثر اور پریشان حال تھے۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ ان کے معاشرہ میں عوام کو گھی میسر نہیں آ رہا لہذا انھوں نے اپنے دیر گھی حرام کر کے خشک روٹی اور تیل پر قناعت کر لی۔ اور جب تیل نے نقصان پہنچایا تو انھیں خیال آیا کہ اگر اسے پکا لیا جائے تو شاید اس کی حقت کم ہو جائے۔ اور نسبتاً زیادہ آسانی سے کھایا اور ہضم کیا جاسکے۔ لہذا انھوں نے ہدایت کی تیل کو پکا لیا جائے۔ لیکن جب پکا ہوا تیل کھایا تو وہ اور بھی زیادہ تکلیف دہ مضر صحت ثابت ہوا۔ یہاں تک کہ آپ کی رنگت میں فرق آ گیا۔ مسلمان یہ

سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ مگر انھیں روک نہ سکتے تھے۔ کیونکہ انھوں نے عہد کرکھا تھا کہ جب تک عامۃ الناس کو راحت نصیب نہ ہوگی وہ بھی راحت اندوز نہ ہوں گے۔ حضرت عمرؓ کے دل میں ہرگز کبھی یہ خیال نہ گزرتا تھا کہ وہ اس عظیم سلطنت کے منہم و منتظم میں جس کی حدود و ثغور دور دراز تک پھلتی چلی جا رہی ہیں، بلکہ اپنی حاکمیت کو دل ہی دل میں ایک عجوبہ اور حیرت انگیز امر سمجھتے تھے۔ تنہا ہوتے تو اپنے آپ سے کہتے "کیا کہنے تمھارے اے ابن خطاب تم امیر المؤمنین بن گئے ہو۔" انھوں نے اس بات کو کبھی نہ بھلایا کہ وہ سلام سے قبل اپنے والد خطاب کے اونٹ اور بکریاں چرایا کرتے تھے۔ وہ اپنے اونٹ چرانے کا نقشہ لوگوں کو سناتے وہ مقامات دکھاتے جہاں ان کے اونٹ چرتے تھے۔ ان سختیوں کا تذکرہ بھی کرتے جو جانور چرانے میں کسی قسم کی کوتاہی پر ان کے والد کی طرف سے اُن پر ہوتی تھی۔ حضرت عمرؓ مسلمانوں کے کسی کام سے جی نہ پڑاتے تھے خواہ وہ کتنا ہی سخت اور مشکل کیوں نہ ہوتا۔ ایک روز لوگوں نے دیکھا کہ وہ صدقے کے اونٹوں کے باٹے میں ہیں اور اونٹوں کو گن کر بڑی باریک تفصیلات سے ان کے علیے اور نشانات بتا رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ یہ چیزیں حضرت علیؓ کو بتا رہے ہیں اور حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کو اور حضرت عثمانؓ اس عبارت کو حربؓ میں درج کر رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ کی اس کاوش اور باریک بینی سے حضرت علیؓ نے حیرت و مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی جس میں بنت شعیبؓ موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں



کہتی ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَأْذِنُوا لَكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اسْتِئْذَانِكُمُ  
الْقَوِيُّ ۝ (۲۴)

ایا جان! سے (موسمی کو) ملازم رکھ لیجئے، کیونکہ بہترین شخص جسے آپ  
ملازم رکھیں وہی ہو سکتا ہے جو قوی بھی ہو اور امانت دار بھی۔

آیت تلاوت کر چکنے کے بعد حضرت علیؓ نے فرمایا اور وہ قوی امین ہی ہیں یعنی  
حضرت عمرؓ (اسی طرح ایک روز لوگوں نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ چاہوں اور عام لوگوں کی  
طرح صدقہ کے اونٹوں کے خارشتی نشانوں پر قطر ان مل رہے ہیں تاکہ وہ زخم  
ٹھیک ہو جائیں۔ اس عمل میں انھیں نہ کوئی دقت محسوس ہوتی تھی نہ عار۔ ان  
کی یہ شدت اپنی ذات تک ہی محدود نہ تھی بلکہ اپنے اہل و عیال کو بھی اس میں  
مبتلا کر کے تنگ حال کر دیا تھا۔ چنانچہ آپؓ جب کبھی لوگوں کو کسی بات سے  
منع کرتے اور اس کے کرنے والے کو سزا کی دھمکی دیتے تو اپنے افراد خاندان کو  
جمع کر کے کہتے، میں نے لوگوں کو فلاں بات سے منع کر دیا ہے اور انھیں تنبیہ  
کر دیا ہے کہ خلاف ورزی حکم کرنے والے کو سزا دی جائے گی۔ ظاہر ہے  
کہ لوگ تمھارے اور میرے باہمی رشتہ سے واقف ہیں لہذا اگر تم میں سے  
کسی نے اس حکم کی خلاف ورزی کی اور مجھے معلوم ہو گیا تو اسے دگنی سزا  
دوں گا۔ عام الزامہ (مخط سالی) میں وہ اپنے افراد خاندان کے

کھانوں کی بڑی سخت نگرانی کیا کرتے تھے۔ اگر کسی کے کھانوں سے تمول کی بو آتی تو اسے نہایت سختی سے منع فرماتے تھے۔ اپنے اور اپنے اہل و عیال پر اس سخت گیری کے بعد انھیں اس امر میں کوئی باک نہ تھا کہ وہ عوام پر بھی اسی انداز سے حکومت کرتے جس کی تعریف ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہے۔ سختی جس میں کدخت تشدد نہ ہو، نرمی جس میں کمزوری اور ضعف نہ ہو۔

✓ روایت ہے کہ ایک روز حضرت عمرؓ مسلمانوں میں مال تقسیم کر رہے تھے۔ آپ کے گرد لوگوں کا بڑا ہجوم تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی وہاں شریف لے آئے انھیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے جو نسبت تھی وہ کسی سے پوشیدہ نہ تھی۔ فتح فارس میں ان کی جانبازیوں اور نمایاں کارناموں سے سب آگاہ تھے۔ بہر حال حضرت سعدؓ ہجوم کو چیرتے ہوئے حضرت عمرؓ کی جانب نکل آئے۔ لیکن جو بنی قریب پہنچے تو حضرت عمرؓ نے ان پر کوڑا اٹھاتے ہوئے کہا: تم نے حکومت الہیہ کا خوف، احترام نہیں کیا۔ لہذا میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ حکومت الہیہ بھی تمہارا خوف و احترام نہیں کرے گی۔

غرضیکہ حضرت عمرؓ کو لوگوں کے مابین اپنی ذات، اپنے خاندان اور عوام کے مابین مساوات قائم رکھنے کا اتنا شدید خیال رہتا تھا۔ اور یہ سب باتیں ان کی اُسی روش کی تصویر ہیں جو ان کا روزمرہ کا معمول تھا۔

لیکن حضرت عمرؓ کی زندگی کا یہ پہلو سخت گیری اور شدت کے لحاظ سے



سب سے زیادہ آسان پہلو تھا۔ ان کی اصلی شدت تو اس عمومی سیاست میں ابھر کر سامنے آتی ہے جسے انھوں نے اپنی خلافت کا دستور العمل بنا کر خود کو اس کا پابند کر لیا تھا، اس سیاست کی ابتدا انھوں نے صحابہ کرامؓ میں سے سربراہان ہاجرین و انصاریوں کی، یہ وہ صحابہؓ تھے جنہیں اسلام میں سبقت اور رسول اکرمؐ کے ہاں امتیازی منزلت حاصل تھی۔ مسلمانوں کے جملہ امور کی بستر و کثا و انہی کے ہاتھ میں تھی۔ خود حضرت عمرؓ اپنی عوامی کارروائیوں میں ان کے سامنے جوابدہ ہوتے تھے اور چھوٹے بڑے معاملات میں ان سے مشورے لیتے تھے۔ جانتے تھے کہ گو وہ ان صحابہؓ پر دالی مقرر ہوئے ہیں لیکن وہ ان سب سے بہتر و فائق ہیں۔ ان امور کے باوجود انھیں یہ فکر دامنگیر رہتی تھی کہ ان افراد کے ساتھ کونسا طرز عمل روا رکھا جائے۔ چنانچہ انھوں نے ان صحابہ کرامؓ کے حق میں نرمی بھی برقی اور احتیاط بھی۔ انھیں اپنا جلیس و مصاحب۔ مقرب و ہمدم اور مشیر بنالیا لیکن ان سے ہمیشہ محتاط بھی رہے کہ ان صحابہؓ کے خلاف یا خود ان کی جانب سے کوئی فتنہ برپا نہ ہو جائے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان سب کو مدینہ میں روک لیا اور بغیر اجازت انھیں مدینہ سے باہر جانے کی آزادی نہ دی، انھیں اسلامی مفتوحہ علاقوں میں بھی بغیر اجازت کے جانے سے منع کر دیا۔ وہ ڈرتے تھے کہ مبادا لوگ ان صحابہ کرامؓ کے حلقہ بگوش ہو کر کسی آزمائش میں نہ پڑ جائیں نیز خود انھیں لوگوں کی عقیدت سے غلط فہمی نہ ہو جائے ان کو خطرہ تھا

کہ ان صورتوں میں اُمت کے لئے نقصان وہ نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ یہ بات  
 اکثر صحابہ خصوصاً ہاجرین کو سخت ناگوار گذرتی تھی جس کا ثبوت یہ ہے کہ جو یہی  
 زبام اقتدار حضرت عثمانؓ کے ہاتھوں آئی انھوں نے یہ پابندی ہٹا دی۔ لہذا  
 صحابہ کرام اطراف ملک میں پھیل گئے اور خلافت عثمانؓ کے بارے میں کامل  
 مسرت کا اظہار کیا لیکن ابھی بہ شکل چند ہی برس گذر پائے تھے کہ وہ اس اجازت  
 سے زچ پڑ گئے اور آخر وہی فتنہ برپا ہو گیا جس کا حضرت عمرؓ کو خدشہ رہتا تھا۔  
 حضرت عمرؓ نے ان بزرگوں میں سے ہر ایک کا وظیفہ ان کے مرتبہ و مقام اسبقیت  
 پہ اسلام اور رسول خداؐ سے نسبت و قرابت کے مد نظر مقرر کر رکھا تھا۔ اور  
 حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ ان کو جو وظائف دیئے جاتے ہیں وہ ان کی ضروریات  
 کے لئے کافی ہیں اور انھیں مزید کاروبار کی تلاش سے مستغنی کرتے ہیں۔ باری  
 وہ کمائی کے لئے دیگر ذرائع اختیار کرتے تھے۔ ان میں سے بہت سے تجارت  
 کے لئے سفر کرتے تھے، اس طرح ان کے سرمایہ میں بہت اضافہ ہو رہا تھا۔  
 مگر وہ لوگ جوں جوں امیر ہوتے گئے ان کی بخشش و عطا بھی بڑھتی گئی، حد  
 عمرؓ انھیں کتاب زر سے منع نہ کر سکتے تھے۔ کیونکہ وہ لوگ عہد نبوی میں  
 بھی اسی طرح سوداگری کرتے اور کماتے رہتے تھے۔ اور آپؐ نے انھیں  
 منع نہ فرمایا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ صحابہ کرامؓ اور دوسرے مسلمانوں میں تقسیم  
 ہونے والے مال غنیمت اور سالانہ وظائف کا شاہدہ فرماتے تو آپؐ کو یہ صورت



تسلی بخش نہ معلوم ہوتی نہ آپ کا دل اس سے خوش ہوتا۔ اور آپ یہ فرمایا کرتے تھے  
 اگر یہ بات جو مجھے اب معلوم ہوئی پہلے سوچ گئی ہوتی تو میں امیروں سے ان کی  
 ضرورت سے زائد دولت لے کر فرائض میں تقسیم کر دیتا۔ اور اگر حضرت عمرؓ کچھ  
 اور زندہ رہتے تو ممکن تھا کہ تاریخ اسلامی ان کے ہاتھوں اس معاملہ میں حیرت انگیز  
 اقدام کا مشاہدہ کرتی۔

پھر حال حضرت عمرؓ کے عہد میں فتوحات کی بدولت اموال مسلمین میں اضافہ  
 اضافہ ہوا کہ شروع میں حضرت عمرؓ حیران سے ہوئے اور انھوں نے اپنے ساتھیوں  
 سے مشورہ کیا۔ ساتھیوں میں سے حضرت علیؓ کا مشورہ مورد فی دستور کے  
 مطابق تھا جو اس دور کے بدلتے ہوئے حالات سے ہم آہنگ نہ تھا۔ ان کی رائے  
 تھی کہ جو اموال موصول ہوں سب کے سب تقسیم کر دیئے جائیں اور سال کے  
 خاتمہ پر بیت المال کا ایک ایک درہم دوبارہ مستحقین کے پاس جا چکا ہو۔  
 حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ مال کی افراط نظر آرہی ہے اگر اسے سنبھالا نہ گیا تو  
 معاملہ میں اتبری پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ آخر کار حضرت عمرؓ نے اس معاملہ میں  
 جو اقدام فرمایا اس کا دائرہ مشہور ہے آپ نے رجسٹر مرتب کر کے لوگوں کے  
 وظائف مقرر کر دیئے جو کچھ بچ رہتا تھا اسے حضرت عثمانؓ کی رائے کے مطابق  
 مسلمانوں کے مصالح عامہ کی خاطر بیت المال میں جمع کر دیتے تھے۔

بہت جلد حوادث زمانہ نے یہ ثابت کر دیا کہ حضرت عثمانؓ کی رائے صحیح تھی۔

کیونکہ وہی حقیقتاً ایک متمدن یا مائل بہ تمدن سلطنت کے احوال کے لئے مناسبت  
 و موزوں رائے تھی۔ چنانچہ جب قحط سالی آئی تو حضرت عمرؓ کو بیت المال میں  
 اتنا کچھ مل گیا جس کے ذریعہ صوبوں سے آنے والی مدد کے پہنچنے تک کی حالت  
 بخوبی سدھاری جاسکتی تھی۔ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ فی الحال تو ہم بیت  
 سے مسلمانوں کی پرورش کر رہے ہیں لیکن اگر بیت المال میں کچھ نہ رہا تو ہر  
 پیتے شخص کے گھر میں اس کے افراد خاندان کی تعداد کے برابر فقراء داخل کر دیے  
 جائیں گے۔ اور جب تک سب مسلمانوں کو رزق ہتیا نہ ہو جائے ہم اسی طریق  
 کا رہنمائی کریں گے۔

حضرت عمرؓ کی مالی سیاست کا یہ پہلو تو سب سے آسان اور نرم حیثیت  
 ہے گو اس میں بھی ان کی انتظامی صلاحیتیں ابھر کر سامنے آگئی ہیں اور ایسا معلوم  
 ہے کہ انھیں عدل کو ترجیح دینے اور عوام کے ساتھ نرمی و مہربانی کرنے کا بڑا  
 حصہ ملا تھا۔ لیکن ابھی ان کی مالی سیاست کا ایک دوسرا پہلو بالکل مخفی ہے  
 حضرت عمرؓ کی مالی سیاست ✓ حضرت عمرؓ نے اختیار کیا اور وہ جس میں  
 آگے بڑھ گئے تھے اور میرا خیال ہے کہ

تمدن اور ترقی یافتہ قومیں آج وہاں تک پہنچنے کی کوشش کر رہی ہیں جس  
 پر حضرت عمر فاروقؓ اس زمانہ میں پہنچے تھے۔ لیکن یہ متمدن قومیں آج بھی اس قدر  
 سخت جدوجہد اور مشکلات کا مقابلہ کئے بغیر نہیں پہنچ سکیں گی۔



حضرت عمرؓ علائقہ اس خیال کے حامی تھے کہ غنیمت اور جزیہ و خراج سے جمع ہونے والا تمام مال جملہ مسلمانوں کی ملک ہے۔ لہذا اس میں رعیت کے کسی فرد کو دوسرے فرد پر فوقیت حاصل نہیں ہے اور نہ کسی گروہ کو دوسرے گروہ پر کوئی فضیلت ہے۔ ان کی رائے یہ تھی کہ اس مال کی حفاظت اور پھر تحقیق میں اس کی تقسیم کی ساری ذمہ داری ان کے سر پر عائد ہوتی ہے۔ لہذا فرمایا کرتے تھے کہ صدقہ کے اونٹوں میں سے اگر کوئی اونٹ کسی دور دراز مقام پر بدک کر بھاگ جائے یا اسے کوئی گزند پہنچے تو میں ڈرنے لگتا ہوں کہ اگر خدائے تعالیٰ زندہ رہے تو مجھ سے پوچھے گا تو میں کیا جواب دوں گا۔ وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اگر میں زندہ رہا تو کوہ صنعا کے گڈریے کو بھی اس کا حصہ رسد ضرور پہنچے گا۔

بہر حال اس مال سے ہر ایک کا وظیفہ مقرر تھا۔ مرد۔ عورت۔ بچہ بوڑھا اور معذور سب کا حصہ الگ الگ متعین تھا۔ حضرت عمرؓ کا گمان تھا کہ انھوں نے یہ سب کر چکنے کے بعد مطلوبہ عدل قائم کر دیا ہے لیکن ایک رات وہ ایک گھر کے پاس سے گزرے۔ وہاں ایک بچہ رو رہا تھا۔ آپ اپنے خیال میں گزر گئے۔ دوسری بار گزرے تو بچہ اب بھی رو رہا تھا۔ آپ نے بچہ کی ماں سے بچے کے رونے کا سبب پوچھا اس نے یونہی کوئی جواب دیا۔ تیسری بار گزرے تو بچہ پھر بھی رو رہا تھا۔ اس مرتبہ انھوں نے بالاصرار دریافت کیا۔ اس پر عورت نے کہا کہ وہ بچے کا دودھ چھڑا رہی ہے۔ کیونکہ جب تک

بچوں کا دودھ نہ چھڑایا جائے حضرت عمرؓ اس کا وظیفہ نہیں مقرر کرتے۔ جب  
 حضرت عمرؓ نے یہ بات سنی تو سخت پریشان و مضطرب ہوئے۔ اور صبح ہوتے ہی  
 آپ نے اعلان کر دیا کہ بچوں کا دودھ چھڑانے میں حلیٰ نہ کی جائے۔ ہم نے  
 ہر مسلمان بچے کا وظیفہ اس کے یوم ولادت ہی سے مقرر کر دیا ہے۔  
 حضرت عمرؓ و صولی صدقات کے ضمن میں ہمیشہ حکم خداوندی پر عمل کرتے  
 تھے مگر پھر بھی اس کی وصولی تقسیم میں انتہائی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ یہ  
 معلوم ہے کہ ایک روز ایک بندوقی نے رسول خداؐ سے دریافت کیا تھا کہ  
 یہ خدایہ حکم دیتا ہے کہ آپ اغنیاء سے مال لے لیں اور اسے فقراء میں تقسیم کر  
 تو رسول خداؐ نے فرمایا تھا "ہاں"۔ اسی لئے حضرت عمرؓ نے اپنے  
 تمام کارندوں کو شدید ہدایت کر رکھی تھی کہ تمام عرب قبائل میں وصولی صدقہ  
 کے موقعوں پر عدل کو مدنظر رکھیں اور ہر قبیلہ کا صدقہ وہاں کے فقراء میں  
 طرح مانٹ دیں کہ وہ گداگری سے بے نیاز ہو جائیں اس کے بعد جو کچھ بے  
 نیاز ہو جائے ان کے حوالے کر دیں۔ جب کارندے یہ بقیہ مال لے لیتے  
 تو آپ اسے بڑی احتیاط کے ساتھ ان مدوں میں خرچ کرتے تھے جو خدا  
 قرآن میں مقرر فرمادی تھیں۔ چنانچہ آپ آیت صدقات میں بیان کر دے  
 کے مطابق فقیر مسکین، مسافر وغیرہ کی اعانت کرتے تھے۔  
 اس وقت میرے پیش نظر نہ اشتراکیت (سوشلزم) ہے اور نہ اشتعال



رکمیونترم، کیونکہ حضرت عمرؓ نہ اشتراکی تھے نہ استتالی، وہ تو حکومت کا نظام ان بنیادوں پر استوار کرنا چاہتے تھے جس پر کسے حضور اکرمؐ اور قرآن مجید رکھا تھا۔ اور انھوں نے دولت رکھنے کی اجازت بھی حسب اجازت رسول خدا و قرآن مجید دی تھی۔ میرے پیش نظر وہ عدل اجتماعی ہے جو ملکیت اور سرمایہ داری کے خاتمہ کے بغیر بھی عمل میں لایا جاسکتا ہے۔ اور جسے جدید جمہوریتیں ملکیت داروں اور سرمایہ داروں کے حقوق کی حفاظت کرتے ہوئے برقرار رکھنے کی کوشش کر رہی ہیں۔

مجھے لارڈ بیورڈگ کی وہ اسکیم یاد آ رہی ہے جس میں انھوں نے حکومت پر ذمہ داری غائد کی ہے کہ وہ عوام کی زندگی، روزی، صحت، کاروبار اور عزت کی کفیل بن جائے، اس طرح کہ نہ انھیں ذلت برداشت کرنی پڑے نہ ان کی محنتوں سے ناجائز فائدہ اٹھایا جائے۔ نہ وہ بے کاری کا شکار کریں۔ مجھے یہ بھی نظر آ رہا ہے کہ عہد حاضر میں جمہوریت اس ترقی اور بلند بانگ عودوں کے باوصف عدل اجتماعی کو حسب دل خواہ عملی جامہ پہنانے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ اور اس کے ساتھ ہی جب میری نظر حضرت عمرؓ اور اس سلسلہ میں ان کی

---

سوال عدل و احسان اجتماعی ہے نہ کہ اشتراکیت و سرمایہ داری۔ لیکن سرمایہ داری کی موجودگی میں عدل اجتماعی ممکن کس طرح سے ہے؟ (طلوع اسلام)

کامیاب مساعی پر جاتی ہے تو اس شاعر کی تصدیق کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں ہوتا ہے جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مرثیہ میں آپ کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا۔

جَزَى اللهُ خَيْرًا مِنْ إِمَامٍ وَبَارَكْتَ  
يَدُ اللهِ فِي ذَاكَ الْوَدِيمِ الْمُرَوِّفِ  
فَمَنْ يَجْرُؤُ يَرْكَبُ جَنَاحِي نَعَامَتِهِ

لِمِذْرَافِكَ مَا أَدْرَكَتْ بِالْأُمْسِ يُسْبِقُ  
قَضَيْتَ أُمُورًا نَهْمٌ عَادَرَتْ بَدَاها  
بِوَالِئِ فِي أَكْمَارِهَا كَمْ تَقْتَنِي

ترجمہ، خدائے تعالیٰ اس امام کو بہتر بدلہ دے اور اس شہید کے

اعمال میں برکت دے، اب اگر کوئی خود دوڑے یا شتر مرغ جیسے

تیز رفتار پرند پر سوار ہو کر یہ چاہے کہ کل رگزشتم جو آپ نے

کیا دیا ہی وہ کر دکھائے تو وہ آپ سے پیچھے ہی رہے گا۔ آپ

نے بہت سے معاملات فیصلہ کئے اور بیت سی آفتوں کو سرزند ہی پھوڑ

دیا۔

(حضرت عمرؓ حکام و عمال کے حق میں نرمی یا درگزر سے کام نہ لیتے تھے بلکہ وہ ان کی شدید نگرانی کیا کرتے تھے۔ جسے بھی عامل مقرر کرتے اس کے



ل کا حساب تقرری کے وقت بھی کرتے اور برطانی کے وقت بھی۔ اور پھر جو فرق  
 طر آتا اسے دو حصوں میں بانٹ دیتے ایک حصہ مال کو دیدیتے اور ایک حصہ بیت  
 مال میں داخل کر دیتے اس کے علاوہ حضرت عمرؓ لوگوں کے ساتھ اپنے عمال ✓  
 نے طرز عمل کا مطالعہ بھی بہت قریب سے کرتے تھے۔ اپنے عمال کو خفیہ دلائل  
 مدید ہدایات کرتے رہتے تھے کہ وہ مسلمانوں کو جانی و مالی کسی قسم کا کوئی نقصان  
 پہنچائیں۔ بعض اوقات وہ اپنے والیوں کو تنبیہ کرنے ہوئے فرماتے "تمہ نے  
 لوں کو غلام سمجھنا کب سے شروع کیا ہے حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد  
 بنا لیے یعنی آزادی ہر ان کا پیدائشی حق ہے"

حضرت عمرؓ زمرہ کے پیش آنے والے معاملات میں ان صحابہ کرامؓ سے  
 شورہ لیتے رہتے تھے جو مدینہ منورہ میں مقیم تھے حج کے دنوں میں تمام عمال کو وہاں  
 بچنے کی تاکید ہوتی تھی، آپ لوگوں کو حج کراتے تھے اور عمال سے ان کی رعیت  
 بارے میں اور رعیت سے ان کے عمال کے متعلق باتیں دریافت فرماتے۔  
 ہر معاملہ کو اس کی صحیح جگہ پر رکھتے۔ میں تو یہاں تک اعتقاد رکھتا ہوں کہ اگر  
 حضرت عمرؓ کچھ مدت اور زندہ رہ جاتے تو وہ مسلمانوں کے لئے ایک مستقل اور مستحکم  
 نام شوری قائم کر جاتے جو عوام کو ہر قسم کے فتنہ و اختلاف سے محفوظ رکھتا اور عوام  
 ہر نوع کے جوہر و ستم سے باز رکھتا۔

یہاں میں حضرت عمرؓ کی اس بختہ کاری و جانسوزی کا ذکر نہیں کرتا جس سے

کام لیکر انھوں نے مسلمانوں کے معاملات کا انتظام و انصرام کیا تھا اور جس کے سبب  
 انھوں نے دور دراز کے علاقے فتح کئے۔ نئے نئے شہر بنائے ایک بہت وسیع و عظیم  
 سلطنت عربیہ و اسلامیہ قائم کر دی، کیونکہ میں حضرت عمرؓ کی تاریخ فلیتہ نہیں کرتا  
 نہ میں سیر سیری طور پر ان کی سوانح حیات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میرا مقصد صرف اتنا ہے  
 کہ اس طریق کار کی وضاحت کروں جسے رسول خداؐ نے اختیار فرمایا اور جس پر آپؐ کے  
 بعد حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے کار بند ہونے کی کوشش کی۔ اس طریق کار  
 تمام تر دار و مدار خالص و مطلق عدل پر تھا۔ ایسا عدل جو راہ حق میں کسی ملامت کے  
 کی ملامت سے ہراساں نہیں ہوتا۔ اور جس کے قائم کرنے والے کو یقین ہوتا  
 کہ خدا نے تعالیٰ روز و شب کے ہر لمحہ اور ہر گھڑی میں ہر طرف سے اسے دیکھ رہا ہے  
 اور ہر پوشیدہ و ظاہر شے اس کی نگاہوں کے سامنے ہے اور وہ اس سے ہر بات  
 میں محاسبہ کرے گا پھر دوسری طرف وہ یہ بھی جانتے تھے کہ لوگ مجھ پر کڑی نظر  
 سے تنقید کرتے ہیں۔ اور اس طرح کڑی نگاہ سے تنقید کرنے کی انھیں صرف  
 اجازت ہی نہیں بلکہ یہ ان لوگوں کا فرض بھی ہے۔ ان پر واجب ہے کہ خلیفہ کی  
 وقت تک اطاعت و فرمانبرداری کریں جب تک کہ وہ راہ راست پر قائم رہے  
 اور جب وہ انحراف کرے تو ان کا فرض ہے کہ اسے راہ راست پر لا کھڑا کریں  
 اگر خلیفہ کی سیرت میں انھیں کوئی بات مشکوک نظر آئے تو فوراً اس کی وضاحت  
 چاہیں تاکہ اس کا اتباع علیٰ وجہ البصیرت کر سکیں۔ ان پر لازم ہے کہ وہ خود



کو شورشِ دین کو پوری طرح غور و پرداخت کر کے دین اور اگر مخالفت کریں تو عزم کے ساتھ اور جواز کا ثبوت رکھتے ہوئے۔

کیا یہ طرزِ عمل جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا؟ **ایک سوال؟** فرمایا تھا اور جس پر کار بند رہنے کی حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ نے سب مقدور کوشش کی تھی ان انی فطرت کے موافق تھا جس میں خود غرضی طبع اور حرص کے وہ عناصر موجود ہوں جو فوری منفعت اور دنیاوی اغراض و مقاصد کے طالب ہوتے ہیں؟ اور کیا اس طرزِ عمل میں اتنی دیر باقی رہنے کی سکت تھی تجھ وہ لوگوں کے طبائع کو بدل کر انہیں ان بلند مثالی مقامات پر لے جا

۱۵۔ ان انی فطرت کے متعلق فاضل مصنف بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں میں دنیا ایک مدت سے مبتلا چلی آرہی ہے۔ قرآن کی رُوسے ان انی فطرت کوئی چیز نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ اگر ان کو علیٰ حالہ چھوڑ دیا جائے تو وہ جبلت جو دیگر حیوانات اور ان کی طبعی زندگی میں مشترک ہے اسے مفاد خویش کے حصول اور تحفظ پر لگتی رہتی ہے۔ لیکن اگر اس کی (روح کی روشنی میں) مناسب تعلیم و تربیت کی جائے تو یہ اس سے بلند اقدار کے حصول کے لئے بہت مفاد کو چھوڑ دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ قرآن یہی چاہتا اور کرتا ہے۔ (طلوع اسلام) لہٰذا اس نظام میں یقیناً یہ سکت تھی بشرطیکہ اسے (بعد میں) جاری رکھنے والے اپنے اوپر وہی پابندیاں اور سختیاں روا رکھتے جو ان کے پیش روؤں نے اپنے اوپر روا رکھی تھیں۔ (طلوع اسلام)

جن کی طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما  
نے دعوت دی تھی ؟





# باب سوم

(عہد فاروقی تک حکومت کا انداز و نوعیت)

[ مصنف نے سابقہ باب کے اخیر پر جو دو سوال اٹھائے ہیں، ربط و تسلسل کا  
تعماض تھا کہ زیر نظر باب میں ان سوالات کے جواب براہ راست سامنے آتے۔  
لیکن اس کے لئے مصنف نے دوسرا انداز اختیار کیا ہے اور بعنوان دگران کا  
جواب بالواسطہ دیا ہے۔ ان کا یہ انداز فور و فکر چاہتا ہے ]

(طلوع اسلام)

اول الذکر سوال کا جواب دینے کے لئے سب سے پہلے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ  
اس حکومت کی نوعیت کیا تھی؟ جس کی بنیاد رسول خداؐ کے مدینہ منورہ میں ہجرت کرنے  
کے وقت پڑی اور جو اُس وقت سے لے کر شہادتِ عمرؓ تک مسلمانوں میں نفاذ پذیر رہی  
بعض افراد ظاہری باتوں سے دھوکا کھا کر یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ حکومت یا بالفاظِ دقیق

یہ نظام حکومت جو اس قلیل عرصہ کے لئے قائم رہا تھا کرسی (Theocracy) تھی جس میں اول و آخر ہر معاملہ میں "دین" پر اعتماد کیا جاتا تھا، اور چونکہ اس خیال دور میں دین تمام منزل من اللہ وحی پر مشتمل تھا لہذا اس رائے کے ماننے والوں کا یہ خیال ہے کہ حکومت جو ان عہد میں مسلمانوں میں رائج تھی اس کے سارے اختیارات خدا اور صرف خدا کی طرف سے عطا ہوتے تھے۔ لہذا ان کے خیال کے مطابق ان اختیارات میں لوگوں کا کوئی دخل نہ تھا انہیں نہ اس میں شریک ہونے کا حق حاصل تھا نہ ان پر اعتراض کرنے کا نہ وہ اس کی کسی چھوٹی یا بڑی بات پر اظہارِ ناپسندیدگی کر سکتے تھے۔ ان کے خیال میں اس امر کی واضح تردید یہ ہے کہ اس سلطنت کی بنیاد حکم الہی کے بموجب رسول خدا نے رکھی تھی۔ اللہ تعالیٰ ہی نے ہجرت مدینہ کا حکم دیا تھا۔ خدا ہی نے مسلمانانِ مکہ کو یہ دعوت دی تھی کہ وہ آپ کے ہمراہ ہجرت کریں۔ اور خدا ہی نے آپ کو بذریعہ وحی امور حکومت کے مہلات و مفصلات عطا کئے تھے۔ سورہ "والنجم" میں آتا ہے۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۚ وَمَا يَنْطِقُ

بِأَعْيُنِنَا هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۚ

تجارت پر مبنی مصلحتیں نہ ہوتیں گی اور نہ وہ اپنے آپ سے بات کرے گا۔

لہذا کیا کرسی اس نظام حکومت کو کہتے ہیں جس میں بادشاہ یا مذہبی پیشوا اپنا ہر حکم خدا کے نام سے منولتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اسلام کو ایسی حکومت سے کوئی واسطہ نہیں ہو سکتا۔  
دعویٰ اسلام

تھارا ریشیق (رسول اکرمؐ) نہ بے جاہ سپد نہ پیکا۔ اور نہ وہ اپنی ذاتی

خواہش سے بولتا ہے۔ یہ نازل کی جانے والی وحی کے سوا اور کچھ نہیں۔

خدا نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ خدا اور رسول خداؐ کی اطاعت کریں۔ یہ بات

بھی واضح کر دی کہ جب تک وہ اپنے باہمی اختلاف میں رسول خداؐ کو حکم

نہ مانیں گے اس وقت تک ان کا ایمان کامل نہیں ہے۔ مزید برآں ان کا کہنا

ہے کہ حضرت ابوبکرؓ رسول خداؐ کے خلیفہ تھے حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کے خلیفہ۔

جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان دونوں راشد اماموں کو حکومت رسول خداؐ صلی اللہ علیہ

وسلم کی طرف سے ملی تھی اور رسول خداؐ کو وہ حکومت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا

ہوئی تھی۔ ہذا ثابت ہوا کہ اس دور کا نظام حکومت تمام و کمال نظام نبوی کریمؐ

تھا۔ مجھے اس میں کوئی شک نظر نہیں آتا کہ یہ خیال حقیقت اور صواب سے

بہت دور ہو گیا ہے۔ یقیناً اسلام اول و آخر ایک دین اور ضابطہ حیات

ہے، اس نے لوگوں کے لئے حدود و احکامات خداوندی بیان کرنے

میں پہلے توحید اور پھر تصدیق رسالت سے ابتداء کرتے ہوئے انہیں دنیا

و آخرت میں کامیابی کا راستہ بتایا، ان کو اپنے کردار و سیرت میں نیکی اور

بھلائی کا حکم دیا۔ لیکن بایں ہمہ اسلام نے نہ ان کی آزادی کو سلب کیا

نہ ان کی قوت ارادی کو ختم کیا اور نہ ان کے معاملات کو اپنی تحویل میں لے کر

انہیں بے دست و پا بنایا۔ بلکہ اس نے مقررہ حدود کے اندر رہتے ہوئے



انہیں پوری آزادی دیدی۔ اسلام نے تمام کرنے کی باتیں یا نہ کرنے کی باتیں  
 انہیں گن کر نہیں بتائی تھیں، بلکہ انہیں عقل بنیا اور دل ہوشمند دے کر کئی  
 اجازت دیدی کہ وہ حتی المقدور کھلائی، رفاہ عامہ راستی اور مصالح خاصہ  
 کی خاطر سرگرم عمل رہیں۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ حضور اکرمؐ کو یہ حکم دیا تھا کہ مسلمانوں سے  
شوری حکومت کے معاملات میں مشورہ لیا کریں اگر حکومت محض

وحی آسمانی ہی پر مبنی ہوتی تو آپؐ ہر معاملہ کو حسب حکم الہی فیصلہ کیا کرتے  
 نہ کسی سے مشورہ لیتے اور نہ اپنے دوستوں میں سے کسی کو اپنا رازدار و مشیر کار  
 بناتے۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا تھا ارشاد باری تعالیٰ تو یہ ہے۔

وَكَا كُنْتَ فَعَلًا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا تُفَضُّوا مِنْ  
 حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ  
 وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (سورہ شوریٰ ۲۳)

اور اگر آپؐ تند خو اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپؐ کے گرد سے ہٹ  
 گئے ہوتے۔ لہذا ان سے درگزر کیجئے اور ان کے لئے مغفرت طلب کیجئے  
 اور ان سے ہر امر میں مشورہ لیا کیجئے۔

یہ آیت کریمہ واقعہ اُحد کے بعد اتری تھی۔ لیکن اس آیت کے نزول سے قبل  
 بھی آپؐ نے غزوہ بدر میں اپنے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مشورہ

بول فرمایا تھا۔ اس وقت جبکہ آپ نے میدان بدر میں شکر کو ایک جگہ پر اڑھٹنے کا حکم دیا تھا تو بعض صحابہ کرام نے دریاقت کیا کہ آیا یہاں حکم خداوندی کی تعمیل میں ڈیرہ ڈالا گیا ہے۔ یا یہ آپ کی اپنی صوابدید ہے۔ آپ نے فرمایا یہ میری اپنی صوابدید ہے۔ اس پر آپ کو یہ مشورہ دیا گیا کہ مسلمانوں کو اس **شورائے** مقام سے ہٹا لیا جائے کیونکہ وہ جگہ مصارع جنگ کے لئے موزوں نہ تھی۔ اور کسی ایسی جگہ اتر جائے جو موزوں ہو اور پانی سے قریب ہو۔ پھر جنگ بدر کے بعد بھی آپ نے قیدیوں کے بارے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مشورہ تسلیم کر لیا تھا چنانچہ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید میں یہ تادیب نازل ہوئی۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ أَنْ يَكُونُ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثَمِّنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَصَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ (۱۶)

کسی نبی کو زیب نہیں دیتا کہ اس کے پاس جنگی قیدی ہوں تاؤ متیکہ وہ ملک پر غلبہ حاصل نہ کرے۔ تم دنیوی دولت چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے۔

اسی طرح جنگ احد کے لئے جب رسول اللہ کو قریش کے کوچ کا علم ہوا تو آپ کی رائے یہ تھی کہ شہر منبہ ہو کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے اور میدان جنگ میں پہنچا

جائے۔ لیکن آپ کے اصحاب نے بالخصوص انصار نے اصرار کیا کہ دشمن کا مقابلہ  
میدان میں کیا جائے۔ چنانچہ آپ نے ان کی رائے کو قبول فرمایا۔ اور خود  
بیس بند ہونے کے لئے گھر میں تشریف لے گئے۔ اس دوران میں مسلمانوں کو  
احساس ندامت ہوا کہ انھوں نے رسول خدا کو ایسی بات پر مجبور کیا تھا جو آپ کو  
پسند نہ تھی۔ چنانچہ آپ صلح ہو کر یاہر تشریف لائے تو صحابہ نے معذرت چاہی  
اور آپ کی رائے پر عمل پیرا ہونے کی اجازت مانگی۔ مگر آپ نے ارادہ بدلنے سے  
انکار کر دیا اور اپنے عزم پر گامزن ہو گئے۔ اگر ہر معاملہ اور ہر جزئی بات کے متعلق  
بھی وحی آسمانی نازل ہوا کرتی تو مسلمان آپ کو ہرگز کسی ایسی بات پر مجبور  
نہ کر سکتے تھے جو آپ کی مرضی کے خلاف ہوتی۔ اور آپ کسی حالت میں بھی ان  
کی بات نہ مانتے۔ اسی طرح جب غزوہ احزاب میں آپ نے خندق کھودنے  
کا حکم دیا تھا تو آپ نے صحابہ کرام رض کے مشورہ اور ان کی رائے پر بھروسہ  
کر کے ہی دیا تھا۔

ان معاملات اور ان کے علاوہ بہت سے دیگر مواقع پر رسول خدا  
صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رض کے مشورے لئے۔ کبھی خوشی سے  
ان کی رائے مان لی اور کبھی ان کی خوشنودی کے لئے اپنی رائے کو واپس  
لے لیا۔ "صلح حدیبیہ" کے موقع پر رسول خدا نے صحابہ رض کے ساتھ حرمین  
کی پیش کردہ شرائط کے بارے میں مشورہ کیا جن میں یہ بھی شرط تھی کہ



میں سال مسلمان بیت اللہ کی زیارت کئے بغیر واپس چلے جائیں تو آپ کے  
 صحابہ کرام کو قریش کی یہ شرط ناگوار گذری۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے یہ مطالبہ مان لینے پر اصرار فرمایا۔ بعض صحابہ آپ کے اصرار پر جزیرہ بنی  
 حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا تو انہوں نے کہا "ہم اپنے دین کے معاملہ میں دوسروں  
 سے دب کر معاملہ کیوں کریں؟ پس کنز آپ کے چہرہ پر غصے کے آثار نمودار  
 ہوئے اور آپ نے فرمایا "اَنَا رَسُولُ اللَّهِ وَ عَبْدُهُ" میں اللہ کا رسول  
 ہوں اور اس کا بندہ بھی ہوں۔ تب مسلمان سمجھ گئے کہ یہ بات محض صلاح  
 مشورہ کے طور پر نہیں کی جا رہی ہے۔ بلکہ اس معاملہ میں آسمان سے وحی اتر چکی  
 ہے۔ چنانچہ سب نے توبہ کی اور اپنے نیا کے آگے تسلیم خم کر دیا۔ اس بابے  
 میں جو وحی نازل ہوئی تھی اس کی ابتداء

اِنَّا مُتَحَنِّنًا لَكَ فَخُذْ مَبِيْنًا ۝ (۳۳)

بالتحقیق ہم نے آپ کو واضح اور بین منع عطا کی۔

سے ہوئی تھی۔

اگر ہم ان تمام مواقع کا ذکر کرنا چاہیں جہاں رسول خداؐ نے اپنے صحابہؓ  
 سے مشورہ کیا تھا تو بات بہت طویل ہو جائے گی۔ تاہم جو مکتور سے بہت واقف  
 ہم نے نقل کئے ہیں یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ عہد نبویؐ میں تمام  
 احکام سلطنت تفصیلاً آسمان سے نہیں اترتے تھے۔ وحی آسمانی نبی کریمؐ کے

صحابہ کرامؓ کو ان کے مصالح عامہ و خاصہ کی جانب متوجہ کرتی تھی لیکن وہ انہیں موافق حق و خیر اور عدل کی حدود کے اندر رہ کر اپنے معاملات حسبِ خواہ فیصل کرنے کی آزادی سے محروم نہیں کرتی تھی۔ اور شاید ہمارے پاس اس ضمن میں سب سے بڑا اور ناقابل تردید ثبوت یہ ہے کہ قرآن نے سیاسی امور کی تفصیل یا تفصیلاً کسی قسم کی تنظیم نہیں کی۔ وہ تو عدل و احسان اور اقربا پر شفقت کا حکم دیتا ہے۔ فحاشی بدعلی اور گناہ و معصیت سے منع کرتا ہے۔ قرآن مجید نے عمومی حدود و مقرر کردی ہیں۔ اور یہ بات مسلمانوں پر چھوڑ دی کہ وہ ان حدود و تجاوز کے بغیر اپنے معاملات اپنی مرضی اور مشوروں سے طے کریں۔ خود رسولؐ نے بھی نہ اپنے طرز عمل سے نہ حکومت کے بارے میں کوئی نظام معین فرمایا اور نہ سیاست کے متعلق۔ اور جب آپؐ کا مرض شدید ہو گیا تو اس وقت آپؐ نے اپنے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہ کیا۔ جو آپؐ کے بعد مسلمانوں کا خلیفہ بنتا۔ آپؐ نے نقطہ یہ کیا کہ حضرت ابوبکرؓ کو نماز میں لوگوں کی امامت کرنے کا حکم دے دیا۔ لہذا بعد میں مسلمانوں نے کہا کہ اگر رسول خداؐ نے ہمارے دینی امور کے لئے حضرت ابوبکرؓ کو پسند کیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم انہیں اپنے دینی معاملات کے لئے نہ پسند کریں۔ اگر مسلمانوں کے لئے کوئی نظام سیاسی آج سے اُترا ہوتا تو قرآن اس کا ضرور تعین کرتا یا رسول اکرمؐ اس کی حدود اور اس کے اصول ضرور بالوضاحت بیان کرتے۔ اور مسلمانوں پر فرض کر دیا۔

وہ اس نظام پر ایمان لائیں اور بغیر بحث و مجادلہ بلا نزاع و مخالفت اس کے لئے سر تسلیم خم کریں۔

دوسری چیز جو یہ ثابت کرتی ہے کہ عہد نبویؐ اور عہد ابوبکرؓ و عمرؓ میں نظام حکومت منزل من اللہ نہ تھا وہ بیعت ہے جس کی طرح

سب جانتے ہیں کہ حضورؐ نے صحابہ کرامؓ کو جنگ بدر میں حصہ لینے کے لئے موت دی لیکن کسی کو اس میں حصہ لینے کے لئے حکم نہیں دیا۔ آپؐ نے انہیں غیب و تشویق دلانے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ بھی یاد دلایا کہ اس جنگ میں دو کامیابیوں میں سے ایک ضرور ان کے ہاتھ آئے گی، اس لئے آپؐ نے انصار سے معاہدہ کیا تھا کہ آپؐ ان کو جنگ کے لئے باہر نہ بھیجیں گے، اور یہ کہ انصار آپؐ کی تکلیف و پریشانی کو دور کرنے کی کوشش کریں گے۔ پناہ جب غزوہ بدر کا ذلت آیا تو آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا اور انہیں موقع دیا کہ وہ اس بابے میں اپنے مشورہ سے مطلع کریں اور آپؐ اس وقت تک ان کو جنگ میں نہ لے گئے جب تک کہ خود انصار کے سربراہ اور لیڈروں نے یہ نہ کہہ دیا۔ اگر آپؐ ہمیں سمندر میں لے چلیں گے تو بھی ہم آپؐ کے پیچھے لگے رہیں گے۔ اس وقت آپؐ نے اندازہ لگایا کہ یہ لوگ آپؐ کے ساتھ جنگ میں نکلنے کے لئے راہی ہیں۔



یہ بھی معلوم ہے کہ حدیبیہ کے چوتھے پر حضرت عثمان کے خلاف قریش  
کی دغا بازی کی خبر سن کر بھی آپؐ نے اپنے صحابہؓ کو قریش کے ساتھ جنگ  
کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اور جب آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے اس معاملہ میں بیعت  
لی تو سب نے جان دینے کا عہد کیا۔ اس وقت بھی اگر کوئی چاہتا تو اس کو  
سے الگ رہنے کی اجازت تھی۔ لیکن بھی نے بیعت کر لی۔ کیونکہ انہیں آپؐ  
اور خدا پر ایمان تھا۔ اور خدا و رسول کی ہر پکار پر وہ بیک کہنے کے لئے تیار  
تھے۔ "سورہ فتح میں اس بیعت کے بارے میں غلٹے تقاضے نے کہا ہے:

إِنَّ الدِّينَ يُبَاقُؤُكَ إِنَّمَا يُبَاقُؤُونَ اللَّهَ

يَدُ اللَّهِ قُوَّةٌ أَلَيْدُ يَوْمٍ

بے شک جو لوگ آپؐ سے بیعت کر رہے ہیں گویا وہ خدا سے بیعت

کر رہے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

قرآن میں اور بھی کئی آیات ہیں جو مومنین کو جہاد کا شوق دلاتی اور جہاد پر  
ہیں نیز ان لوگوں کا تذکرہ کرتی ہیں جو جہاد میں شریک نہ ہوئے مگر اللہ  
رسولؐ نے ان کا عذر قبول کر لیا۔ ان آیات میں کچھ ایسے لوگوں کا ذکر  
ہے جنہوں نے عذباتے لنگ ترلشے اور جہاد سے پہلو ہتی کی۔ چنانچہ ان  
کا کوئی عذر قبول نہ ہوا۔ لیکن اس کے باوجود رسول خداؐ نے انہیں  
سزا نہ دی۔ نہ ان کے خلاف ناگوار بات دام کیا، آپؐ نے ان سب

نامہ خدا کے سرور و پاک وہ چاہے تو نرادرے چاہے تو موات کر دے۔

یہ چیز بھی کم اہم نہیں کہ خلافت کا سارا معاملہ بیعت یعنی رضائے رعیت  
فصر تھا۔ چنانچہ بیعت حاکم و محکوم کے مابین ایک عہد نامہ کی صورت اختیار

ہی۔ خلفاء یہ عہد دیتے تھے کہ وہ حق انصاف کے ساتھ مسلمانوں پر حکو

میں گے۔ ان کی مصلحتوں کا احترام کریں گے اور حتیٰ الوسع رسول خدا

کی روش پر چلیں گے۔ مسلمان اپنی جانب سے یہ عہد دیتے تھے کہ وہ گوش

از رہیں گے۔ تسلیم خم کریں گے۔ خیر خواہ و مخلص رہیں گے۔ اور ہر مکاری

دیں گے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کوئی خلیفہ بھی اپنی ذات اور اپنی

امت کو مسلمانوں پر ایک فرض کی حیثیت سے عائد نہیں کر سکتا تھا تاوقتیکہ

مسلمانوں سے یہ عہد نہ کرتا اور مسلمان اس سے یہ پیمانہ نہ کر لیتے۔ ازاں

مخلفہ اس باہمی متبادل عہد کے مطابق ان پر حکومت کرتا۔ یہی سبب

ہے کہ اقتدار و حکومت حضور اکرم کی طرف سے بطور وراثت منتقل نہ ہوا نہ

بیعت میں سے کسی کو اور نہ خود حضرت ابوبکر کو یہ سند بطور وراثت ملی۔ حضرت

بکرہ کو خلافت اس جماعت کی طرف سے ملی تھی جنہوں نے ان کی بیعت کر کے

یہ ٹھیک ہے کہ اسلام میں ہر کام بہ طیب خاطر کیا جاتا ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ  
مخلص بنائے آپ کو بر فساد و غبت اسلامی مملکت کا فرو بنائے اسے پھر اس کا بھی اختیار  
ہے کہ مملکت کے جس حکم کی جی چاہے اطاعت کرے اور جس سے جی چاہے انحراف کرے۔ اور  
حکومت اس سے کوئی مواخذہ نہ کرے۔ اس طرح تو کوئی نظام بھی قائم نہیں رہ سکتا۔

(علوم اسلام)

یہ امانت ان کے سپرد کی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد ان کے لڑکے خلافت کے وارث نہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ کو بھی خلافت درانتنا نہ ملی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین مسلمانوں کے مشورے سے مقرر کیا تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ حضرت ابوبکرؓ کی جانب سے ہرزوہ وصیت نامہ لے کر حضرت ابوبکرؓ کی زندگی ہی میں لوگوں کی طرف آئے۔ حضرت عثمانؓ نے لوگوں سے کہا: "کیا اس خط میں جو کچھ رقم ہے اس پر آپ لوگ بیعت کرتے ہیں؟" لوگوں نے کہا: "ہاں" کیونکہ انہیں حضرت ابوبکرؓ پر کلی اعتماد تھا۔ وہ ان کی رائے کو اپناتے کرتے تھے اور جانتے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ ان کے ہی خواہ اور مہربان ہیں۔

فرزندان حضرت عمرؓ بھی خلافت کے وارث نہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ کو یہ بات پسند نہ تھی کہ ان کے بعد ان کا کوئی بیٹا خلیفہ ہو۔ انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہؓ کو رکن "شوری" تو مقرر کیا مگر اس شرط کے ساتھ کہ ان کا فرائض کوئی حق نہ ہوگا۔ یہی سبب ہے کہ جب حضرت معاویہؓ نے حکومت کو بنالیا تو مسلم عوام بہت بگڑے اور انہوں نے کہا کہ امیر معاویہؓ نے خلافت کو ہر تہی اور کسروی حکومت بنا دیا ہے۔ یہ ساری باتیں اگر کسی معاملے میں کرتی ہیں تو وہ صرف یہ ہے کہ عہد نبویؐ کا نظام حکومت وہ نہ تھا جس کا

لہ یہ مقامات ذرا نازک ہیں اور وسعت اور گہرائی کے محتاج۔ رطلوع اسلام



دار و مدار دجی آسمانی پر ہوتا تھا اور جس میں عوام کی رائے کا کوئی دخل نہ ہوتا تھا پھر جب عہد نبوی میں جبکہ آپ پر دجی اتر ا کرتی تھی ایسا طرز حکومت تھا تو عہد ابوبکرؓ و عمرؓ کے متعلق یہ بہت زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ اس وقت تو دجی آسمانی کا سلسلہ بھی ختم ہو چکا تھا۔

وہ لوگ جن کا خیال ہے کہ اسلامی تاریخ کے صدر اولیٰ کا نظام حکومت اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا تھا انھیں یہ مغالطہ خلفاء کے خطبوں اور ان کی باتوں کے باعث لگ جاتا ہے۔ پھر خلفاء کے بارے میں لوگوں کی باتیں بھی اس خیال کی تائید کرتی ہیں کیونکہ ان میں اللہ تعالیٰ کا ذکر، اس کے اقتدار اس کے حکم اور اس کی اطاعت کا ذکر ہوتا تھا۔ وہ خیال کرتے تھے کہ یہ باتیں اس امر کی دلیل ہیں کہ وہ نظام حکومت منزل من اللہ تھا۔ حالانکہ درحقیقت یہ تمام باتیں اگر کسی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتی ہیں تو وہ محض ایک معمولی سی مگر نہایت درجہ اہم بات ہے اور وہ یہ کہ خلافت مسلمانوں اور خلفاء کے مابین ایک معاہدہ ہوتا تھا اور یہ اللہ کا فرمان تھا کہ اس کے عہدوں کو جب بھی کئے جائیں پورے کئے جائیں خواہ ان کا تعلق حکومت کے معاملات سے ہو یا اس کے علاوہ۔ دیگر معاملات سے اور خواہ افراد کے باہمی عہد و پیمان سے۔ خدا ہر صورت میں پابندی عہد کا حکم دیتا ہے۔ اور جب لوگ دوائے عہد یا عہد شکنی کرتے ہیں تو خدا کی نگاہ ان کے ضمیروں پر ہوتی ہے اور وہ عہد ایفا کرنے والوں کو نیک اجرا اور عہد شکنی کرنے والوں کو

کو شدید مزاد تیل ہے۔ اس اعتبار سے اسلام اور مسیحیت میں کوئی فرق نہیں کیونکہ اسلام بھی اچھائی کا حکم دیتا ہے۔ برائی سے منع کرتا ہے۔ خیر کی جانب متوجہ کرتا ہے۔ شر سے روکتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ عوام کے معاملات عدل پر مبنی اور ظلم و جور سے سبزا ہوں۔ بعد ازیں وہ انھیں اجازت دیتا ہے کہ ان مقررہ حدود کے اندر رہ کر اپنے امور کا اہتمام و انضباط حسب طرح چاہیں کریں۔ مسیحیت بھی اس پر نہ کچھ اضافہ کرتی ہے نہ کمی۔ چنانچہ بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ سے اس ضمن میں بحث و جدال کیا انھیں آپ نے یہ جواب دیا تھا کہ

”اعطوا ما لقیصر لقیصر ما لہ اللہ اللہ“

یعنی قیصر کا حق قیصر کو ادا کرو اور خدا کا خدا کو۔ اس کا مطلب یقیناً یہ ہے کہ قیصر کو اس کے استحقاق سے بڑھ کر کچھ نہ دیا جائے۔ نیز یہ کہ قیصر اور عامۃ الناس کے باہمی مراسم ظلم و جور اور خوف پر مبنی نہ ہوں۔

یہ بحث آپ کو ہماری کتاب کے کسی اور مقام پر نظر آئے گی کہ عہد عثمانی

میں صرف اتنی سی بات نہیں۔ اسلام میں فلاحت سے مراد یہ ہے کہ یہ حکومت ان حدود کے اندر رہتے ہوئے کی جائے گی جو دینی کی رو سے متعین ہوتی ہیں اور کسی کو اس کا حق نہیں ہوگا کہ وہ ان حدود سے تجاوز کرے۔

(علوم اسلام)

بلکہ یہ نظریہ دین خداوندی کے اصول کے خلاف ہے اس لئے یہ حضرت عیسیٰ کا قول نہیں ہو سکتا۔

(علوم اسلام)

میں بعض مسلمانوں نے بعض عمال کے اس قول کو کہ مال غنیمت و خراج "اللہ کا مال" ہے سخت ناپسند کیا اور اس کی بجائے اسے "مسلمانوں کا مال" کہا، چنانچہ اس قول کی حمایت میں بعض افراد کو کچھ تکالیف کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ اگر مسلمان اپنے ابتدائی عہد کے نظام حکومت کو محض نظام خداوندی ہی تسلیم کرتے ہوتے تو اس بات سے کہ وہ "اللہ کا مال ہے" انہیں انکار نہ ہوتا اور یہی سبب ہے کہ جب لوگوں نے یہ خیال رکھنے کی وجہ سے امیر معاویہؓ پر اعتراضات کئے تو انہوں نے معذرت کرتے ہوئے اس خیال کو ترک کر دیا کہ لوگ اور ان کی ملکیتیں اللہ کی ہیں، وہ اللہ کے بندے ہیں لہذا ان کا مال اللہ کا مال ہے۔

لہذا ثابت ہوا کہ عہد نبویؐ کا نظام حکومت مقدس تھا یا کر ٹیک نہ تھا۔ بلکہ لوگوں کے باہمی معاملات کا ایک حصہ تھا جس میں خطا و ثواب کی گنجائش تھی اور انہیں اجازت بھی تھی کہ وہ اچھی اور بُری بات کو پہچانیں اور اپنے فیصلہ کے مطابق بھلے کام پر خوشی اور بُرے پر ناراضی کا اظہار کریں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے عہد کا نظام حکومت جمہوری تھا۔ یہ بات الفاظ کی حد تک تو صحیح ہے مگر

لہ بات تو یہی درست ہے کہ مومن کا مال اللہ کا مال ہوتا ہے لیکن اس سے لوگوں نے جو مفہوم لے لیا تھا وہ صحیح نہیں تھا۔  
(طلوع اسلام)



وقت معافی کی منتظر نہیں ہو سکتی۔ اس مقام پر ضروری ہے کہ جمہوریت کا مفہوم

پوری طرح سمجھ لیا جائے۔ پھر دیکھا جائے کہ وہ نظام حکومت جمہوری

کیا صدر اول کی اسلامی حکومت  
جمہوری نظام پر مشتمل تھی؟

تھایا نہیں؟ جمہوریت کا مفہوم ہے

عوامی حکومت جو عوام کے ذریعہ عوام کی خاطر کام کرتے۔ گویا اس طرز حکومت میں

عوام کو حق ہے کہ وہ اپنے حکام کو آزادانہ انتخاب کے ذریعہ چن کر مقرر کریں۔ آزادانہ

ان کے تصرفات کی نگرانی کریں تاکہ انھیں معلوم ہو جائے کہ وہ منتخب افراد محض

عوامی مصالح کو مد نظر رکھتے ہیں اپنی ذاتی اغراض کو نہیں۔ نیز جب عوام کو ان پر

اعتماد باقی نہ رہے گا یا ان کی حکومت پر راضی نہ رہیں گے تو انھیں اس حکومت کو

بilateral کر دینے کا بھی حق حاصل ہوگا۔

۲۰۰۰ء جمہوریت کا بنیادی اصول یہ ہے کہ عوام کو قانون سازی کا کلیتہً اختیار حاصل ہے اور

ان کے اس اختیار پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہے۔ لیکن قرآن کی رو سے قانون سازی

کا حق صرف ان حدود کے اندر رہتے ہوئے حاصل ہوتا ہے جو وحی کی رو سے متعین ہیں

ہیں اور جو غیر متبدل ہیں۔ یہ ہے بنیادی فرق دورِ حاضرہ کی جمہوریت اور اسلامی

نظام میں اختلاف

(طلوع اسلام)

زمانہ قدیم میں یونانیوں نے جمہوریت کا یہی مفہوم سمجھا تھا۔ اور آج اس دور  
جدید میں بھی جو قومیں نظام جمہوری کی تال ہیں اس کے یہی معنی مراد لیتی ہیں۔  
یہ الگ بات ہے کہ لفظ قوم کی تعبیر میں اختلاف رہا ہے۔ مثال کے طور پر یہ لفظ  
یونانیوں کے یہاں محدود مفہوم کا حامل تھا۔ جس کی برو سے اہل وطن کی ایک مختصر  
جماعت پر اس کا اطلاق ہوتا تھا جنہیں بلا شرکت غیرے جملہ حقوق حاصل  
ہوتے تھے۔ اور جو قانون کے سامنے مساوی حقوق رکھتے تھے۔ حالانکہ دوسری  
طرف ملک کی بڑی اکثریت ان حقوق سے محروم تھی جنہیں امور مملکت میں سے  
کوئی حصہ بھی نہیں ملتا تھا۔ "انقلاب فرانس" کے بعد اس لفظ میں وسعت آگئی  
جس کی وجہ سے اہل وطن کی بہت بڑی تعداد سیاسی حقوق سے متمتع ہونے لگی۔  
مگر اس کے باوجود جملہ افراد اس میں بھی شامل نہ تھے۔ کیونکہ یہ معاملہ ایک خاص  
مقدار مال کی ملکیت یا ایک معینہ ٹیکس کی ادائیگی یا ایک خاص درجہ تعلیمی کی تکمیل  
تک محدود رہا۔ گذشتہ صدی کے آخر میں اسے اور وسعت نصیب ہوئی اور جملہ  
بالغ مردوں کو یہ حقوق دینے گئے۔ موجودہ صدی میں اسے اور بھی وسعت حاصل  
ہوئی یعنی ہر بالغ مرد و زن کو یہ حقوق مل گئے۔ علاوہ ازیں جمہوریت کے خواہ  
محدود ہو خواہ وسیع کچھ مقررہ نظام ہیں جن میں اس امر کی ضمانت ہوتی ہے  
کہ عوام اپنے حقوق سے متمتع ہوں۔ اپنے حکام کو منتخب کریں، اور ان کے تصرفات  
کی نگرانی کرتے رہیں۔ اگر آپ جمہوریت کی ان باریکیوں کو مد نظر رکھیں تو پھر

یقیناً کہنا پڑے گا کہ مسلمانوں کی تاریخ کے صدر اول کا نظام جمہوریت نہ تھا۔  
 کیونکہ عوام کو انتخابِ حکام کا حق باقی وقت معنی حاصل نہ تھا۔ رسولِ خدا کو پیغمبر  
 الہی کی تبلیغ اور عوام کے لئے ایک ایسے نظام کے قائم کرنے کی خاطر جو عدل و  
 انصاف پر مبنی ہو لوگوں نے منتخب نہیں کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ کو  
 اللہ تعالیٰ نے بھیجا تھا پھر لوگوں میں سے جس نے چاہا آپ کا اتباع کیا اور جس  
 نے چاہا مخالفت کی، اگر ہم یہ کہیں کہ آپ کا اتباع کر کے دے صحابہ کرام نے آپ  
 کو اپنا حاکم منتخب کر لیا تھا تو یہ انتخاب حاکم بھی ایسا نہ تھا جیسے جمہوری نظام  
 عمل میں آتا ہے کیونکہ صحابہ کرام نے آپ پر کڑی نگہ رکھ سکتے تھے نہ عاصی کر سکتے  
 تھے۔ ہوتا یہ تھا کہ جب بھی رسول خدا ان سے مشورہ طلب فرماتے تو وہ آپ کو مشورہ  
 دیتے۔ ویسے کبھی کبھار وہ بے طلب بھی مشورہ دے دیتے تھے: آپ چلتے تو  
 وہ مشورہ مان لیتے چلتے تو رد کر دیتے۔ اسی طرح وقتِ نظر سے دیکھا جائے  
 تو حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کا نظام حکومت بھی جمہوری نہیں قرار دیا جاسکتا۔ کیونکہ  
 حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کو جملہ مسلمانوں نے نہیں بلکہ مسلمان ہماجرین و انصاء کے  
 ایک اربابِ حل و عقد گزردہ نے منتخب کیا تھا۔ اور شروع میں ان لوگوں میں  
 اس انتخاب کے متعلق کچھ اختلاف بھی رونما ہوا تھا۔  
 ان عربوں سے جو رسولِ خدا کی وفات کے وقت مسلمان ہو چکے تھے  
 اور جو مکہ طائف اور صحرا میں آباد تھے حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کے انتخاب میں کوئی



مشورہ نہ لیا گیا تھا۔ بلکہ ان دونوں کو صرف اہل مدینہ نے منتخب کیا۔ باقی سب مسلمانوں نے اس انتخاب کو تسلیم کر لیا۔ اور اطاعت پر کاربند رہے۔ لہذا اگر آپؐ ارتداد میں سے کسی نے یہ شعر کہہ دیا تو کوئی تجب خیر بات نہیں کہہ

أَطَعْنَا رَسُولَ اللَّهِ مَا كَانَ يَنْهَانَا

فَمَا لَعَبْنَا بِاللَّهِ مَا رِوَيْتُنَا بَكَرًا

ہم نے اختلافات کے باوجود جب تک رسول خداؐ ہمارے اندر رہے

آپؐ کی اطاعت اختیار کرتے تھے

مگر اے بندگانِ خدا! تو بتاؤ کہ ان کے بعد ابو بکرؓ کیسے یہ حق مل گیا

ہے؟

علاوہ ازیں عوام بلکہ خود ہاجرین و انصار کے اس فریق کے پاس بھی کوئی مقرر و معین نظام نہ تھا جس کی رُو سے وہ خلفاء کی روش پر نگرانی رکھتے اور ان کے اعمال و دعاری کا محاسبہ کرتے۔ ان کی حیثیت یہ تھی کہ وہ خلفاء کے مشورہ طلب کرنے پر مشورہ دیتے تھے۔ خلفاء بھی سب کو جمع کر کے مشورہ لیتے اور کبھی الگ الگ۔ ہاجرین و انصار بھی کبھی خلیفہ کو بے طلب بھی مشورہ دیتے تھے۔ مگر یہ خلیفہ کی مرضی پر منحصر تھا کہ اس مشورہ کو قبول کیسے یا رد کر دے۔ بدیں صورت یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قدیم و جدید زمانوں میں نقد دستوری کی رُو سے جمہوری نظام کی دقیق تعریف کے مطابق مسلمانوں کی تاریخ کے صد

اول کا نظام حکومت جمہوری تھا۔

اور اگر جمہوریت کا عام معنی لیا جائے جس سے مراد یہ ہو کہ حکام اپنے حق میں عوام کی خوشنودی و اعتماد کے محتاج ہوں اور وہ اپنے آپ کو اس امر کا پابند رکھتے ہوں کہ عوام کے ساتھ ایسا سلوک کریں جو عدل و مساوات پر مبنی اور حکم و جور سے مبترا ہو تو اس صورت میں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کے صدر اول کا نظام حکومت جمہوری تھا۔ جس کے لئے مدارج معیار اور حدود متعین نہ تھیں۔ اس کے کچھ آثار آپ کو عہد عثمانی میں مسلمانوں کو پیش آنے والے فقہوں میں دکھائی دیں گے۔

بعض دیگر حضرات کا خیال ہے  
**کیا صدر اول کا اسلامی نظام**  
**انفرادی یا دشاہت کا نظام تھا؟**  
 حکومت ایک عادل انفرادی

پادشاہت کا نظام تھا یہی وجہ ہے کہ رسول خدا اور آپ کے بعد حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کی حکومت میں کوئی بھی ان کا شریک کار نہ تھا۔ وہ اپنے بعض اصحاب سے مشورہ لے لیا کرتے تھے جو اپنے مشوروں کا کسی کو لازم پابند نہ کرتے تھے۔ بایں ہمہ رسول اکرمؐ اور حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کے مد نظر عدل کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اس انداز کا طریق و فکر اس نظام حکومت کو کسی حد تک

لے حدود اشد یعنی قرآن کے اصول متعین و غیر متبدل تھے۔ (طلوع اسلام)

ایسے نظام سے قریب کر دیتا ہے جو عہد شہنشاہی و قیصری میں اہل روم میں مروج تھا۔ روم کے شہنشاہ یا قیصر تمام دارت سلطنت نہ ہوتے تھے۔ بلکہ ان کی اکثریت بذریعہ انتخاب بسند نشین حکومت ہوتی تھی۔ اور جب کوئی منتخب ہو جاتا تھا تو پھر وہ تمام عمر برسرِ اقتدار رہتا تھا۔ لایہ کہ انقلاب یا بغاوت و عہد شکنی کے ذریعہ ان سے حکومت چھین لی جاتی۔ اس رومی نظام اور اس اسلامی نظام میں جو عہد نبویؐ میں یا حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کے عہد میں مروج تھا اگر کوئی فرق تھا تو یہ کہ اس کا دار و مدار محض عدل پر تھا۔ جبکہ رومی شہنشاہ اور قیصر عدل و انصاف کی حدیں اکثر اوقات پھاند جاتے تھے۔ لہذا یہ رائے بھی سابقہ دونوں رایوں سے زیادہ وسیع نہیں۔

یہ تو ہم جانتے ہیں کہ رومیوں کے یہاں بھی شہنشاہ قیصر کو منتخب کرنے اور ان کے طرز عمل کو مستعین کرنے کا اختیار دین کو حاصل تھا۔ لیکن رومی نظام اور اسلامی نظام میں جو فرق تھا وہ ایک دین اور دوسرے دین کا فرق ہے اسی طرح ایک قوم اور دوسری قوم کا فرق ہے، ایک ماحول اور دوسرے ماحول کا فرق ہے۔ چنانچہ اس دین میں جو رومی شہنشاہوں پر بالخصوص اور قیصروں پر کسی حد تک طاری تھا وہ پاکیزگی و عظمت نہ رکھتی جو آسمانی ادیان سے قریب یا دور کی کوئی بھی نسبت رکھتی ہو۔ کیونکہ رومیوں کا دین شکنوں۔ فال اور علم ہر فیصلہ کی ایسی باتوں پر مبنی تھا۔ جنہیں ہم آج پڑھ کر ہنستے اور مورو مستحزینہ سمجھتے ہیں



رومی عوام کی زندگی کا وہ انقلاب جس نے اسے اس کی ابتدائی سادہ زندگی سے  
 نکال کر پچھلے زندگی تک پہنچایا عربوں کی زندگی کے اس انقلاب سے کسی قسم  
 کی کوئی نسبت نہیں رکھتا جس نے انہیں جاہلیت سے نکال کر اسلام کی آغوش  
 میں ڈالا۔ رومی انقلاب مادی تھا۔ بشرطیکہ یہ تعبیر صحیح ہو جو بتدریج تمدنی ترقی  
 سے ظہور پذیر ہوا، لیکن دوسری طرف عربی انقلاب معنوی تھا۔ جو اسلام کی تاثیر  
 کے سبب عربی روح کے تغیر سے وجود میں آیا تھا۔ گویا اس انقلاب کا رخ اندر سے  
 باہر کی طرف تھا۔ اور عربی نفس کے بدل جانے سے عربوں کی مادی زندگی میں  
 انقلاب واقع ہو گیا تھا۔ اس کے برعکس روم کے انقلاب کی رو باہر سے اندر کی  
 جانب آئی اور اس نے رومیوں کے خارجی احوال کو منقلب کر دیا۔ جس کے نتیجہ  
 میں رومی روح و ضمیر میں بھی انقلاب واقع ہو گیا۔ مزید برآں ان دونوں کے  
 ماحول میں اتنا ہی اختلاف ہے جتنا اٹلی اور حجاز میں ہو سکتا ہے۔ لہذا اگر  
 رومی شاہی و قیصری نظام حکومت اسلام کے صدر اول کے نظام حکومت  
 کے ساتھ کوئی مشابہت نہ رکھتا ہو تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔  
 مجھے جمہوریت کے دور کے رومی نظام حکومت اور اس اسلامی نظام حکومت  
 میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قائم ہوا تھا کھوڑی بہت  
 مشابہت نظر آتی ہے۔ رومی اپنے قیصروں کو جس طرح منتخب کیا کرتے تھے  
 تقریباً اسی قسم کا طریقہ ہے جس سے کام لے کر مسلمانوں نے اپنے خلفاء کا انتخاب

کیا تھا۔ انصار نے جب ہاجرین سے کہا تھا کہ ایک امیر ہماری طرف سے ہو اور ایک تمہاری جانب سے تو انہوں نے کسی حد تک رویوں ہی کا نمونہ پیش کیا تھا۔ علاوہ ازیں منتخب ہونے کے بعد قنصل کے اختیارات کی عمومیت دوست خلیفہ کے اختیارات سے ملتی جلتی تھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ قنصل کے اختیارات ان قوانین کے پابند ہوتے تھے جنہیں عوامی مجلس قانوں کی منظوری کے بعد مجلس شیوخ پارس کی منظوری حاصل ہو چکی ہوتی تھی اسی طرح خلیفہ کا اقتدار تصرف دین کی حدود میں محدود تھا اور صحابہ کبار کی آراء کا پابند نیز عامۃ المسلمین کے میلانات و رجحانات کا تابع تھا۔ لیکن ان سب مشابہتوں میں دوران کار تا دیلات اور کلفت و تصنع پایا جاتا ہے۔ لیکن جبکہ حکومت کے ان مظاہر کا اضافہ کریں جو قنصل کے گرد محیط تھے اور جن سے خلفاء بالکل آزاد تھے یا ان عناصر کا ذکر کریں جو ردی جمہوریت کے حالات کا اقتضائے تھے جن کی رو سے قنصل کے اختیارات کو محدود کر عوام کو اس کے تحکم سے محفوظ کر لیا گیا تھا مثلاً زعماء کے انتخاب کا قاعدہ جن کو عوام اس لئے منتخب کرتے تھے کہ اگر ان پر قنصل کوئی ظلم کرنا بھی چاہے تو زعماء اسے روک لیں۔ اور میں کہتا ہوں کہ اگر ہم ان سب فروق کا ان ظاہری اور مصنوعی مائیلوں میں اضافہ کر لیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس قلیل المذت عربی نظام حکومت اور ان ردی نظام ہائے حکومت کے مابین جو عہد ملوکیت عہد جمہوریت یا عہد قیصریت میں نفاذ پذیر تھے کوئی قوی مشابہت نہیں پائی جاتی۔ اس میں



کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں نے سیاسی انتظامی اور جنگی امور میں تفسیروں اور کلموں کے نظاموں سے بہت کچھ حاصل کیا تھا لیکن یہ اکتساب اس عہد سے جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں بہت بعد میں واقع ہوا۔ بدیں صورت ہیں اس تشابہ سے جس کی کوئی محکم بنیاد نہیں صرف نظر کر لینا چاہیے۔

اس طرح یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ اس عہد کا اسلامی نظام حکومت مطلق العنان حکومت کا نظام نہ تھا۔ نہ ہی وہ یونانیوں کے طرز کی جمہوریت

تھا، نہ ہی وہ شاہی یا جمہوری  
محدود و مقید قسم کا قیصری نظام

در اصل اسلامی نظام حکومت

ایک جدید طرز کا خالص عربی نظام تھا

وہ ایک خالص عربی نظام تھا جس کی عمومی حدود اسلام نے بالوضاحت بیان کر دی تھیں۔ ان حدود کے درمیان جو خلا رہ گیا تھا اسے مسلمانوں نے پورا کرنے کی کوشش کی تھی۔

میں نے کسی مقام عربوں میں نشر کے ظہور و ترقی ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ قرآن نہ شعر ہے نہ نثر۔ وہ صرف قرآن ہے اس کے اپنے مخصوص اسالیب ہیں جن سے اس نے اشیاء کی تعبیر و صورت کشی کی ہے۔ ان کا اپنا الگ طرز بیان اور انداز ادار ہے اس میں موسیقی کی بعض ایسی بندشیں ہیں کہ اسے سادہ لوح حضرات شاعری خیال کرنے لگتے ہیں۔ تافنیہ کی تفسیر



ایسی ہیں کہ لوگ اسے مسیح سمجھنے لگتے ہیں۔ اس میں آزادی روائی اور ہواری ایسی ہے کہ بعض دوسرے سیدھے سادے لوگ اسے نثر تصور کرنے لگتے ہیں۔ اسی وجہ سے مشرکین قریش فربہ کھا گئے اور کہا کہ یہ شاعری ہے۔ مگر قرآن نے ان کی شدید تکذیب کی۔ ایسا ہی دھوکہ ان لوگوں نے **قرآن کا انداز** کھایا جنہوں نے تاریخ نثر کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ خیال کیا کہ وہ عربی نثر کا پہلا مجموعہ ہے۔ پھر سال حقیقت واقعہ ان لوگوں کی سخت تکذیب کرتی ہے۔ چنانچہ اگر کوئی نثر نگار اس کی عبارت کی نقل کرنا چاہے۔ جیسے کہ بعض نثر نگاروں نے ایسی کوشش کی بھی۔ تو وہ سوائے اس کے اور کچھ نہ کر سکے کہ ایک تسخیر انگیز مضحکہ خیز عبارت اس کے مقابلہ میں پیش کر دیں۔

میں نے قرآن کے بارے میں کہا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس عہد کے نظام حکومت اسلامی کے بارے میں بھی کوئی ایسی ہی رائے پیش کروں۔ چنانچہ میری رائے یہ ہے کہ وہ نظام ملکیت نہ تھا کیونکہ رسول خدا ﷺ اور حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کے لئے اگر کوئی بات سب سے زیادہ اذیت ناک تھی تو وہ یہی تھی کہ انہیں بادشاہ خیال کیا جائے۔ وہ نظام جمہوری بھی نہ تھا۔ کیونکہ ہماری معلومات کے لحاظ سے جمہوری نظاموں میں کوئی نظام بھی منتخب ہونے والے صدر کو یہ حق نہیں دیتا کہ منتخب ہونے کے بعد اسے موت کے سوا کوئی بھی مسند حکومت سے انکار نہ سکے۔ رومیوں کے نقطہ نظر کے اعتبار سے دیکھیں تو وہ قیصری نظام بھی

نہ تھا۔ کیونکہ خلیفہ کو فقط اہل لشکر منتخب نہ کرتے تھے۔ لہذا یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ خالص عربی اسلامی نظام تھا جو نہ عربوں سے پہلے کہیں عمل میں آیا نہ ان کے بعد کسی نے ان کی تقلید کی، لیکن یہ سب باتیں ہیں اس ذمہ داری سے عہدہ برائے کرتیں کہ ہم ان اسلامی مسائل کی تحلیل اور اس کی باریکیوں کو سمجھنے کے بعد یہ دیکھیں کہ آیا یہ نظام اپنے اندر باقی رہنے کی صلاحیت رکھتا تھا یا وہ اس قابل تھا کہ جب اس کا ماحول اور حالات بدل جائیں تو وہ بھی منقلب و متغیر ہو جائے۔

## ✓ اسلامی حکومت کے جزائے ترکیبی

سب سے پہلے اس نظام کے اجزائے ترکیبی میں سے

(۱) دینی عنصر | ہم دینی عنصر کا مطالعہ کرتے ہیں یہ نظام جیسا کہ میں نے کہا چکا ہوں آسمانی نظام نہ تھا بلکہ یہ انسانی نظام تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ سے بہت بڑی حد تک متاثر تھا۔ خلیفہ اپنے ہر امر و نہی اور کسی عمل کے کرنے نہ کرنے میں وحی کا پابند نہ تھا لیکن اس کے باوجود وہ حکم الہی کا پابند تھا جسے رد سے اسے حق قائم کرنے، عدل عام کرنے، بھلائی اختیار کرنے اور برائی سے بچنے اور سرکشی و نافرمانی سے باز رہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

۱۔ مطلب یہ ہے کہ وہ قرآن کے اصولوں کا پابند تھا۔ ان اصولوں کے اندر رہتے ہوئے جزئیات اپنے حالات کے مطابق خود وضع کرتا تھا۔

۲۔ رطلوع اسلام

یہی وہ وحی ہے جو مسلسل تیسویں سال تک جاری رہی اور صبح و شام مسلمان  
 اس سے آشنا ہوتے رہے وہ قرآن کی صورت میں نازل ہوئی۔ دوسری طرف  
 رسول خداؐ گفتگو میں اس کا ذکر کرتے۔ تیسری طرف آپؐ اسے اپنی عملی سیرت سے  
 ایک قابل عمل سنت کی صورت میں رواج دیتے تھے۔ اس وحی نے آپؐ کے مقلدین  
 خصوصی اور دیگر مسلمانوں کے نفوس میں ایک نہایت قوی حساس اور زندہ دینی  
 ضمیر پیدا کر دیا۔ لہذا یہ بات ممکن ہی نہ تھی کہ ایک مسلم قول و عمل یا غور و فکر میں  
 اس سے پہلو بچا سکتا بلکہ بیداری یا خواب میں بھی وہ اس سے الگ نہیں ہو سکتا تھا۔  
 حاکم ہونے کی شکل میں رعیت سے تعلق اور اس کے معاملے میں اسی طرح رعیت ہونے  
 کی صورت میں حاکم سے تعلق اور اس کے معاملے میں۔ نیز اپنے ہم چشموں کے  
 ساتھ روزمرہ زندگی کے مسائل میں غرض ہر گوشے میں وہ اس ضمیر سے متاثر  
 رہتا تھا۔ اس چیز نے بہت سے لوگوں کو اس غلط فہمی میں ڈال دیا کہ اس عہد کا  
 نظام حکومت منزل من اللہ ہوا کرتا تھا۔ بات اس طرح نہیں ہے، حقیقت یہ  
 ہے کہ یہ کیفیت خلیفہ در عایا کی مہیروں میں جس قدر دینی تاثر تھا اس کے مطابق  
 گھومتی تھی۔

۲۔ دینی استقرائیت | اس نظام کا دوسرا عنصر وہ "استقرائیت" تھی  
 جس کی بنیاد عورت عام کی رُود سے نسل دولت  
 یا مجلسی قدر و منزلت پر استوار نہ تھی، بلکہ اس کا انحصار ایک ایسی بات پر تھا جو



ان سب سے زیادہ اہم تھی۔ وہ بات تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ کے ساتھ رابطہ و قرب۔ آپ کے ہر امر و نہی کی بلا تردد و سمع و طاعت، علاوہ ازیں اوقات صلح و جنگ میں راہ خدا میں سرکبٹ رہنا۔ ان شرائط کے باعث اسلام کے ظہور میں آتے ہی ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا جسے عوام میں امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ اس طبقہ کے افراد دنیوی حقوق کے معاملے میں خود غرض نہ تھے۔ ان دلوں میں کوئی عاقل یا موثقت نفع کے حصول کی خواہش نہ تھی بلکہ وہ اس لئے متاز تھا کہ رسول خدا اسے سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اور اس امر کا اس طبقہ کے سامنے اور عوام الناس کے سامنے اعلان کرتے تھے کہ خدا کو سب سے زیادہ محبت اسی طبقہ کے ساتھ تھی۔ کیونکہ وہ لوگ سب سے پہلے لائے تھے۔ انہیں راہ خدا میں اذیتیں پہنچائی گئی تھیں۔ انہوں نے حفاظت دین کی خاطر حبشہ اور ازاں بعد مدینہ کی طرت ہجرت کی تھی۔ انہوں نے اپنے مظالم بھائیوں کو پناہ دی اور ان کی اعانت کی تھی۔ انہوں نے راہ خدا میں جان و مال کے ساتھ جہاد کیا تھا۔ انہوں نے رسول خدا کا ساتھ کبھی نہ چھوڑا تھا آپ کے احکام کے سامنے مستلیم خم کیا تھا، آپ کے فرمان تحریر کئے تھے۔ غرضیکہ طبقہ انہی لوگوں پر مشتمل تھا جن سے خدا و رسول کو محبت تھی۔ جنہیں عامۃ الناس احترام و عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہ وہ طبقہ تھا جو اپنے آپ کو کسی عظمت یا برتری کا مستحق اور اہل نہ سمجھتا تھا۔ بلکہ اپنے آپ کو دوسرے

مسلمانوں کے برابر سمجھتا تھا۔ اُن کی یہ خاک ساری رسول خدا کی نگہ میں ان کی محبت کو اور بھی بڑھا دیتی تھی۔ حالانکہ یہ طبقہ جن افراد پر مشتمل تھا وہ سب ممتاز گھرانوں میں پیدا نہ ہوئے تھے نہ وہ سب عالی نسب تھے۔ اور نہ کسی وسیع دولت کے مالک تھے۔ ان میں بعض ضرور متمول اور عالی نسب تھے مگر باقیوں میں کوئی غلام تھا جسے دین کی راہ میں شہداء کا سامنا کرنا پڑا تھا اور جسے بالآخر کسی مسلمان نے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ کوئی ایسا در ماندہ حال تھا کہ مکہ میں پناہ گزیں ہو کر کسی قریشی قبیلہ کے زیر حمایت اور کسی قریشی سردار کے زیر سایہ وقت گزار رہا تھا۔ کوئی ایسا تھا جو کبھی مکہ میں آیا اور یہاں اس دن روزگار کی صورت دیکھ کر متحیر ہو گیا تھا علاوہ ازیں بعض ایسے بھی تھے جن کا نسب ممتاز اور گھرانہ معزز تھا۔ لیکن وہ تنگدستی اور بے مائیگی کا شکار تھا۔ وہ اپنی قوم میں محترم تھے لیکن معاش کی تنگی کے باعث جس طرح بھی بن پڑتی تھی محنت مزدوری کر رہے تھے۔ غرض ان طبقہ میں ان سب قسموں کے افراد شامل تھے۔ لیکن اسلام نے حقوق و فرائض کے معاملہ میں سب کو برابر کر دیا تھا۔ ان کے امتیاز کا نقطہ ایک ہی معیار تھا وہ یہ کہ انھوں نے راہ اسلام میں کس قدر تکالیف برداشت کیں۔ مصائب کا کس پلہ کی کے ساتھ مقابلہ کیا اور جب رسول اکرمؐ نے مالی و جانی مدد مانگی تو انھوں نے کس قدر جانی و مالی مدد دی۔ انہی قربانیوں کی نسبت سے انھیں بڑائی حاصل ہوتی تھی۔

جو نہی اسلام پھیلنے لگا اس طبقہ کو قدرتنا امتیاز حاصل ہوتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ  
 مسلمانوں نے انھیں وہ حقوق دیدیئے جن کا یہ اپنے آپ کو مستحق سمجھتے تھے کیونکہ  
 اس طبقہ کے افراد لوگوں کو دین سکھاتے تھے۔ اور بوقت ضرورت ہر قسم کا مشورہ  
 دیتے تھے۔ عرب قبائل اکثر اوقات رسول خداؐ سے یہ التماس کرتے تھے کہ کسی  
 ایسے شخص کو ان کے قبیلے میں بھیجیں جو انھیں شعور دین بخشنے۔ لہذا آپ ان میں سے  
 معلم، فقیہ اور ایام کا انتخاب کیا کرتے تھے۔ ہوا یہ کہ ہجرت کے ابھی بمشکل چند ماہ  
 ہی گزرے تھے کہ غزوہ بدر وقوع پذیر ہو گیا جس کی وجہ سے اسلام کی شان تمام  
 ملک عرب میں بلند ہو گئی اور اس کی شوکت کا سکہ سب کے دلوں پر یوں بیٹھ گیا  
 کہ اب وہ اسلام سے مرعوب اور خائف رہنے لگے۔ تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ان  
 اشخاص کو جو اس غزوہ میں شریک ہوئے تھے مسلمانوں میں ایک ممتاز طبقہ کی  
 حیثیت حاصل ہو گئی جن افراد کو اس غزوہ کے علاوہ آپ کے ہمراہ دوسرے معرکوں  
 میں بھی شرکت کا موقع ملا انھیں اور بھی زیادہ امتیازی شان حاصل ہو گئی۔  
 علاوہ ازیں ان چند اشخاص کو بھی جنھوں نے جنگ احد میں آپ کے دوش بدوش  
 پامردی و استقلال کا ثبوت دیا تھا امتیاز حاصل تھا۔ جب حال یہ ہو کہ رسول  
 خداؐ نے ان کی تعریف کی۔ انھیں دوسروں کے لئے نمونہ اور امام بنایا۔ ان  
 جنت کی خوشخبری دی اور اعلان کیا کہ آپ ان سے راضی اور خوش ہیں۔  
 ظاہر ہے کہ ان کے امتیاز و احترام کی کوئی حد نہ تھی۔ ان باتوں میں کسی طرف



یا عجبہ کا دخل نہیں۔ یہ سب عین فطری اور طبعی امور تھے، اہم بات یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد جبکہ وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور زمین و آسمان کے مابین وحی کے پیدا کردہ قریب کے ختم ہونے کے بعد پھر وہی پہلا سا بعد واقع ہو گیا تو اصحاب رسول اللہؐ کا یہ ممتاز طبقہ اپنے باہمی تفادات و مدارج کے باوصف مسلمانوں کے مجملہ معاملات کے حل و عقد کا ذمہ دار قرار پا گیا۔

چنانچہ یہی وہ منفرد طبقہ تھا جس میں سے امت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ منتخب کیا گیا۔ یہی وہ تنہا طبقہ تھا جس پر خلیفہ اپنے لئے لوگوں کی سمع و طاعت حاصل کرنے کے لئے سہارا لیتا تھا اور یہی وہ واحد طبقہ تھا جس کی طرف خلیفہ مشوروں اور انتظامی معاملوں میں رجوع کرتا تھا۔

لیکن آنحضرتؐ کی وفات کے بعد بات اس حد تک **تقریبی استقرائیت** محدود نہ رہی ابھی آپؐ کی وفات پر چند دن کیا چند گھنٹے بھی نہ گزر سکے تھے کہ اسلام کو ایک نئی قسم کی "استقرائیت" کا سامنا کرنا پڑا جو اپنے آپ کو شدت کے ساتھ حکومت کا مستحق سمجھتی تھی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب مسلمان مسئلہ خلافت کے بارے میں صلاح مشورے کر رہے تھے چنانچہ انصار نے کہا ایک امیر ہم میں سے مقرر کیا جائے اور ایک

لے قرآن کی موجودگی میں وہ قریب پرستور باقی رہا اور ہے۔ (علوم اسلام)

تم رہا جرین امیں سے، اس پر حضرت ابوبکرؓ نے رسول خدا کی ایک حدیث بیان کی کہ

الْأَمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ

”امام قریش میں سے ہوں گے“

اور پھر انصار سے کہا کہ ہم امیر ہوں گے اور تم وزیر۔ انصار نے یہ بات مان لی۔ چنانچہ حضرت سعد بن عبادہؓ کے سوا کسی نے اس پر کوئی تعرض نہ کیا۔

اس وقت سے اسلام میں ایک ایسی ”استقراطیت“ ظہور میں آگئی جس کا قوام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت خصوصی اور قرب سے تیار رہا اور اس میں بھی حکومت صرف قریش کے قبضے میں رہی اور وزارت و مشورت انصار کو دی گئی۔ ویسے تو مشورہ کا حق ہر مسلمان کو حاصل تھا گویا اس طرح صورت یہ ہوئی کہ قریش کو حکومت بھی ملی اور مشورہ کا حق بھی اور انصار کو یگراہل عرب کے لئے صرف مشورہ رہ گیا۔ انھیں حکومت کا حق نہ رہا۔ ضروری ہے کہ اس متاع پر ہم ذرا ٹھہر کر اس ”استقراطیت“ کی تحقیق کر کے معلوم کریں کہ آیا حضرت ابوبکرؓ اور ان کے ہاجرا صحابہ و ان اللہ علیہم اجمعین نے اس کا مفہوم کیا

ملہ یہ حدیث موضوع ہے اور یہ واقعہ کہ اسے حضرت ابوبکرؓ نے اپنی تائید میں پیش کیا

(طلوع اسلام)

تھا، مستبعد ہے۔

لیا تھا اور ان کے بعد قریش نے اس کا مفہوم کیا بتالیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرات ابو بکرؓ و عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح نے تمام قریش کو مطلقاً بلا قید زمانہ مستحق خلافت ہرگز قرار نہیں دیا تھا۔ گمان غالب یہ ہے کہ ان کے مد نظر وہ ہاجرین تھے جنہوں نے اسلام لانے میں سب سے سبقت کی تھی جو دوسروں سے پہلے ایمان لائے اور جنہوں نے اپنی جان و مال کے ساتھ دعوت اسلام کو پھیلانے میں رسول خدا کی اس وقت مدد کی تھی جبکہ آپؐ مکہ میں سخت تنگی اور تکلیف و شدت کے دن گزار رہے تھے۔ ان ہاجرین کی اکثریت قریش پر مشتمل تھی اور جب کبھی ہاجرین کا ذکر قرآن و حدیث اور عوام کی روزمرہ کی باتوں میں انصار کے ساتھ آتا تھا تو پہلے ہاجرین کا نام آتا تھا پھر انصار کا۔ میرا خیال یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے پیش نظر قریش کا یہی ممتاز طبقہ تھا جس کے افراد کو اسلام لانے میں سبقت حاصل تھی۔ جنہوں نے رسول خدا کے دوش بدوش مکہ کی پرفتن زندگی کے دوران میں اور ازاں بعد مدینہ کے پُر شوکت زمانے میں آپؐ کے ساتھ مل کر انصار کی سعیت میں جہاد کیا۔

اگر حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ قریش کو اس نقطہ نظر سے سوچتے کہ وہی ایک ایسا قبیلہ ہے جس کا نسب رسول خدا کے نسب سے ملا ہوا ہے یعنی اس کا تعلق رسول اللہؐ سے رشتہ داری کا ہے تو پھر اس طرز فکر کا اقتضا یہ تھا کہ وہ خلافت کے لئے ایسے شخص کو ترجیح دیتے جو نبی اکرمؐ کا سب سے



قریشی رشتہ دار ہوتا۔ ضروری تھا کہ رسول خدا کے چچا حضرت عباسؓ یا آپ کے چچا زاد  
 بھائی حضرت علیؓ کو خلافت کا مستحق قرار دیتے جو آپ کے داماد بھی تھے اور عہدِ طفلی سے  
 ان کی پرورش بھی آپ ہی نے کی تھی۔ لہذا یہ بات صاف ہو گئی کہ حضرت ابو بکرؓ  
 اور ان کے اصحاب کی "قریش" سے مراد محض مہاجرین تھے اور ان سے بھی بالخصوص  
 وہ حضرات جو مہاجرین میں سے صاحبِ فضل اور اسلام قبول کرنے میں پیش پیش  
 تھے، یہ کہنا پرلے درجے کی حماقت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اور ان کے اصحابؓ نے  
 قریش سے مراد آنحضرتؐ کی قرابت لی تھی اور اس رشتہ داری کے سبب سے  
 انھوں نے قریش کو امامت کا امتیازی حق دیا تھا۔ کیونکہ اگر یہ بات ہوتی تو  
 طلقاتِ قریش جنہیں فتح مکہ کے روز عام معافی دے کے آزاد کر دیا گیا تھا  
 ابو بکرؓ و عمرؓ اور ابو عبیدہؓ کی نگاہوں میں ان لوگوں سے زیادہ مستحقِ خلافت  
 ہوتے۔ جنہوں نے آنحضرتؐ اور آپؐ کی دعوت کی حمایت اور مدد کی تھی اور اس  
 اعتبار سے اوسفیان یا صفوان بن اُمیہ یا حارث بن ہشام انصار کے ان سر  
 براہ اور وہ اصحاب کے مقابلے میں خلافت کے زیادہ حقدار ہوتے جنھوں نے مدینہ کو  
 گھر بنایا اور ایمان پر قانع رہے۔ لیکن ہوا یہ کہ قریش نے حضرت ابو بکرؓ کے قول  
 وہ مطلب نہ لیا جو وہ چاہتے تھے یا جو اس وقت ان کے اصحاب اس کلمہ سے سمجھا  
 تھے۔ لہذا قریش کو یقین ہو گیا کہ امامت بلا شرکتِ غیر سے صرف خاندانِ قریش  
 کا حق ہے اور یہ حق آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری کے سبب سے

مطلبہ بلاشبہ قریش نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مفہوم کو سمجھنے میں غلطی کی اور ان کی یہ تاویل و دراز کار تھی، اگر ان کی سمجھ اور ان کی تاویل صحیح ہوتی تو نبی ہاشم کا سب پر غالب ہوتا۔ لہذا وہ اس وقت تک مسلمانوں کی امامت کے سب سے زیادہ مستحق ہوتے جب تک کہ ان میں امامت کا بار اٹھانے کی طاقت رہتی۔

ساتھ ہی یہ بھی پیش نظر رہے کہ اسلام نے کسی کو خاندانی یا قومی بلندی مرتبہ کے اعتبار سے دوسرے پر مقدم نہیں کیا بلکہ لوگوں کو خدا کے نزدیک اگر فضیلت دی ہے تو یہ اعتبار تقویٰ اور اسی طرح لوگوں کو باہم ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے تو وہ بھی بروئے تقویٰ دینی جدوجہد میں بہتر کارگزاری اور کارہائے نمایاں کی انجام دہی کے اعتبار سے ہے۔

ہماری رائے کی صحت پر یہ امر دلالت کرتا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ کسی کو خلیفہ مقرر کر دیں تو انہوں نے فرمایا اگر حضرت ابوعبیدہؓ زندہ ہوتے تو میں انہیں خلیفہ مقرر کر دیتا اور اگر حضرت سالم مولیٰ خذیفہؓ حیات ہوتے تو انہیں خلیفہ مقرر کر دیتا۔ حالانکہ حضرت سالم مولیٰ خذیفہؓ قریشی نہ تھے۔ بلکہ عربی النسب بھی نہ تھے وہ عہد طفلی میں اہل طبرستان سے لائے گئے تھے اور ایک انصاری خاتون نے جو ان کی مالک تھیں انہیں آزاد کیا تھا۔ اور وہ سالم، ابوعذیفہ کے مولیٰ بن گئے تھے۔ عہد نبوی میں مسلمان امور دینی میں حضرت سالم کی سبقت کے قابل تھے۔ مدینہ شریف میں نبی اکرمؐ کی ہجرت سے قبل جلد ہاجرین بشمول حضرت عمرؓ، امینہؓ کے

فریق ہی انجام دیتے تھے۔ حضرت سالمؓ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں پیامبرؐ کی جنگ ارتداد میں شہید ہوئے۔

یہ بات کوئی وزن نہیں رکھتی کہ قریش کا مولے ہونے کی وجہ سے حضرت سالمؓ قریشی تھے۔ لہذا اگر وہ حیات ہوتے اور حضرت عمرؓ انہیں اپنا جانشین مقرر کر دیتے تب بھی خلافت قریش سے باہر نہ جاتی۔ یہ باتیں صحیح نہیں ہیں، یہ معلوم ہے کہ مولیٰ کے مابین خواہ کتنے ہی تعلق کیوں نہ ہوں مولیٰ کا رتبہ اتنا بلند کبھی نہیں ہوتا تھا وہ ان آزاد افراد کے طبقہ میں سمجھا جانے لگے جس نے اسے اپنا مولیٰ بنا لیا ہو۔ اور پھر اہل عرب کو تو حضرت سالمؓ کا نسب بھی معلوم نہ تھا۔ حتیٰ کہ جب خدا نے یہ حکم دیا کہ مولیٰ کو ان کے آباء کی طرف منسوب کر دو اس وقت زید کو ان کے باپ حارث کی طرف منسوب کر کے زید بن حارث کہنے لگے تھے کیونکہ اسلام نے سلسلہ متبنی ختم کر دیا تھا۔ چنانچہ حضرت سالمؓ متبنی ابی حذیفہؓ تو کہلائے، پھر چونکہ ان کے والد کا کسی کو علم نہ تھا لہذا لوگ سالمؓ کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ حضرت سالمؓ صالحین میں سے ہیں۔ پھر حال حضرت عمرؓ ایک ایسے شخص کو خلیفۃ المسلمین بنانا چاہتے تھے جو قریش میں سے نہ تھا بلکہ اہل عرب سے اگر کوئی تعلق تھا تو محض ولایت کے اس کے باوجود حضرت عمرؓ کو اس میں کوئی حرج نہ معلوم ہوا۔ حق یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی یہ رائے عین اصول اسلام کے موافق تھی۔ کیونکہ اسلام کسی کو نسب



پیدائش کی وجہ سے کسی پر فضیلت نہیں دیتا۔ بلکہ اسلام تقویٰ۔ راہ دین میں مدت و جان فردشی کے اعتبار سے لوگوں کو ایک دوسرے پر فضیلت دیتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت سالم بن متقی بھی تھے دین کی خدمت کرنے والے اور راہ خدا میں جان کی بازی لگا دینے والے بھی۔

بہر حال یہ قریشی استقرائیت اچانک نمودار ہو گئی اور لوگوں کو اس کا سان گمان بھی نہ تھا۔ پھر یہ کہ اس استقرائیت کو سمجھنے میں غلطی کی گئی۔ حضرت ابو بکرؓ یہ چاہتے تھے کہ امامت اس وقت تک ہمارے ہاں رہے جب تک کہ وہ اپنے اندر اس بارگراں کے متحمل ہونے کی پوری صلاحیت و قوت رکھیں۔ لیکن قریش نے اسے بدل کر اپنی خاندانی عصیت اور منفعت اندوزی کا وسیلہ بنالیا اور اس طرح اس چیز نے اسلام کے ایک عظیم بنیادی اصول مساوات بین المسلمین کو توڑ دیا۔

جونہی قریش نے یہ قدم اٹھایا اگلا قدم خود بخود اٹھ گیا۔ جس نے مسلمانوں کی دزدگی پر نہایت دُور رس اثر ڈالا۔ وہ قدم یہ تھا کہ عربوں کو ان تمام لوگوں پر فضیلت حاصل ہو گئی جو اگرچہ مسلمان ہو گئے تھے مگر سرخا عربی النساب نہ تھے۔ یہ بات سب پر عیاں ہے کہ قریش نے خلافت کے بارے میں جس اجارہ داری کا دعوے کیا تھا اس نے مسلمانوں کو بے پناہ مصائب اور لاتناہی فتنوں میں مبتلا کر دیا۔ حکومت و اقتدار نیز فضیلت و برتری کے بارے میں عربوں کی اس اجارہ داری کا

نتیجہ ہے کہ موالی بنو عباس کی مدد کی وجہ سے زمانہ حکومت بنو امیہ کے ہاتھوں  
سے نکل کر بنو عباس کے ہاتھوں میں چلا گیا۔

القرض صدر اول کے پہلائی نظام حکومت میں دو نمایاں عناصر  
پہلی شکل کار فرما تھے، ایک معنوی جن کا تعلق اس دین سے تھا جو عدل

و معروف کا حکم دیتا تھا اور حاکم و رعایا دونوں پر عدل و خیر کو بطور فرض عائد کرتا  
تھا۔ دوسری چیز یہ مخصوص قسم کی استقرائیت تھی جس کی بنیاد حسن کارکردگی  
تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ میں حیاں فردی اور رسول خدا کے ساتھ تعلق پر  
تھی اور جسے قریش نے اس کی صحیح راہ سے موڑ دیا تھا۔ یہ بات بخوبی ظاہر ہے کہ  
ان دونوں عنصروں کی حیثیت ایسی نہ تھی کہ وہ امتداد زمانہ انقلاب حالات اور تواریخ  
عادات کے ساتھ بہ سلامت نبرد آزما ہو سکتے۔ پہلا عنصر یعنی زندہ قوی اور جہاد  
دینی ضمیر وہ چیز تھی جو ان اصحاب کو حاصل تھی مگر یہ طے شدہ اور حتمی امر نہ تھا  
ان کے بیٹے بھی اسی ضمیر کے وارث ہوں گے۔ کیونکہ جن لوگوں کے رسول خدا  
سے قریبی تعلقات تھے اور جنہوں نے آپ سے علم و ادب حاصل کیا تھا وہ آپ  
پر فخر کرتے کہ آپ کی سیرت سے اثر قبول کرتے اور اسے اپنے ہر عمل و قول  
اور فکر میں بطور نمونہ پیش نظر رکھتے۔ لیکن ان کے بعد آنے والی نسلیں جو آپ  
بیٹوں اور پوتوں پر مشتمل تھیں ان میں امکانات ہیں کہ بعض اپنے آباؤ سے  
قبول کریں بعض نہ کریں کیونکہ رسول خدا کے ساتھ ان کا تعلق یا تو قلیل

مذمت کے لئے رہا یا بالکل ہی نہ رہا۔ لہذا اگر ان کے ضمیر اس بیداری قوت اور زندگی سے محروم ہے جو نبی اکرم کے خواص اور پاک تہاد اصحاب مقربین کو حاصل تھیں تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ ایک اور بات جو ہماری نظروں کے پوشیدہ نہیں رہنی چاہیے یہ ہے کہ امور حکومت صرف اس وقت تک استوار رہتے ہیں جب تک کہ حاکم و محکوم کے مابین ان اصولوں کے بارے میں جن پر حکومت کی بنیاد رکھی گئی ہو تعاون و اعتماد بحال رہے۔ لہذا صرف حاکم کی بیداری ضمیر عدل گستری، نیکی اور خیر پر کاربند ہونا، خدا کی خوشنودی چاہنا اور سیاسی مشکلات پر تباہی پالینا ہی اس کی کامیابی کے لئے ضمانت نہیں ہیں یہ بھی لازم ہے کہ عوام کے ضمیر بیدار ہوں، ان کے دل بھی عدل و ایثار کی محبت سے سرشار ہوں، اور وہ بھی خوشنودی مولیٰ کے خواہاں ہوں۔

جدید نظام حکومت کو سب سے پہلے جس شکل کا سامنا کرنا پڑا وہ یہی شکل تھی۔ کیونکہ تمام عرب اصحاب رسولؐ نہ تھے۔ نہ ہی ان کی اکثریت صحابہ کرام تھے جنہیں حضورؐ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا ہو، حقیقت یہ ہے عربوں میں اصحاب رسولؐ کی حیثیت وہی تھی جو سفیدیل کے جسم پر سیاہ بال کی یا سیاہ بی کے جسم پر سفید بال کی ہوتی ہے۔ اہل عرب کا اس نئے دین پر ایمان طبقہ صحابہ کے ایمان کے ساتھ کوئی مطابقت یا نسبت نہیں رکھتا تھا۔ کیونکہ عربوں میں کچھ ایسے بھی تھے جو بطریق حسن ایمان لائے تھے اور کچھ وہ بھی تھے جو مسلمان تو ہو گئے تھے مگر ایمان



نہ لائے تھے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں آتا ہے۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ

خَوَّلُوا - أَسْلَمْنَا وَ لَمَّا يَدْخُلُ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ

وَ إِن تَطِيعُوا اللَّهَ وَ رَسُولَهُ لَوْ يَسِّرْكُمْ مِنْ

أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (۱۱۰)

عرب کے دیہاتی باشندے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ کہہ دیجئے کہ تم

ایمان نہیں لائے۔ تمہیں یہ کہنا چاہیئے کہ ہم جھک گئے کیونکہ ابھی ایمان

تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا اور اگر تم اللہ اور رسول کی فرمانبرداری

کرد تو وہ تمہارے اعمال میں کچھ کمی نہ کرے گا۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا

اور مہربان ہے۔

بلکہ بعض عرب تو ایسے بھی تھے کہ گو کلمہ اسلام ان کی زبان پر تھا لیکن قلب

کے اعتبار سے وہ اپنی جاہلیت کاملہ پر قائم تھے۔ خدا انہی میں سے بعض کے

میں کہتا ہے۔

الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَ عِنَاقًا وَ أَحْبَدًا

أَنْ لَّو يَعْلَمُوا حُدُودَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْهِ

عرب کے دیہاتی باشندے کفر و نفاق میں سب سے بڑھ کر متشدد ہیں۔ اور

سب سے زیادہ انہی سے اس امر کی توقع ہے کہ وہ اللہ کے نازل کردہ

حدود و ضوابط کو نہ جانیں۔.....

## دوسری شکل

چنانچہ حاکم و محکوم کے مابین کوئی توازن موجود نہ تھا۔ ہی طرح رعیت کی بہت بڑی اکثریت اور خلیفہ کے مابین صح تعاون کا فرمانہ تھا بلکہ یہ تعاون اور توازن صرف خلیفہ اور صحابہ کرام کے اس ممتاز طبقہ کے مابین تھا۔ اسی تعاون و توازن کی بدولت حضرت ابو بکرؓ نے عربوں کے فتنہ ارتداد کو فرو کیا اور انہیں از سر نو دائرہ اسلام میں واپس لائے اور ازاں بعد ان کا رخ فتوحات کی طرف پھیر دیا۔ دوسری بات جسے ہم نظر انداز نہیں کرنا چاہیے اور جس سے آگاہ ہو کر ان بزرگوں کو جو ان کے بارے میں انتہائی حسن ظن و مبالغہ سے کام لیتے ہیں یہ سچ پانہیں ہونا چاہیے۔ یہی کہ یہ زندہ و بیدار دینی منیر بھی بعض اوقات آزمائش سے دوچار ہو جاتی ہے اور بہت سے حوادث و آفات کی شکار بن جاتی ہے اکثر یہ ہوتا ہے کہ ان اپنے نفس اور دل و منیر کو بڑے اخلاص کے ساتھ سچائی خیر مدد اور احسان کے لئے وقف کر دیتا ہے۔ پھر بعض پرستش امور کے پیش آ جاتے ہیں اور اس طرح حد سے زیادہ مسلسل اصرار کے ساتھ وہ اس کا پیچھا لے لیتے ہیں کہ بالآخر وہ تاویل کا سہارا لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ پھر وہ ایک تاویل سے دوسری تاویل ایک توجیہ سے دوسری توجیہ، اور ایک لپیٹ سے دوسری لپیٹ میں اس طرح منتقل ہوتا رہتا ہے کہ ایک دن وہ دیکھتا ہے کہ اس کی موجودہ حالت اور روزنادل کے اخلاص کے درمیان بہت بڑا فاصلہ حاصل ہو گیا

ہے۔ اسی سبب سے قرآن مجید، نبی اکرمؐ، خلفاء راشدین۔ اور صالحین عظام نے بتا کید و اصرار لوگوں کو دنیا اور دنیوی متاعِ غرور سے دُرایا ہے، اور اسبابِ فتنہ و آزمائش سے خبردار کیا ہے وہ برائیاں بیان کی ہیں جو نیکیوں کو برباد کرتی ہیں اور بعض نیتوں اور اعمال کی نشاندہی کی گئی ہے جو نیکیوں کو اس طرح کھا جلتے ہیں جس طرح ایندھن کو آگ، لہذا اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ بہت سے صالحین اور خود صحابہ کرامؓ کو وسائلِ فتنہ اور متاعِ غرور کا سامنا کرنا پڑا اور ان پر کچھ ایسے احوال و حادثات آن پڑے جو ان کے پہلے زمانہ سے جبکہ اسلام تر و تازہ تھا اور صبحِ شام انہیں حضورؐ کی صحبت میسر ہوتی تھی بہت زیادہ بدل چکا تھا، اس پہلے زمانہ کا تو یہ عالم تھا کہ اللہ کے ذکر سے ان کے دل کا تپ اٹھتے تھے، اور جب ان پر آیات اللہ کی تلاوت ہوتی تھی تو ان کا ایمان بڑھ جاتا تھا اور وہ اپنے رب پر توکل رکھتے تھے۔

ہمیں نظر آئے گا کہ یہاں فتنے، آزمائشیں بکثرت ہیں اور متاعِ غرور کی تمام ممالک کرنے والے اسبابِ پرکشش اور طاقتور ہیں، اور صرف اولو العزم حضرات تو جسم کران کا مقابلہ کر سکتے ہیں، اور یہ حقیقت ہے کہ ہمیشہ اور ہر جگہ اولو العزم حضرات کی قلت رہی ہے مین مبالغہ و تکلف سے کام نہیں لینا چاہتا نہ کسی کا دل دکھانا چاہتا ہوں، نہ کسی کو ناراض کرنے کا خواہاں لیکن بایں ہمہ جب میں دیکھتا ہوں کہ بہت سے وہ صحابہ کرامؓ جنہوں نے ماہِ اسلام میں بے شمار قربانیاں دیں اور نمایاں کام



انجام دیئے جن کی وجہ سے نبی اکرمؐ نے خوش ہو کر انہیں جنت کی خوش خبری  
یا نجات دی۔ جب امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ انہیں نئے حالات و حادثات  
کا سامنا کرنا پڑا۔ نیز وسیع انطاق کی حکومت اور بے حساب دولت کے ذریعہ  
انہیں آزمائش کی بھٹی میں تاد دیا گیا تو ان کے باہمی تعلقات بگڑ گئے وہ ایک  
دوسرے کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ ایک دوسرے کو قتل کیا۔ اور انسانی حد تک  
جس قدر ممکن تھا ایک دوسرے سے بدظن ہو گئے۔ اندریں حالات ان لوگوں کے  
متعلق ہمارا موقف کیا ہونا چاہیئے؟ ہم ان کے ہر فعل سے ہم نوا نہیں ہو سکتے۔  
کیونکہ اس طرح ہم صرف اپنی عقل کا ہی گلا نہیں کھولیں گے بلکہ ہم ان اسلامی  
بنیادی اصولوں کو بھی ختم کر دیں گے جو عدل و احسان کا حکم دیتے ہیں اور منکر و  
نکستار بنی سے روکتے ہیں ہم ان میں سے کسی کے بارے میں اپنے خیال کے مطابق  
یہ فیصلہ بھی نہیں کر سکتے کہ اس نے غلطی کی ادلتا تو اس لئے کہ انہیں رسول اکرمؐ  
سے قریبی تعلق تھا دوم اس لئے کہ نبی اکرمؐ نے انہیں جنت اور رضائے الہی  
کی بشارت دی تھی۔ علاوہ ازیں یہ کہ وہ لوگ خدا و رسول کے  
ہمارا طرز عمل | حق میں نیک گمان رکھتے تھے انہیں خدا و رسول کے  
دعوں پر اعتماد تھا اور اس جنت پر بھی یقین تھا جس کی انہیں بشارت دی گئی تھی۔  
ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ ان کے بارے میں وہ ردیہ اختیار کریں جو ان کے ہمعصر  
حاکمیوں یا دشمنوں نے اختیار کیا تھا۔ اور اس طرح ان میں سے بعض کے حق

میں خیر اور بعض کے خلاف شرکاً حکم لگا دیں۔ کیونکہ ان کے ہم عصر حمایتی اور دشمن  
 پیش آمدہ فتنہ میں ان کے ساتھی اور شریک کار تھے لہذا وہ حسب تعلقات  
 کسی سے راضی تھے اور کسی سے ناراض۔ لیکن ہم نہ تو ان کے ہم عصر ہیں اور نہ  
 ان کے باہمی اختلافات میں ان کے شریک کار، ہمارے لئے یہ بھی عقلمندی  
 نہیں کہ ہم ان کے معاملہ میں جذبات کے ہاتھوں بے اختیار ہو جائیں۔ ہمارے  
 لئے صحیح راستہ یہ ہے کہ ان کے اعمال و اقوال کا اس اعتبار سے جائزہ لیں کہ  
 ان کا عوامی زندگی اور واقعات تاریخ کے ساتھ کیا تعلق تھا اور صرف اسی نقطہ نظر  
 سے ہم ان کے غلط یا صحیح ہونے کا فیصلہ کریں، ہمیں ان کے دینی معاملہ میں  
 کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ دین کا معاملہ خدا سے تعلق رکھتا ہے، ہمارے  
 لئے یہ بھی جائز نہیں کہ ان کے ہم عصر حامیوں اور مخالفوں کی طرح ان میں سے  
 بعض کو مومن اور بعض کو کافر اور بعض کو بین کہیں یا بعض کو جنتی اور بعض کو  
 جہنمی بتائیں ہمارا یہ منصب نہیں کہ ان امور میں مداخلت کریں یہ معاملہ تو صرف  
 خدا سے وعدہ لا شرک سے متعلق ہے ہم تو بس اتنا ہی کر سکتے ہیں کہ ان کے  
 اعمال و اقوال اور سیرت میں یہ دیکھیں کہ کونسی چیزیں حق و عدل اور صواب سے  
 مطابقت رکھتی ہیں اور کون سی اس کے خلاف تھیں، اور یہ بھی بجائے خود بہت  
 بڑی بات ہے۔ لیکن جس سے مفرنا ممکن ہو اسے لاچار کرنا ہی پڑتا ہے۔  
 الغرض جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا اسلام کے اس صدر اول کے دو

ناصری سے ایک عنصر جو زندہ و بیدار دینی منیر تھا خود اسے ان غلطیوں اور غزٹوں سے دوچار ہونا پڑا۔ بالفرض اگر جملہ صحابہ رسولؐ ان خطاؤں سے محفوظ و مصون رہتے اور فتنہ و فساد سے دوچار نہ ہوتے، ان کے معاملات اس پنج پر چلتے رہتے اس عصمت اور امن کے لئے موزوں تھے تو بھی لا بدی تھا کہ ان کے بیٹوں اور بھائیوں کو مختلف قسم کے فتنہ بوسا اور آزمائش و امتحان کا سامنا کرنا پڑتا۔

لہذا اس عہد میں مسلمانوں کے لئے ناگزیر تھا کہ حتی الامکان وہ اپنے معاملات کو صرف احتساب منیر کے سپرد نہ کرتے یا معاملہ کو خلیفہ اور حاکم کے درمیان سمجھ کر نہ چھوڑ دیتے، ان کے لئے ناگزیر تھا کہ حتی الامکان وہ ایک ایسا متین نظام و دستور قانون وضع کر لیتے جو اختیارات حکومت کو اجمالاً و تفصیلاً بیان کرتا۔ جو خلفاء کو بالوں نہایت آگاہ کرتا کہ ان پر کیا کچھ کرنا لازم ہے اور کیا کچھ نہ کرنا اور ان کے لئے کس ضمن میں نرم روی اختیار کرنا ضروری تھا۔ مزید برآں اس دستور قانون کا فرض تھا کہ عوام کو بالتفصیل ان کے حقوق و ذرائع سے آشنا کرتا اور وہ طریقے بتاتا کہ کس طرح خلیفہ کا انتخاب ہو اور پھر بعد انتخاب کیونکر اس پر کڑی نگاہ رکھی جائے اور اگر بے راہ رہو تو اسے کس طرح سزا دی جائے۔ بہر حال مسلمانوں کو اس وقت شدید ضرورت تھی کہ وہ قرآن و سنت کی روشنی میں ایسا متین دستور مرتب کر لیں جو حدود و معاملات کو واضح کر دیتا اور جس کی مدد سے وہ افتراق و انتشار سے محفوظ رہ سکتے۔ اگر وہ اس قسم کا کوئی قانون



بنا چکے ہوتے تو اس فتنہ و فساد سے منصوبہ رہتے جس سے انھیں عہد حضرت  
 عثمانؓ میں دو چار ہونا پڑا۔ مثال کے طور پر یہ ایک معاملہ لیجئے۔ جس کا لوگ  
 کوئی قطعی فیصلہ نہ کر سکے وہ اس بارے میں حیران و پریشان تھے۔ کوئی راضی  
 تھا کوئی ناراض اور وہ یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ پر یہ اعتراض کیا گیا کہ وہ بیت المال  
 کا روپیہ اپنے اقربا پر خرچ کرتے ہیں تو انھوں نے جواب دیا حضرت عمرؓ خوشنودی  
 خدا کے خیال سے اپنے اعزہ کو محروم رکھتے تھے اور میں خوشنودی خدا کی خاطر  
 اپنے اعزہ کو دیتا ہوں اور پھر حضرت عمرؓ خلیفہ ہم میں سے بھی کون؟ "گویا جب حضرت  
 عمرؓ اپنے اقربا کو اموال مسلمان سے محروم رکھتے تھے تو وہ کار خیر کر رہے تھے اور  
 جب حضرت عثمانؓ اموال مسلمان کو صلہ رحمی میں خرچ کر رہے تھے تو وہ بھی کار خیر  
 کر رہے تھے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے صلہ رحمی کا حکم دیا ہے۔ یہ توجیہ ان اصحاب  
 کے نزدیک تو صحیح ہو سکتی ہے جو فقہی مسائل کی تاویل کرنا چاہتے ہیں لیکن  
 عوام الناس کی مصالحتیں اس تاویل کی متحمل نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ عوام کے  
 مال کی دشمنیاں ہو سکتی ہیں یا تو وہ قوم کی ملکیت ہے لہذا امام کے لئے جائز  
 نہیں کہ وہ عوام کی اجازت کے بغیر ان میں تصرف کرے۔ دوسری شکل یہ ہے  
 کہ وہ امام کی ملکیت ہو اسی صورت میں عوام کے لئے جائز نہیں کہ جب خلیفہ  
 اس میں تصرف کرے تو آڑھے آئین اور اعتراضات کریں۔ بہر حال یہ بات  
 صحیح نہیں کہ ایک امام تو ان اموال کو عامۃ المسلمین کے لئے محفوظ رکھ کر قرب

خداوندی کا امیدوار ہو اور دوسرا اسی مال کے ذریعہ صلہ رحمی کرنے کے قرب الہی کا طالب ہو۔ ظاہر ہے کہ ہم اس بارے میں حضرت عمرؓ کا ساتھ دیں گے، کیونکہ ان کی روشن ہی حق و انصاف کے مطابق اور ائمہ کی شان احتیاط و عفت کے لائق ہے۔ مزید برآں عوام کے حقوق و معاملات کے سمجھنے کا یہی وہ طریقہ ہے جسے ہم آج بھی مناسب سمجھتے ہیں۔ ایک مثال اور بھی ہے جو مؤرخین نے بیان کی ہے ہم نہیں جانتے کہ اس مثال پر اپنی خوشنودی کا اظہار کریں یا حیرانگی کا؟ اور وہ یہ کہ جب حضرت عثمانؓ کا محاصرہ شدید ہو گیا تو انھوں نے اپنے مخالفین سے کہا تھا: "اگر تمہیں قرآن مجید سے سند ملتی ہے کہ میرے پاؤں میں بٹری ڈال دو تو پھر تم ضرور ایسا کرو" کیا انھوں نے مخالفین کو خوش کرنے کے لئے یہ بات کہی تھی۔ اور اپنے حق میں قرآن کے خدائی فیصلہ کو تسلیم کیا تھا؟ اگر یہ صورت ہے تو پھر وہ حکم کہاں ہے جو مسلمانوں کو یہ اجازت دے کہ امام کو پابہ زنجیر کریں؟ یا پھر حضرت عثمانؓ نے یہ بات بطور چیلنج کہی تھی؟ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ قرآن میں کوئی صریح آیت نہیں جو مسلمانوں کو یہ اجازت دے کہ اگر وہ امام کو غلطی پر دیکھیں یا شاہراہ سے عدا منخرت پائیں تو اس کے پاؤں میں بٹری ڈال دیں۔ کیونکہ قرآن ان اور کوئی تعرض نہیں کرتا؟ گویا حضرت عثمانؓ جانتے تھے کہ مخالفین ان کے خلاف

لے قرآن میں ان تمام امور کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ (طلوع اسلام)

از روئے قرآن کوئی کار ردائی نہیں کر سکتے لہذا وہ جو کچھ کرتے تھے اس کا انھیں  
 حق حاصل تھا اور انھوں نے کوئی گناہ یا جرم نہیں کیا، اگر مسلمانوں کے پاس  
 کوئی مرتب تحریری قانون ہوتا تو عہد عثمانؓ کے مسلمانوں کو علم ہوتا کہ از روئے  
 قانون ان کی کیا ذمہ داریاں اور فرائض ہیں۔ اور بغیر اختلاف و تفرقہ کے  
 انھیں معلوم ہو جاتا کہ وہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ اس وقت مسلمانوں کو ایک  
 تحریری نظام کی کس قدر ضرورت تھی اس کی واضح ترمثال اس روایت سے  
 ظاہر ہوتی ہے کہ جب حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے حضرت علیؓ سے اس  
 شرط پر بیعت کرنا چاہی کہ وہ قرآن سنت اور سیرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی پابندی  
 کریں گے اور ادھر ادھر نہ ہوں گے تو حضرت علیؓ نے یہ عہد دینے سے انکار  
 کر دیا۔ اور کہا کہ میں یہ عہد نہیں دے سکتا بلکہ جہاں تک ممکن ہو گا میں اپنی  
 عقل کی مدد سے اجتہاد کروں گا، ان کا مطلب یہ تھا کہ وہ اپنے اوپر ایسی  
 پابندی کیوں عائد کر لیں جس سے عہدہ براہونے کی کوئی صورت ہی نہ ہو۔  
 وہ یوں کہ قرآن مجید تو مدین و مرتب اور لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھا۔  
 لیکن اس میں انتظام حکومت اور روزمرہ کے سیاسی واقعات کے بارے  
 میں تفصیلات موجود نہ تھیں۔ سنت نبویؐ مجموعی طور پر معروف و معلوم  
 تھی لیکن ان میں بعض احادیث ایسی تھیں جن کا علم موجود لوگوں کو نہ تھا  
 غیر حاضر لوگ انھیں جانتے تھے، اس کا ایک حصہ ان صحابہ کرامؓ کے ساتھ ہی



چلا گیا تھا جو قتلہ ارتداد و معرکہ ہائے فتوحات میں کام آئے۔ یہی حال حضرات  
 ابوبکر و عمرؓ کی سیرت کا تھا۔ اس کا کچھ حصہ سب کو معلوم تھا کچھ حصہ زینب طاق نسیا  
 ہو چکا تھا۔ لہذا حضرت علیؓ کو پورا پورا حق پہنچتا تھا کہ وہ بدلے ہوئے حالات کے  
 پیش نظر اور رعیت کی بہتری اور مسلمانوں کی بیہودی کے خیال سے بوقت ضرورت  
 حضرات ابوبکر و عمرؓ کے طرز عمل سے اختلاف کرتے۔ لیکن ان سے پہلے جب حضرت  
 عبدالرحمن بن عوفؓ نے یہی شرائط حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش کیں تو انہوں نے  
 کہا "ہاں مجھے یہ منظور ہے جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ قرآن سنت نبوی اور سیرت  
 ابوبکر و عمرؓ کے نفاذ کی پوری پوری کوشش کریں گے اور یہ ٹھیک ہے کہ حضرت  
 عثمانؓ نے کتاب و سنت اور سیرت ابوبکر و عمرؓ کے مطابق عمل پیرا ہونے کی  
 مخلص خاطر کوشش کی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت علیؓ کی رائے صائب  
 تھی مگر حضرت عثمانؓ بھی حقیقت سے دور نہ ہوئے تھے۔ لیکن غور طلب امور  
 وہ احوال ہیں جو حضرت عثمانؓ کی حکومت کے چند سال بعد ہی رونما ہو گئے۔  
 مثال کے طور پر حضرت عثمانؓ نے اموال مسلمین کے بارے میں جو روش اختیار  
 کی تھی وہ حضرت عمرؓ کے طرز عمل سے مختلف تھی جن لوگوں نے سیرت فاروقؓ  
 کے التزام کا عہد لے کر بیعت کی تھی انہوں نے دیکھا کہ حضرت عثمانؓ مختلف  
 روش پر گامزن ہیں اور انہوں نے اپنا کیا ہوا عہد پوری طرح وفا نہیں کیا۔  
 حضرت عثمانؓ اپنی جگہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ کسی قسم کا انحراف نہیں کر رہے۔ کیونکہ

سیرت حضرت فاروقؓ کی روح اور اس کا بنیادی عنصر تقرب الی اللہ اور خوشنودی  
 خدا تھا۔ اور وہ حضرت عثمانؓ بھی جو صلہ رحمی کر رہے ہیں اس سے مقصود تقرب  
 الی اللہ اور خوشنودی مولیٰ ہی ہے۔ گویا حضرت عثمانؓ تقرب الہی کے اسی طرح  
 طالب تھے جن طرح حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ و عطاءؓ اختلاف و مسائل کو جرم نہیں سمجھتے تھے۔  
 اگر مسلمانوں کے پاس اس عہد میں کوئی مدون و مرتب نظام حکومت ہوتا جس  
 میں حجاب امور و حدود کی بخوبی وضاحت ہوتی تو حضرت علیؓ اس دستور کی پابندی  
 قبول کرنے سے انکار نہ کرتے۔ نہ حضرت عثمانؓ کو بیعت لینے کے بعد تو جہت تالی  
 کی ضرورت پڑتی۔ نہ قوم دو حصوں میں تقسیم ہوتی۔ ایک تو وہ سخت گیر اور سخت اط  
 فرقی جو حضرت عثمانؓ کو سلامت کرتا تھا۔ دوسرا وہ فرقی جو ہر معاملہ کی تاویل کے  
 وجہ جواز پیدا کر لیتا تھا۔

ہاں! آپ کو یہ نہ بھولنا چاہیے کہ حضرت عمرؓ ۲۳ء میں شہید ہو گئے یعنی  
 ابھی ہجرت اور حکومت کی بنیاد پڑے ہوئے چوتھائی صدی بھی نہ گزری تھی پھر یہ  
 مختصری مدت بھی ایسی پرسکون و اطمینان بخش نہ گزری کہ جس میں تمام معاملات

اس قسم کا تفصیلی ترتیب و مدون دستور تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہی نہیں  
 تھا جسے خود مصنف مثالی دور قرار دیتے ہیں۔ انہیں معلوم تھا کہ قرآن کی متین کردہ حدود کے اندر  
 رہتے ہوئے اپنے زمانے کے مطابق نظم و نسق مملکت کو کس طرح سہرا انجام دینا چاہیے۔

طلوع اسلام

ایک حال پر جاری رہے ہوں اور قراغت نصیب رہی ہو۔ ان میں سے ابتدائی دس برس تو اہل عرب کو اسلام کی دعوت دینے میں گزر گئے۔ پھر سال ڈیڑھ سال کا عرصہ عرب کے مرتد قبائل کو واپس اسلام کی طرف لانے میں صرف ہو گیا۔ بقیہ مدت عرب کو اسلام پھیلانے کے لئے اقطار عالم کی طرف بھیجتے رہنے میں خرچ ہو گئی۔ فارس میں جنگیں ہوئیں، رومیوں کو شام و مصر سے نکالا گیا۔ شہر آباد کئے گئے، شکر و کو منظم و مرتب کیا گیا، جنگ و امن میں سیاست کے اولین دستور وضع کئے گئے، اندرون عرب اور بیرون عرب میں اسلامی حکومت کے بند و بست اور انتظام کے طریقے مرتب کئے گئے لہذا یہ کہنا بیجا بر عدل و انصاف نہ ہو گا کہ اس دور میں مسلمانوں نے کوتاہی کی یا پیچھے رہے یا جو کچھ وہ کر سکتے تھے اسے کئے بغیر چھوڑ گئے۔

مزید برآں یہ بھی مد نظر رکھنا چاہیے کہ حضرات ابوبکر و عمر و اس و بیہانی عربی ماحول میں جسے حکومت کی تنظیم اور انتظامی امور سے کبھی سابقہ نہ پڑا تھا۔ ہر پیش آنے والے سیاسی و انتظامی معاملے میں جدت پسندی سے کام لیتے اور نیا راستہ نکالتے تھے، اور پھر اسی مدبر معاملہ ختم نہ کرتے تھے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر وہ ایک ایسی قوم کو نظام میں چلا رہے تھے جو نظام میں چلنے کی عادی نہ تھی، وہ ایک ایسی قوم کو تہذیب و تمدن سکھا رہے تھے جو پہلے ان سے واقف نہ تھی۔ اگر یہ ساری چیزیں پیش نظر رہیں تو آپ کو



معلوم ہو جائے گا کہ حضرات ابو بکرؓ و عمرؓ کے بارے میں یہ کہنا کتنی زیادتی ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کے لئے نظام سیاست مرتب کرنے کے فریضہ کو تباہی کی حضرت عمرؓ تو اس ضمن میں انتہائی ممکن حد تک اجتہاد سے کام لے تھے۔ جو نہی انھیں کسی تہذیب یا قوم کے کسی دستور کا علم ہوتا وہ اس کے بارے میں انتہائی غور و فکر سے کام لیتے اور اس کا ایسا پتہ حاصل کرتے جو اسلام اور عربی مزاج نیز اس نئی حکومت کے موافق ہوتا جو اس قدر تیز سے نشو و نما پا رہی تھی کہ مفکرین کافکرا اور مدیرین کا تدبیر اس کا ساتھ نہ دے سکتا تھا۔

رہا اس نظام سیاسی کا دوسرا عنصر تو وہ صحابہ کرامؓ کی ممتاز استقامت تھی جسے طبعاً زوال پذیر ہو جانا تھا۔ کیونکہ مرد زمانہ کے ساتھ ساتھ اس کی عمر ختم ہونے والی تھی۔ اور ازاں بعد نئی نسل منقسمہ شہود پر آنے والی تھی۔ وہ امتیازی مقام حاصل نہ تھا جو اس جماعت صحابہ کو حاصل تھا۔ لہذا یہ طبعی تھا کہ ان آئینہ والی نسلوں کے لئے ایسا دستور وضع کر دیا جاتا جو انھیں بتاتا تھا کہ انتخاب خلیفہ کس طرح ہوا اور کن اصول و ضوابط کے تحت وہ خلفاء کی نگرانی کا سبب اور بوقت ضرورت ان کے خلافت تعزیری کارروائی عمل میں لائیں۔ اگر کوئی ایسا دستور مرتب کیا جا چکا ہوتا تو شہادت عثمانؓ کے بعد تاریخ مسلمانوں کا جو رنگ دیکھا وہ نہ ہوتا۔ نہ مسلمانوں میں سنت نبویؐ اور سنت

شیخین کی اندھا دھند حمایت و حفاظت کرنے والا فرقہ خوارج ظہور پذیر ہوتا  
 نہ وہ فرقہ پیدا ہوتا جو اس خیال کا زبردست حامی تھا کہ امامت آل بیت نبی میں  
 رہنی چاہیے۔ نہ وہ گروہ ظہور میں آتا جس نے خلافت کو ملکیت اور تبصریت و کثرت  
 میں تبدیل کر دینا چاہا اور نہ وہ جماعت سامنے آتی جو بغیر کسی معین نظام و ضابطہ  
 کے یہ چاہتی تھی کہ نظام حکومت مسلمانوں کے باہمی مشورہ سے عمل میں آئے لیکن  
 ہم عنصر اول کے تجزیہ کے بعد جس نتیجہ پر پہنچے تھے، ہی کچھ منظر ثانی کے بارے  
 میں بھی کہنا چاہتے ہیں۔ ہوا یہ کہ حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ اور ان کے اصحاب کو  
 نہ موقع ملا نہ فراغت کی گھڑیاں میسر آئیں، نہ ان کے زمانہ تک وسائل تمدن  
 و تہذیب اور دیگر سبب ترقی اس قابل ہوئے تھے کہ ایک مکمل نظام مرتب  
 کرنے پر قادر ہوتے۔ ہاں یہ راہ اُن افراد پر کھلی تھی جو اُن کے بعد آئے جنہیں  
 ہولمت آرام اور فراغت نصیب تھی مگر اس کے باوجود انہوں نے انصراہم  
 حکومت کے لئے دستور وضع نہ کیا اور نہ کوئی ایسا ضابطہ بنایا جو سیاسی و  
 اجتماعی عدل کے معاملہ میں رعیت کی رہنمائی کرتا، اس طرح انہوں نے بھی اُن  
 معاملہ میں غفلت برتی۔ اور ذاتی حکومت ملکیت و استبداد کو ترجیح دی۔  
 بایں ہمہ یہ لوگ بھی تصور دار نہیں ٹھہرائے جاسکتے، ہمیں یہ دیکھنا چاہیے  
 کہ دنیا دستور سادی سے کب آگاہ ہوئی ہے؟ ہمیں حقیقت ملحوظ رکھنا چاہیے کہ واضح  
 خطوط، ظاہر حدود اور معین شکل میں تحریری سیاسی نظام و دستور کا وجود ایک نئی

ایجاد ہے جس سے دنیا کا تقارن بہت ہی لمبے کے زمانوں میں ہوا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ قدیم یونانی مشہروں میں تحریری سیاسی دستور موجود تھا۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ اہل روم بھی مقرر و معین نظام سیاسی رکھتے تھے۔ لیکن یہ بھی میرے علم میں ہے کہ مشرق و مغرب کی ملکیت نے ان دساتیر کو مٹا کر لوگوں کی نگاہوں سے یکسر پوشیدہ کر دیا تھا حتیٰ کہ عالم انسانیت نے انہیں بڑی حد تک بھلا چکی تھی، اور اب یہ نیاز زمانہ اس ترقی اور انقلاب کے بعد اسے بتدریج کھوڑا کھوڑا ظاہر کر رہا ہے۔

ضروری ہے کہ ہم ذرا اس معاملہ پر بھی نگاہ ڈال لیں جس کی طرف میں نے ایشیا و گفتگو میں کسی مقام پر اشارہ کیا ہے۔ وہ یہ کہ حضرت عمرؓ ہر سال نگرانی حکام کی تنظیم اور حضرت عمرؓ جج کے موقع پر اپنے عمال (صوبائی گورنروں، علاقہ کے افسروں) اور ملکی باشندوں

سے ملاقات کیا کرتے تھے۔ عمال سے رعیت کے احوال دریافت کرتے اور رعیت سے عمال کے۔ حضرت عمرؓ نے یہ ایک مستقل دستور بنا رکھا تھا۔ چنانچہ وہ پہلے سال کو چھوڑ کر ہر سال پابندی کے ساتھ حج کی قیادت فرماتے۔ اگر حضرت عمرؓ کچھ عرصہ اور زندہ رہتے تو ان کی شدید ذکاوت و ذہانت، بخت بصیرت، عاقبت اندیشی اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے پیش نظر عین ممکن تھا



کہ ملک کے باشندوں اور عاملین پر مشتمل حاجیوں کا سالانہ اجتماع ترقی کر کے  
 کسی منظم محکمہ کی شکل اختیار کر لیتا جو اگر ایسا پارلیمانی نظام نہ ہوتا جسے قدما نے  
 بیان کیا تھا یا جس کو اہل عصر حاضر نے استنباط کیا ہے تو بہر حال اس سے  
 غریب اور مشابہ ضرور ہوتا۔ حضرت عمرؓ اس اجتماع حج ہی پر اکتفا نہ کرتے تھے  
 بلکہ مدینہ اور اس کے مضافات میں نیز حج کے موقع پر وہ امور عامہ کا کام اہل مکان  
 بذات خود سنبھالتے تھے، مزید بلانے کے علاقوں کی نگرانی وہ اپنے مقرر کردہ نقیبوں  
 اور کارندوں کے ذریعہ کرتے تھے۔ جنہیں وقتاً فوقتاً اعمال کے حالات سے آگاہ  
 حاصل کرنے کی خاطر بھیجتے رہتے تھے۔ پھر کچھ حالات ان معاملات اور مقدمات  
 سے بھی معلوم ہوتے تھے جو عوام یا اعمال کی طرف سے آپ کے سامنے پیش ہوتے  
 رہتے تھے۔ وہ اپنے آخری ایام میں صوبہ جات کے تفتیشی دوروں کے متعلق بھی  
 سوچ رہے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ اگر زندگی ہوئی تو ہر شہر میں دو دو  
 ماہ قیام کروں گا اور جب چشم خود دیکھوں گا کہ اعمال کیا کر رہے ہیں اور رعیت  
 ان کے اعمال سے خوش ہے یا نہیں لیکن موت نے جلدی کی اور انہیں اس ویرگم  
 پر عمل پیرا نہ ہونے دیا۔ اور جو نبی آپ اس دنیا سے رحلت فرما کر اپنے دور نقیبوں  
 سے جاملے مسلمانوں کی سیاست کا طریقہ ہی بدل گیا تو آنحضرت اور حضرات ابوبکرؓ  
 و عمرؓ کے طریقہ سے بالکل الگ تھا۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ حضرت عمرؓ کی  
 سیاسی حکمت عملی پر بحث کرتے ہوئے ہم ان کی اس سیاست پر بھی نظر ڈالیں

حضرت عمرؓ کی حکمت عملی کا دوسرا پہلو جس سے انھوں نے صحابہ کرام کے اس ممتاز طبقہ سے کام لیا تھا ذاتی اثر و رسوخ پر قدغن ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بتایا ہے

عمرؓ نے انھیں مدینہ میں روک رکھا تھا۔ اور انھیں اطراف ملک میں پھیلنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ کچھ اُن کے نقصان کا خوف تھا کچھ ان کی جانب سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ اور حق یہ ہے کہ ان کی حکمت عملی بجا اور درست تھی۔ کیوں نہ ہم حیرت کو ان کے صحیح ناموں سے پکاریں یا کیوں نہ ہم ان کا اپنی آج کی زبان میں ترجمہ اور کہیں کہ حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام کے اس طبقہ، ممتاز کو کچھ تو ان کی حفاظت خاطر اور کچھ مسلمانوں کی بہتری کے خیال سے مدینہ میں روک رکھا جسے ہم آج کی زبان میں اثر و رسوخ سے قائمہ اٹھانا کہتے ہیں۔ جب تک اس طبقہ کو حضرت عمرؓ نے پابند مدینہ رکھا نہ صرف مسلمانوں کے معاملات بلکہ خود اس کے حالات بھی درست رہے۔ مگر جب حضرت عثمانؓ خلیفہ بنے اور انھوں نے یہ پابندی ہٹالی تو فوراً ہی تمام ملک فتنہ و فساد کی لپیٹ میں آگیا۔ اس کا یہ نہیں کہ یہ طبقہ فساد کا خواہشمند تھا یا اس نے عمدہ فساد کرایا۔ بلکہ فساد کا یہ ہوا کہ ایک طرف تو اس طبقہ کے افراد کو دولت اور مددگار و حمایتی بکثرت آگئے دوسرے یہ کہ لوگ ان کی وجہ سے آزمائش میں پڑ گئے۔ چنانچہ اس طبقہ کے ہر بڑے رکن کے پاس بہت سے موالی مددگار اور پیروکار جمع ہو گئے۔

حضرت عمرؓ اموالِ مسلمین میں سے کسی زید یا بکر کو صلہ رحمی یا ہربانی یا تالیفِ خاطر  
 لئے کچھ نہیں دیتے تھے انہوں نے اس طبقہ اور دیگر مسلمانوں کا وظیفہ مقرر کر رکھا  
 تھا۔ اور ہر ایک کو حکم خداوندی کے مطابق محنت و اکتساب کی اجازت دے رکھی  
 تھی۔ عمر اس پابندی کے علاوہ جو ابھی ہم نے بیان کی کسی پر کوئی روک اور پابندی  
نہ لگاتے تھے۔ لیکن جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اس طبقہ کے  
صرف مملکت کے مختلف علاقوں میں چلنے کی راہیں ہی نہیں کھول دیں بلکہ  
پس بیت المال سے گراں قدر رقوم بھی عطا کیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک روز  
 انہوں نے حضرت زبیرؓ کو چھ لاکھ اور حضرت طلحہؓ کو دو لاکھ درہم عطا کئے اور  
 انہیں اس قسم کے افراد کی دولت میں اس طرح اضافہ ہو گیا اور انہیں یہ بھی اجازت  
 مل ہو گئی کہ وہ صوبہ جات میں جاگیریں خرید لیں صوبائی شہروں میں مکان  
 بیکرا لیں۔ حجاز میں محلات بنوائیں موالی و خدام اور متبعین کو ہر جگہ کثیر تعداد  
 میں جمع کر لیں تو ظاہر ہے کہ اس سے فتنے کے ایسے دروازے ان کے لئے  
 کھل گئے جس میں داخل نہ ہونا ان کے بس کا روگ نہ رہا۔ بعض افراد خود کو بچانے  
 میں کامیاب بھی ہو گئے۔ مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاصؓ شریکِ فتنہ نہ ہوئے۔  
 بلکہ جب دوسرے لوگ اس کی لپیٹ میں آئے تو حضرت سعدؓ نے گوشہ نشینی  
 اختیار کر لی۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ شریکِ فتنہ نہ ہوئے۔ یہ وہی بزرگ  
 ہیں جنہوں نے حضرت علیؓ کے سامنے اپنی جانب سے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ



منتخب کرنے پر اظہارِ ندامت کیا تھا۔ اور جنہوں نے دارالہجرت میں  
 رہتے ہوئے دورِ رات تک اپنی تجارت کا سلسلہ پھیلا رکھا تھا وہ اپنی  
 کا اکثر حصہ خیرات کرتے تھے جیسے نبی اکرمؐ اور حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کے عہد میں  
 رہے تھے۔ حضرت علیؓ بھی کنارہ کش رہے۔ ان کا تجارت کرنا یا صوبہ  
 میں جاگیریں حاصل کرنا یا مکانات بنوانا ہمارے علم میں نہیں۔ وہ مدینہ  
 جہاں رسول اکرمؐ نے انہیں بسایا تھا مقیم رہے ان کی کچھ زمین نیبوں  
 لہذا کبھی کبھی وہاں جایا کرتے تھے۔ لیکن جیسا کہ لوگ کہتے ہیں حضرت  
 معاملہ کچھ مختلف تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس طرح ایک طرف تو اس طبقہ  
 کو بچائے رکھا۔ دوسری طرف مسلمانوں کو ان کے اشر و رسوخ سے بھی  
 نہ لوگوں کے دین میں خلل آنے دیا نہ ان کو فتنہ و فساد میں مبتلا ہو۔  
 انہوں نے آنحضرتؐ کے مقرب صحابہ کی ایک مجلس بنائی جسے ان کی  
 مجلس شوریٰ کہا جاسکتا ہے۔ اگر وہ کچھ عرصہ اور زندہ رہتے تو ان  
 نبید نہ تھا کہ ان صحابہ کرامؓ کو ان کی اس حیثیت پر رضا مند کر لیتے  
 صورت وہ اصحاب حل و عقد بن جاتے جن کا منصب یہ ہوتا کہ وہ عہد  
 کے عہدوں پر فائز ہوئے بغیر خلفاء کو مشورہ دیتے رہتے۔  
 یہ تھی ایک بات۔ دوسری بات جو انہوں نے کی وہ یہ تھی کہ

**عام شوریٰ** شکر کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تو انھوں نے رسول خدا  
کا اتباع کرتے ہوئے کسی ایک شخص کو اپنا جانشین  
نہ کیا۔ اور حضرت ابو بکرؓ کا اتباع کرتے ہوئے یہ چاہا کہ مسلمانوں کی خبر خواہی  
ورائیں اپنے مشورہ سے آگاہ کریں، لہذا انھوں نے "اصحاب شوریٰ"  
ناب کیا جن میں ایسے لوگ تھے جن سے رسول خدا ماضی تھے۔ جنہیں  
ان کی قیادت اور فریش کی زعامت حاصل تھی۔ جن سے مسلمان خوش  
جن پر مسلمانوں کو اعتماد تھا۔ اس طرح "مجلس شوریٰ" مرتب کی  
مزارکان شوریٰ پر چھوڑ دیا کہ جس کو چاہیں اپنے میں سے خلیفہ منتخب

آگے چل کر ہم معلوم کریں گے کہ یہ نظام شوریٰ جس طرح حضرت عمرؓ نے  
لیا تھا نا کافی اور غیر تسلی بخش تھا۔ لیکن غور طلب امر یہ ہے کہ حضرت  
نہ شخصیت ہیں جنہوں نے شوریٰ کے مسئلہ کی طرف توجہ دی اور اسی  
ب خلفاء کے لئے بنیاد قرار دیا، یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ ہمیں یہ  
یں بھولنا چاہیئے کہ حضرت عمرؓ نے یہ "نظام شوریٰ" مجروح ہونے کے بعد  
یا جب وہ دنیا سے رخصت ہو کر آخرت میں قدم رکھنے والے تھے اور  
دو کرب میں مبتلا تھے جس میں کوئی زخم خوردہ خیر و سنان مبتلا ہو سکتا  
حضرت عمرؓ اس زخم خوردگی کے عالم میں ایک ایسے شخص کی طرح تڑپ رہے تھے

جو موت سے ہم آغوش ہو رہا ہو اور جو حضرت عمرؓ جیسا زندہ و بیدار اور نازک  
لطیف ضمیر رکھتا ہو۔ وہ ضمیر و اپنی چھوٹی بڑی خطاؤں کو یاد کر کے ڈر رہا ہو  
اپنے نفس کے ساتھ خدا کے محاسبہ کا خیال کر کے کانپ رہا ہو۔ علاوہ ازیں  
عمرؓ کو اور کئی خیال پریشان کر رہے تھے کچھ ذاتی معاملے تھے۔ کچھ کنبے کا  
تھا کہ مبادا انھیں بھی اسی بارگراں کا تحمل ہونا پڑے جس کا بار خود انھوں  
اٹھایا تھا۔ اپنے بارے میں یہ فکر بھی کھا رہا تھا کہ خدا کے حضور پیش ہونے پر  
ان کے ذمے اموالِ اسلمین میں سے کوئی شے نکل آئی تو کیا ہوگا۔ ان  
باتوں کے بعد اپنی قبر کا معاملہ بھی انھیں بے قرار کر رہا تھا۔ کیونکہ وہ رسول  
اور ابوبکرؓ کے ساتھ دفن ہونے کے شدید آرزو مند تھے۔ لیکن یہ بات  
حضرت عائشہؓ کی اجازت ہی سے ممکن تھی، کیونکہ وہ مکان جس میں وہ قبر  
حضرت عائشہؓ کی ملکیت تھا۔ حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ انھیں قبل از مرگ  
اطمینان ہو جائے کہ اجازت حاصل ہو گئی ہے اور یہ بھی طے پا گیا ہے کہ  
بن عمرؓ ان کی (عمرؓ) وفات کے بعد حضرت عائشہؓ سے عرض کر کے انھیں  
کے گھر میں دفن کر دیں گے۔ ان گونا گوں معاملات کے ساتھ ساتھ  
دردِ کرب کی کیفیت میں انھوں نے "نظامِ شوریٰ" پر بھی غور و فکر کیا  
کے لئے حتی الوسع پوری احتیاط سے کام لیا۔

حضرت عمرؓ کی وفات اور نئے خلیفہ کو منتخب کر لینے کے بعد



وقع تھا کہ اس نظام شوری کے بارے میں غور و فکر کر کے اسے ٹھوس اور پائیدار  
 بنیادوں پر استوار کر دیتے۔ اس سے ایک تو وہ تفرقہ سے محفوظ رہتے اور دوسرے  
 کسی خلیفہ کو حادثات اتنی ہمت نہ دیتے کہ وہ حضرات ابو بکرؓ و عمرؓ کی طرح مسلمانوں  
 سے کوئی عہد لیں یا مشورہ دیں تو اس صورت میں وہ نظام انہیں مامون رکھتا۔ لیکن  
 یہی بات یہ ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ پر کسی قسم کا غور و تدبیر نہ کیا۔ حضرت  
 عثمانؓ خلیفہ ہو گئے۔ اور انہوں نے مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوتے ہی لوگوں کے  
 طائف میں اضافہ کیا۔ حضرت عمرؓ کی لگائی ہوئی پابندیوں کو آسان کر دیا۔ انہیں  
 رات ملک میں پھیل جانے کی اجازت دیدی۔ یہ بھی اجازت دے دی کہ اموال  
 انصار میں جس قدر چاہیں اضافہ کر لیں۔

ہمارا خیال ہے کہ یہ بحث جسے آپ طویل خیال کر رہے ہوں گے  
 لیکن میں اسے انتہائی مختصر خیال کر رہا ہوں اس قدر استہ ہمارا کر چکی  
 ہے کہ اب ہم حضرت عثمانؓ کی کہانی جو ہمارا موضوع ہے شروع کر دیں، ان  
 نکتوں کا تذکرہ کریں جو ان کے عہد خلافت میں برپا ہوئے وہ جھگڑے بیان  
 کریں جو ان کی ذات سے متعلق ہوئے، ہمارا خیال ہے کہ یہ بحث جسے  
 آپ طویل اور میں مختصر سمجھتا ہوں آپ پر یہ واضح کر سکے گی کہ وہ حادثات جو  
 وقوع پذیر ہوئے اور ان کے جو نتائج مترتب ہوئے وہ ان حضرات کی  
 طاقت و ہمت سے زیادہ عظیم و وسیع تھے جو ان حادثات میں نزدیک یا

دوسرے شریک ہوئے تھے۔ لہذا یہ مناسب نہیں کہ ہم ایک جماعت یا دوسرے کو ملامت کریں۔ ہمیں چاہیے کہ ان حالات و ظروف کو ملامت کریں بشرطیکہ اہال و ظروف کو ملامت کرنا ممکن ہو یا شیوہ عقلمندی ہو۔

————— ❦ —————

# باب چہارم

— (حضرت عثمانؓ) —

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بننے سے پہلے دوسرے صحابہ کرامؓ کی طرح حضرت عثمانؓ کے تقریباً تمام حالات تاریخ کی نذر ہو گئے۔ اسلام نے صحابہ کرامؓ کو صرف ان کے نفوس و قلوب و عقول کے اعتبار سے ہی نیا جہنم نہیں دیا بلکہ انہیں تاریخی اعتبار سے بھی از سر نو پیدا کیا، اس لئے انہیں اسلام سے پہلے کی زندگی سے اس طرح منقطع کر دیا گویا وہ پیدا ہی اس وقت ہوئے جب وہ اسلام لائے۔ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی ولادت واقعہ نبیل سے چھ برس بعد ہوئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی ولادت طائف میں ہوئی تھی۔ بہر حال حضرت عثمانؓ کے ابتدائی حالات میں سے جو کچھ محفوظ رہ گیا ہے وہ صرف اتنا ہی ہے اور وہ بھی غیر مستند راویوں کی روایت



کی رو سے، جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ان کی شہادت کے بعد ان کی عمر کے بارے میں اختلاف رائے تھا۔ بعض لوگ سمجھتے تھے کہ بوقت شہادت ان کی عمر پچیس برس تھی۔ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ اس وقت ان کی عمر نوٹے یا اٹھاسی یا چھیالیس برس کی تھی، کچھ اور لوگ بیالیس یا تیرالیس برس کی عمر کو ترجیح دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ حضرت عثمانؓ کی صحیح تاریخ ولادت سے واقف ہوتے تو ان کی عمر کے بارے میں اتنا اختلاف نہ ہوتا۔ نہ صرف یہ بلکہ ایک ایسی آپ کی عمر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کی عمر سے ملانے کے لئے یہ بھی نہ کہتا کہ حضرت عثمانؓ کی عمر شہادت کے وقت تیسٹھ برس کی تھی اور خدا نے ان تینوں کو ایک عمر میں اپنے جوار رحمت میں داخل کرنا پسند فرمایا۔ گو حضرت عمرؓ کے بارے میں بھی اس سلسلہ میں قدرے اختلاف ہے۔

راد یوں کو حضرت عثمانؓ کے عہد جاہلیت کے احوال

**حضرت عثمانؓ کا نسب** | میں سے فقط ان کا نسب ہی معلوم ہے۔ جو یہ ہے

عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی۔  
اس طرح ان کا سلسلہ نسب والد کی طرف سے رسول اللہؐ کے ساتھ عبد مناف پر  
آکر مل جاتا ہے۔ لیکن والدہ کی جانب سے یہی تعلق اور بھی قریب ہو جاتا ہے  
ان کی والدہ اروی بنت کریز تھیں۔ اور اروی کی ماں بیضا بنت عبد المطلب بن

ہاشم کی دختر تھیں۔ اس اعتبار سے اردی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

آگے چل کر بنو امیہ نے حضرت علیؓ اور ان کے ہاشمی ساتھیوں کو یہی رشتہ یاد دلایا تھا اور اسی قرابت کا بہار لے کر حضرت علیؓ کو ملامت کی تھی کہ انھوں نے (حضرت عثمانؓ یعنی) اپنی پھوپھی اور چچا زاد بھائی کو بے مدد چھوڑ دیا۔ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کے پھوپھی زاد بھائی تھے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ چچا زاد اس لئے کہ حضرت عثمانؓ کا نسب بنو عبد المطلب کے ساتھ عبد مناف سے مل جاتا ہے۔ بنو ہاشم کے مورث ہاشم اور بنو امیہ کے مورث عبد شمس دونوں عبد مناف کے بیٹے تھے۔ عقان اپنے والد اور بنو امیہ و بنو عبد شمس بلکہ قریش کی اکثریت کے دستور کے مطابق تجارت پیشہ تھے۔ اور بہ غرض تجارت شام کی جانب سفر کیا کرتے تھے۔ اپنے ایک تجارتی سفر ہی میں وہ فوت ہو گئے۔ اور اپنے بیٹے (حضرت عثمانؓ) کے لئے اچھی خاصی دولت چھوڑ گئے۔ حضرت عثمانؓ نے بھی اپنے والد بلکہ اپنی قوم کے طریقہ کے مطابق تجارت کرنا شروع کر دی اور بڑی دولت کمائی۔

ایک روز جب وہ شام سے واپس

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سلام آئے تو انھوں نے اپنے گھر والوں

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پیغام کا چرچا سنا، جسے محدثین اور سیرکار

نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی خالہ سعدی نے جو کاہنہ تھیں انھیں نبی اکرمؐ کے بارے میں خبر دی اور آپ کی تائید کا شوق دلایا۔ بعض کا کہنا ہے کہ انھیں حضور اکرمؐ کی اطلاع اس وقت ملی جب وہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ کے ہمراہ شام سے لوٹ رہے تھے۔ وہ نیم خوابی و نیم بیداری کے عالم میں تھے کہ انھوں نے ایک منادی کا اعلان سنا کہ "احمد" نے مکہ میں ظہور فرمایا ہے۔ جب وہ مکہ میں پہنچے تو انھیں ظہور اسلام کی خبر دی گئی جس نے ان کے دل کو کسی حد تک متاثر کر لیا۔ لیکن وہ بات جس پر سب راوی متفق ہیں یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکرؓ سے ملے اور اس موضوع پر ان میں باتیں ہوتی رہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے انھیں دعوت اسلام دی اور حضرت عثمانؓ کا دل اس طرف مائل ہو گیا۔ حضرت ابوبکرؓ انھیں لے کر نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؐ نے انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور نصیحت و تلقین فرمائی۔ چنانچہ انھوں نے یہ دعوت قبول کر لی اور جب وہ حضورؐ کے پاس سے رخصت ہوئے تو اسلام قبول کر چکے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت طلحہؓ بھی ان کے ساتھ اسی نشست میں اسلام لائے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ دونوں حضرت زبیر بن العوامؓ کے بعد ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ حال حضرت عثمانؓ کا شمار سب سے پہلے اسلام لانے والے چودہ افراد میں ہوتا ہے۔ وہ اس وقت مسلمان ہو چکے تھے جب نبی اکرمؐ نے ہنوز اپنی دعوت کے لئے



دارالارقم کو مستقر نہیں بنایا تھا۔

بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دامادی کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ نسبتی تعلق بھی قائم ہو گیا۔ یعنی انھوں نے آپ کی صاحبزادی حضرت زینہ سے شادی کر لی اور اس نسبت کے بعد تو وہ رسول خدا کے خاص مقرب اور عزیز

اصحاب میں شمار ہونے لگے۔ اسلام قبول کرنے کی وجہ سے دوسرے مسلمانوں کی طرح انھیں بھی تکالیف برداشت کرنی پڑیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے چچ حکم بن ابی العاص نے جب ان کے قبول اسلام کی خبر سنی تو ان پر بہت تشدد کیا۔

رتھی سے باندھ دیا اور قسم کھائی کہ جب تک وہ اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ نہ آئیں گے انھیں نہ کھولے گا۔ لیکن جب دیکھا کہ حضرت عثمانؓ اپنے دین میں راسخ ہو چکے ہیں تو آخر انھیں چھوڑ دیا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ان کی والدہ نے بھی بڑی سختی کے ساتھ ان سے منہ موڑ لیا تھا مگر جب اس سے کوئی فائدہ نظر نہ آیا تو آخر انھوں نے بھی خجلی چھوڑ دی۔ جب نبی اکرمؐ نے ہجرت حبشہ کی

اجازت دی تو حضرت عثمانؓ نے اپنی اہلیہ محترمہ کے وہاں ہجرت کر گئے۔ پھر وہاں سے مکہ شریف واپس آئے تو اہلیہ محترمہ بھی ہمراہ تھیں۔ دوبارہ پھر حبشہ کی طرف ہجرت کی تو بھی حضرت زینہؓ ساتھ تھیں۔ پھر

جب نبی اکرمؐ نے مدینہ کو دارالاسلام بنایا تو حضرت عثمانؓ بھی مدینہ میں ہجرت

کر آئے۔ جب آپ صحابہ کرامؓ کے ساتھ بدر کے معرکے میں گئے تو حضرت عثمانؓ مدینہ ہی میں رہے۔ کیونکہ حضرت رقیہؓ بیمار تھیں اور آپ نے انہیں ان کی تیمارداری پر مقرر فرمایا تھا۔ خذلنے جنگ بدر میں مسلمانوں کو فتح عطا کی تو رسول اللہؐ نے حضرت عثمانؓ کو بھی مجاہدین میں شمار کرتے ہوئے مال غنیمت میں انہیں برابر کا شریک فرمایا، جب حضرت رقیہؓ فوت ہو گئیں تو حضرت عثمانؓ نے ان کی وفات نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ منقطع ہو جانے پر شدید رنج و غم کا اظہار کیا۔ لیکن آپ نے حضرت رقیہؓ کی ہمیشہ حضرت ام کلثومؓ کے ساتھ ان کی شادی کر دی۔ لیکن وہ بھی کھوڑی مدت ان کے ساتھ رہ کر وفات پا گئیں۔

سیرت نگاروں کی روایت کے مطابق آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ اگر ہمارے یہاں کوئی اور بیٹی ہوتی تو ہم اسے بھی حضرت عثمانؓ سے بیاہ دیتے۔ حضرت رقیہؓ کے بطن سے حضرت عثمانؓ کے ایک فرزند عبد اللہ پیدا ہوئے تھے۔ جو چھ برس کے ہو کر فوت ہو گئے۔ گویا رسول خداؐ کی صاحبزادی کے توسط سے حضرت عثمانؓ کی نسل چلتے چلتے رہ گئی۔ اگر ان کے یہ فرزند عبد اللہ زندہ رہتے تو ان کی اور ان کے باپ کی ایک عجیب ہی شان ہوتی جو حضرت فاطمہؓ کے صاحبزادے حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ سے کچھ کمتر نہ ہوتی۔

حضرت عثمانؓ بنی اکرمؓ کے دو دشمن بدوش جنگ احد میں شریک ہوئے

مگر اس معنی بھر جماعت کے ساتھ جمع کر مقابلہ نہ کر سکے جو رسول اکرمؐ کے جلو میں پامردی کے ساتھ ڈٹی رہی تھی۔ وہ ہر میت خوردگان کے ہمراہ فرار ہو گئے لیکن خداوند عزوجل نے اس آیت کریمہ کے ذریعے ان کا یہ قصور معاف کر دیا۔

إِنَّ الدِّينَ كُوْثَرٌ مِّنْكُمْ يَوْمَ التَّحِيّ الْجُمُعَةِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ۚ وَ لَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ (۲۴۱)

بلاشبہ وہ لوگ جنہوں نے دونوں شکروں کے مقابلہ کے وقت اپنے منہ موڑ لئے ان کے بعض اعمال کی وجہ سے شیطان نے ان کے قدم پھسلائیے تھے۔ خدا نے ان سے درگزر کیا ہے۔ بے شک خدا بہت بخشنے والا اور بردبار ہے۔

بعد ازاں حضرت عثمانؓ کی نمایاں شخصیت

علیہ وسلم کے ساتھ دیگر صحابہ کبارؓ کی طرح تمام غزوات میں شریک ہوئے، مزید برآں وہ راہ خدا میں بڑی فیاضی و سخاوت اور کشادہ رستی سے کام لیتے تھے انہوں نے اس ضمن میں وہ کچھ کر دکھایا جو کس زمانہ کے دوسرے دوہندہ مسلمانوں سے نہ ہو سکا۔ ہزاروں کے صرفے انہوں نے چاہ رومہ خرید کر تمام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا، وہ خود بھی اس میں سے بغیر کسی خصوصیت کے عام مسلمانوں کی طرح پانی بھرتے تھے۔ اس پر رسول خداؐ



نے وعدہ کیا تھا کہ انہیں جنت میں اس سے بہتر کنواں عطا ہوگا۔ جب مسجد نبوی  
 میں لوگوں کی کثرت کی وجہ سے جگہ تنگ ہوئی تو وہ قطعہ زمین بھی حضرت عثمان  
 نے ہی خرید لیا جس کے ذریعہ سرکارِ دو عالم نے مسجد نبوی کی توسیع فرمائی تھی۔  
 آپ نے حضرت عثمانؓ سے وعدہ کیا کہ انہیں جنت میں اس قطعہ ارضی سے بہتر قطعہ  
 ملے گا۔ غزوہ تبوک کے موقع پر جب بہت زیادہ تنگی کا احساس ہوا تو آپ نے  
 مسلمانوں کو راہِ خدا میں انفاق کی دعوت دی۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے تمام  
 شکر کے ساندوسا مان کی تیاری اپنے ذمے لے لی۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے  
 گھوڑے اور ادنٹ ہیا کر کے اہل شکر کی سواری کی جگہ ضروریات بھی پوری کیں۔  
 یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک ہزار دینار لاکر آغوشِ رسولؐ میں ڈال دیئے  
 تھے۔ جن کے ذریعہ آپ نے شکر کا ساندوسا مان تیار کیا۔ اس موقع پر آپ  
 نے خدا سے دعا کی کہ حضرت عثمانؓ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں  
 ساتھ ہی حضرت عثمانؓ سے جنت کا وعدہ بھی فرمایا۔  
 خدمتِ خلق کے معاملے میں حضرت عثمانؓ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ وہ مسلمانوں  
 کے لئے نہایت نرم و خفیع، صلہ رحمی کا سب سے زیادہ خیال رکھنے والے خدیو  
 سخاوت و قربانی سے سرشار اور پیکرِ حلم تھے۔ حضرت عثمانؓ کی وہ امتیازی  
 صفت جسے محدثین اور سیرت نگاروں نے آنحضرتؐ سے روایت کیا ہے ان  
 کی کمال حیا واری تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ فرشتے بھی عثمانؓ سے حیا کرتے ہیں

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام سے جس حال میں بھی ہوتے  
 یہ کلفت میں لیا کرتے تھے۔ مگر جب حضرت عثمان غنیؓ کو باریابی نصیب ہوتی تھی۔  
 وہ فرماتے کہ جس شخص سے فرشتے حیار کرتے ہیں ہم کیوں نہ کریں۔ آپ اس  
 عقیقہ کا سبب یہ بھی بتایا کرتے تھے کہ اگر ہم ایسا نہ کریں تو حضرت عثمانؓ شرمناک  
 بنی ضرورت بتائے بغیر حلیہ سے واپس چلے جائیں گے۔ صلح حدیبیہ کے موقع  
 پر رسول خداؐ نے قریش کے پاس انھیں کو سفیر بنا کر بھیجا تھا اس وجہ سے  
 اولاً انھیں بنی امیہ اور قریش میں بڑی وقعت حاصل تھی۔ ثانیاً اپنی  
 نرم خوئی، خوش خلقی اور وسعت قلبی کے لحاظ سے بھی وہ اس کام کے لئے  
 وزوں شخصیت تھے۔ لیکن جب خبر آئی کہ وہ قریش کے دام مکر کا شکار  
 ہو گئے ہیں تو رسول اکرمؐ نے ان کی اعانت کے لئے تمام صحابہ کرام سے بیعت  
 لی، اس موقع پر خدا نے وحی نازل فرمائی۔

إِنَّ الدِّينَ يُبَاقُونَكَ إِنَّمَا يُبَاقُونَ اللَّهَ  
 يَكُ اللَّهُ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَنْ تَكَثَّ فَاثْمًا  
 يَنْكُثْ عَلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَى بِمَا عَاهَدَ  
 عَلَيْهِ اللَّهُ فَسَيُؤْتِيَهُ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ (۳۳)

بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ گویا خدا سے بیعت کر رہے  
 ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے اور جو عہد توڑے گا اس کا وبال

خود اسی پر پڑے گا۔ اور جو خدا کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو پورا کرے گا۔

اسے خدا بہت بڑا اجر دے گا۔

رہے حضرت عثمانؓ تو آنحضرتؐ نے اپنے ہی ایک ہاتھ سے حضرت عثمانؓ کی جا سے بیعت کی۔ اس واقعہ سے متعلق محدثین و اصحاب سیر نے بہت سی احادیث نقل کی ہیں جن میں بعض واضح طور پر صحیح ہیں اور بعض صاف طور پر وضعی ہیں اور بعض ایسی ہیں جن میں کھوڑے بہت شک کی گنجائش موجود ہے۔ تاہم مجموعی طور پر تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب اور ان کے مقربین خصوصی صحابہ میں شامل تھے۔ آپؐ نے انہیں سعد و بار جنت کی خوشخبری دی تھی اور بتایا تھا کہ خدا ان سے راضی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ عہد نبوی میں مسلمان ابو بکرؓ۔ عمرؓ اور عثمانؓ رضی اللہ عنہم کو سب سے مقدم تھے۔ اور باقی صحابہ رسولؐ میں کسی کو کسی پر فضیلت نہ دیتے تھے۔ گویا یہ اصحاب رشتہ طہیکہ یہ حدیث صحیح ہو، خود عہد رسولؐ میں بھی تمام صحابہ میں سربراہ و رہبر تھے۔ قدمائے سخن دس اشخاص کے اسماء نقل کئے ہیں کہ انہیں رسول خداؐ نے جنت دی گئی وہ یہ ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت بن ابی وقاصؓ۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ۔ حضرت زبیر بن العوامؓ۔ حضرت عمارؓ۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ اور حضرت سعید بن زید بن نضیرؓ۔ یہ ہے کہ ان دس میں سے ایک حضرت عثمانؓ بھی تھے۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے



معلوم نہ ہو کہ وہ سابقون الاولون میں سے تھے۔ انھیں دوبار حضور اکرم کی امامی کا  
 شرف حاصل ہوا تھا اور انھوں نے راہ خدا میں جانی و مالی قربان کیا تھا۔  
 جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی اور حضرت ابوبکرؓ کی بیعت  
 ہونے لگی تو حضرت عثمانؓ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے دوڑ کر حضرت ابوبکرؓ کی  
 بیعت کی اور اظہارِ خلوص و خیر اندیشی کیا۔ حضرت عمرؓ کے خلیفہ بنائے جانے کے بارے  
 میں حضرت ابوبکرؓ کی وصیت حضرت عثمانؓ نے ہی املا کی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ بولتے  
 تھے "حضرت عثمانؓ نہ لکھتے رہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے یہ وصیت لکھوا  
 ہے تھے تو انھیں غشی کا دورہ پڑا۔ اس وقت ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے "میں  
 تمہارے لئے خلیفہ بنائے جاتا ہوں۔" تو حضرت عثمانؓ نے حضرت  
 ابوبکرؓ کا جملہ مکمل کرنے کے لئے آگے "حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ کو" کے الفاظ لکھ دیے۔  
 جب حضرت ابوبکرؓ کو ہوش آیا تو انھوں نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ جو لکھا ہے  
 سنائیں۔ عثمانؓ نے پڑھ دیا۔ جب حضرت عمرؓ کا نام ان کے منہ سے نکلا تو حضرت  
 ابوبکرؓ نے کہا اللہ اکبر۔ اور حضرت عثمانؓ نے کوہِ سلام اور مسلمانوں کی طرف سے  
 جزائے خیر کی دعا دی۔ اور کہا "آپ کو حدیث ہو کہ مبادا میں ہوش میں نہ آؤں  
 اور وہ بات لکھ دی جو میرے دل میں تھی اور آپ بلاشبہ اس کے اہل ہیں" چنانچہ  
 جب حضرت عمرؓ کی بیعت کی گئی تو حضرت عثمانؓ سب سے اول بیعت کرنے والوں  
 میں سے تھے۔ وہ حضرت عمرؓ کے تمام عہدِ خلافت میں ان کے خیر خواہ و مشیر رہے۔

حتیٰ کہ جب حضرت عمرؓ پر وار ہوا اور انھوں نے مسلمانوں کو اپنے پاس وصیت کے لئے بلایا۔ وہ مسلمانوں کو کسی عہد کا پابند نہیں کرنا چاہتے تھے مگر یہ بھی نہ چاہتے تھے کہ انھیں کوئی مشورہ ہی نہ دیں۔ لہذا انھوں نے مسلمانوں کے لئے ایک مجلس شوریٰ قائم کر دی جس کا ان چھ اصحاب کو رکن مقرر کیا جن سے رسول خداؐ تادم آسمان مامنی تھے لیکن انھوں نے اپنے چچا زاد بھائی حضرت سعید بن زید بن نفیلؓ کو رکن نہ بنایا حالانکہ وہ ان دس میں سے تھے جنھیں رسول اللہؐ نے جنت کی بشارت دی تھی، اس لئے کہ انھیں یہ گوارا نہ ہوا کہ بنی عدی میں دوبار خلافت آجائے۔ انھیں خطرہ تھا کہ اگر انھوں نے حضرت سعیدؓ کو رکن شوریٰ بنا دیا تو بعض ارکان ان کی طرف مائل ہو جائیں گے۔ کچھ تو اس سبب سے کہ رسول خداؐ ان سے تھے۔ کچھ اس وجہ سے کہ وہ حضرت عمرؓ کے اقربا میں سے تھے۔ البتہ انھوں نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہؓ کو شوریٰ کا رکن مقرر کر دیا تھا۔ مگر یہ شرط لگا دی کہ انھیں خلیفہ نہ بنایا جائے گا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ انھیں آل خطاب میں سے دو آدمیوں کا ایک دوسرے کے بعد خلیفہ بننا پسند نہ تھا۔ دوسرے وجہ یہ تھی کہ انھیں اپنے فرزند حضرت عبداللہؓ میں بار خلافت اٹھانے کی ہمت نظر نہ آتی تھی۔

میرا خیال ہے کہ اگر حضرت ابو بکرؓ کی ذرا تصویر کی دنیا میں آئے

وفا کرتی اور ان کے سامنے حضرت عمرؓ

طرح فتوحات ہوتیں۔ مملکت کے علاقہ میں وسعت ہوتی اور کاروبار سلطنت پھیلتا  
 راع و انعام کی پیرچھ مصلحتیں اور ضروریات نئی نئی صورتوں میں نمودار ہوتیں،  
 نئی مشکلات سے سابقہ پڑتا جن میں سے بعض کا تعلق سیاسی معاملات سے،  
 بعض کا انتظام سلطنت سے اور بعض کا تعلق ان دینی حقائق کی حفاظت سے  
 باوجود افزوں شدت اختیار کرنے والے انقلاب کی وجہ سے مسلمانوں  
 پر پیش آتیں۔ تو میرا خیال یہی ہے کہ اگر حضرت ابوبکرؓ ان حالات سے گذر  
 سے حضرت عمرؓ دوچار ہوئے تو عین ممکن تھا کہ وہ بھی حضرت عمرؓ ہی کی روش  
 یاد کرتے ہوئے کسی ایک جانشین کو نامزد کرنے میں حضرت عمرؓ کی طرح پس  
 ل کرتے اور عین ممکن تھا کہ وہ بھی انتخاب خلیفہ کے لئے اپنا ہی نظام بنادیتے  
 حضرت عمرؓ کی مجلس شوریٰ سے کم و بیش مشابہ ہوتا۔ جب حضرت ابوبکرؓ  
 وفات ہوئی تو مسلمانوں کی کیفیت تقریباً وہی تھی جو رسول خداؐ کی وفات  
 وقت تھی۔ انھوں نے مرند ہونے والے عربوں کو دوبارہ حلقہ بگوش اسلام  
 یا اور پھر عربوں کی قوت کا رخ بیرونی ممالک کی فتوحات کی طرف کر دیا، چنانچہ  
 وفات شروع ہو گئیں۔ لیکن بڑے سے پیادہ پر نہیں، حتیٰ کہ حضرت ابوبکرؓ وفات  
 گئے۔ پھر عہد فاروقی میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا مسلمان ہر پہلو سے ایک  
 زندگی میں داخل ہوئے تھے۔ وہ سیلاب کی طرح نئے علاقے فتح کرتے  
 جا رہے تھے۔ چنانچہ انھوں نے رومیوں کو جزیرہ عرب شامل اور مصر



نکال باہر کیا۔ ایران میں ایرانیوں کی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی  
 اس کا بہت بڑا حصہ زیر نگین کر لیا۔ صورت حال یہ پیدا ہو گئی کہ وہ دور تک بیرونی  
 کی وجہ سے فتوحات کو مزید بڑھانے پر مجبور ہو رہے تھے۔ رومیوں کو وکیل کے  
 بحیرہ روم کے مشرقی ساحل سے نکال رہے تھے تاکہ انھیں اپنے سے ایک قافلہ  
 اطمینان فاصلہ تک دور ہٹا دیں بلکہ قسطنطنیہ پہنچ کر رومن حکومت کا قریبی  
 خاتمہ کر دیں جس طرح ملک فارس کا کرچکے رہے۔ پھر بلاد ایران میں آخر  
 حد تک بڑھ کے اسے پوری طرح مغلوب کر لینا چاہتے تھے تاکہ مشرق میں  
 حدود سلطنت اس آخری حد تک پھیلا دیں جہاں تک ان کے شکر پیچ کے  
 اتل چیز نے انھیں مجبور کیا کہ وہ ایک ایسا ٹھوس اور پائیدار جنگی نظام  
 کریں جو فتوحات کی وسعت اور پھیلاؤ کا ساتھ دے سکے۔ لہذا ضروری  
 کہ وہ اپنے پیچھے فتوحات کے لئے مستقل ذریعہ و آلہ پیدا کر لیں۔ یہ ذریعہ وہ  
 تھے جو اس آخری حد پر جا کر رکھتے تھے جس کا انھیں حکم دیا جاتا تھا۔ یہ  
 اس عجیب و غریب مادہ یعنی عرب کے بدوؤں سے تشکیل ہوتا جو ابھی تک  
 منظم اور گھمسان کی جنگ کے عادی نہ تھے۔ لیکن حملہ آور غارتگری میں  
 باہر تھے۔ وہ ان غیر معروف علاقوں میں تربیت یافتہ افواج کا مقابلہ کرنا  
 جانتے تھے۔ انھیں یہ خبر تھی کہ وہاں انھیں کیا کیا سختیاں جھیلنا ہوں گی  
 اور کن کن مصائب سے دوچار ہونا ہوگا۔

ہم فتوحات اسلامی کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں کہ عربوں کے پاس یہ قوت و سرعت اور بڑھتے چلے جانے کی طاقت کہاں سے آگئی تھی۔ جب سمجھ میں کچھ نہیں آتا تو تحلیل و تجزیہ کی مدد سے دل کو تسلی سے لیتے ہیں اور اس عظیم قوت کا سبب اس وعدے کو قرار دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے قرآن کے ذریعہ مسلمانوں سے کیا تھا۔ نیز وہ قوت ایمانی جو مسلمانوں کے قلوب میں جاگزیں تھی جس نے انہیں خدا پر بھروسہ کر کے شہادۂ کے سامنے سینہ سپر کر دیا تھا۔ اور انہیں یہ یقین دلا رکھا تھا کہ خدا کا وعدہ سچا ہے اور وہ خواہ کسی ملک میں بھی ہوں خدا کی مدد شامل حال ہوتی ہے۔ یہ شک یہ سب کچھ صحیح ہے کہ مسلمان فتح مالک کی طرف اسی قوی ایمان کی بدولت ٹوٹ پڑے تھے جو شہادۂ کو زیر کر کے مشکلات پر قابو پا لیتا ہے اور ہر مشکل کو حل کر لیتا ہے۔ تاہم ہر شے کے کچھ اسباب و وسائل ہوتے ہیں۔ اور ان اسباب و وسائل کے لئے ضروری ہے کہ پوری جدوجہد مکمل تدبیر ریزی و دراندیشی اور غفلندی سے کام لے کر اولاً ان سب منتشر دلوں کو یکجا کیا جائے اور ثانیاً ان کا رخ بیرونی ممالک کی یوٹیوں کی طرف پھیر دیا جائے۔ نیز یہ کہ وہ منظم اور حیرت انگیز طاقتیں انہیں کے برابر کی منظم طاقتوں سے ٹکرائیں۔

بہر حال اس قوی عظیم اور منظم لشکر کا تیار کرنا جسے حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے عالم قدیم کے آخری سروں تک پھیلا دیا تھا کوئی آسان



کام نہ تھا۔ یہ کام بھی سہل نہ تھا کہ ان سو کروں اور ساہ سال کی فتح مندی کے  
 بعد اتنے اتنے بڑے شکروں کو ان کے مستقر پر روک رکھا جائے۔ کیونکہ ہم  
 عربوں کی یورشوں اور جنگوں کی قدیم عادت سے بخوبی آگاہ ہیں۔ ان کی جنگ  
 حصول فتح اور مال غنیمت کے لئے ہوتی تھی۔ فتح حاصل کر کے مال غنیمت سمیت  
 وہ اپنے اپنے گھروں کی راہ لیتے تھے تاکہ مال غنیمت اور ان کی آسائشوں  
 سے پوری طرح شمتع ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ جب وہ چڑھائی کرتے تھے  
 تو اس وقت آگاہ کیا کچھ نہ دیکھتے تھے۔ بایں ہمہ یہ بھی مد نظر ہے کہ ان جنگوں  
 کو زمانہ جاہلیت کی جنگوں یا غزوات نبویؐ سے بلکہ عہد ارتداد کی جنگوں سے  
 بھی کوئی مماثلت نہ تھی۔ یہی وہ نئی چیز ہے جو بہت زیادہ جدوجہد کی محتاج  
 تھی جس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن حضرت عمرؓ ان کے ساتھیوں  
 اور سپہ سالاروں نے بڑی بہت اور جرأت اور استعدادی و چستی اور احتیاط  
 و عزم کے ساتھ بلا تردد اپنی کوششیں صرف کیں اور خدائے ان کی تمنائیں  
 بر لانے کی انہیں توفیق بھی عطا فرمائی۔ ہمارے تصور کے لئے یہی کافی ہے  
 کہ انہوں نے نئے نئے شہر بسائے۔ ان شہروں میں لشکر متعین کے  
 ہر ایک لشکر کی نوبت اور باری مقرر کی۔ پھر ذرا یہ بھی خیال کیجئے کہ یہ لشکر  
 ان صحرائے شینوں پر مشتمل تھے جو سب کے سب یا جن کی اکثریت تہذیب تمدن  
 سے نا آشنا تھی الغرض اگر ہم ان جملہ کوائف کو پیش نظر رکھیں تو بعض ایسی



مشکلات کا اندازہ کر سکتے ہیں جن سے حضرت عمرؓ اور ان کے ساتھی بخوبی عہدہ برآ ہوئے۔

اسی طرح تاریخ میں جب ہم تدوین دواوین "رہبروں میں اندراج" کا ذکر پڑھتے ہیں تو حیرت و عجلت سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ لیکن اگر ہم تھوڑی

دیر توقف کریں اور تدوین دواوین تدوین دواوین اور نظام عسکری کے معاملہ پر غور کریں تو معلوم ہو چکا

کہ یہ چھوٹا سا کلمہ نہایت باریکی سے جنگ میں شرکت کرنے والوں کی مردم شماری ان کے قبیلوں اور ان کے پتوں کے بیان کا نام تھا۔ نیز ان کے ایسے اعزہ کے ناموں پر مشتمل تھا جن کی وہ کفالت کرتے تھے اور جن کی ذمہ داری ان کی طرف سے حکومت پر عائد ہوتی تھی۔ اس سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ ایک اہم حدت تھی جو

ایک ایسی قوم میں روزنامہ ہوتی جو اس سے قبل نوشتہ خواند اور حساب و شمار سے یکسر نا آشنا تھی کوئی ایسی معمولی سی بات نہیں کہ لوگ اس پر طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے گذر جائیں۔ اگر ہم ان جویش کے ہمراہ میدان میں اور کھیر عساکر روم و فارس کے خلافت عظیم مہرکہ آرائیوں کے بعد ان شہروں کا مہا بیہ کریں یہاں ان کو ٹھہرایا گیا اور ازاں بعد اس شاندار انتظام پر غور کریں جو حضرت عمرؓ نے ان مہاجروں کے مشورہ سے ان فتنہ شہروں میں پھیلے ہوئے لشکریوں کی باری کیلئے مقرر کیا تھا اس طرح کہ کوئی نہ کجاہ کسی جنگ

میں شامل ہونے کے باعث اپنے اہل و عیال سے چھ ماہ سے زیادہ جدا نہ رہے اور اس میعاد مقررہ سے زیادہ عرصہ کے لئے جنگ آزماؤں کے روکنے

سے خود حکومت اس طرح محترّم ہو جیسے وہ کسی گناہ کا ارتکاب کر رہی ہے تو اس وقت صحیح اندازہ ہوتا ہے کہ خلیفہ اور ان کے ساتھیوں نے جنگی نظام کی مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کس قدر سلسل مادی و معنوی محنت و مشقت سے کام لیا تھا۔

پھر یہ نقطہ نظام جنگ ہی کی مشکلات نہ تھیں جن کی طرف خلیفہ اور ان کے اہوان و مشیران کی توجہ مبذول رہتی تھی بلکہ ساتھ ہی ساتھ انتظامی مشکلات بھی تھیں جو جنگی مشکلات سے کسی طرح کم اہم اور دوں حیثیت نہ تھیں۔ مثلاً ایک علاقہ فتح ہوا جو تہذیب و تمدن کے اعتبار سے بہت ترقی یافتہ تھا۔ اس کا اپنا مالوت نظام تھا۔ جو علاقائی اور ملکی اختلافات کی وجہ سے ایک خصوصیت کا حامل تھا۔ ظاہر ہے کہ بعد از فتح اس علاقہ کا نظم و نسق اسی طرح قائم کرنا ضروری تھا جیسے فتح سے قبل تھا کیونکہ فتوحات اسلامی شکست و ریخت کی بجائے امن و تہمیر کی فتوحات تھیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ عربوں کے لئے ممکن نہ تھا کہ فوری طور پر ماہر نظم و نسق ہو جاتے اور زمام حکومت اس جا بجا دستی کے ساتھ سنبھال لیتے کہ محکوموں کے فتون سے بھی جو ان کے (عربوں) پس پشت رونما ہو سکتے تھے خود کو بچاتے اور محکوموں کو ان کے جان و مال اور وسائل پیداوار کے حفظ و سلامتی کا یقین دلاتے اور ان محکوموں کو اس حال میں رکھتے کہ امن قائم کرنے نیز آگے جنگ جاری رکھنے اور فتوحات کو وسیع کرنے میں انہیں

راہ نہ روکتے لہذا وہ مجبور تھے کہ ہر علاقہ میں وہی نظم و ضبط بحال رکھیں جو وقت فتح وہاں نفاذ پذیر تھا اور پھر اس کی نہایت ہوشیاری سے ایسی نگرانی کرتے ہیں جو انہیں ہر قسم کے مکر و فریب اس علاقہ کی بغاوت، اور حملہ ناگہانی سے محفوظ رکھے ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ کوئی آسان کام نہ تھا۔

ان مشکلات کے علاوہ کچھ مشکلات اور بھی تھیں جن کا خود بلا و عرب سے تعلق تھا۔ حکومت کے لئے ضروری تھا کہ ایسی حکمت عملی سے کام لیتی کہ اس صحرا نشین آبادی میں جو اطاعت و فرمانبرداری کی عادی ہی نہ تھی ایسے عالم میں ضبط قائم رہتا جبکہ حکومت کو اسی آبادی سے نوجوان اور قوی ہمت مرد بھرتی کر کے انہیں دور دراز کے علاقوں میں بھیجا جوتا تھا جہاں سے ممکن ہے وہ زندہ لوٹ سکیں یا نہ لوٹ سکیں۔ ہم بڑے آرام سے آج کسی نئی قوم کے متعلق خبر پڑھتے ہیں کہ اس نے اپنے ملکی نظروں کے ماتحت عمومی لام بندی یا جبری بھرتی کا اعلان کر دیا، ہم اس پر حیرت و پسندیدگی کے ملے جلے جذبہ کا اظہار کرتے ہیں لیکن ہم اس عمومی لام بندی اور اس کی مشکلات کی باریکیوں پر غور نہیں کرتے۔ ہم یہ اندازہ ہی نہیں کرتے کہ اس عمومی لام بندی کا جو آج اقوام جدید ہیں کا فرما ہے ایک محکم و متعین نظام ہے جو اچانک پیدا نہیں ہوا بلکہ اسے دقیق تجربات اور طویل امتحانات نے جنم دیا ہے۔ لہذا ایک ایسی صحرائشین قوم کے لئے اس ضبط و نسق کا قائم رکھنا بڑا مشکل تھا جس کا بڑی جنگوں اور



منظم لام بندی سے کبھی سابقہ ہی نہ پڑا ہو۔ اور جسے ان امور سے کسی سابقہ تجربہ  
مشق اور علم کے بغیر پہلی بار سامنا کرنا پڑا ہو۔

یہ ہے ان مشکلات کا معمولی سا خاکہ جن سے حضرت عمرؓ کو دوچار ہونا پڑا۔  
اور جن سے حضرت ابو بکرؓ بھی اگر وہ کچھ اور مدت زندہ رہتے تو ضرور دوچار ہوتے۔  
لہذا طبعی طور پر حضرت عمرؓ کے جانشین خلفاء کا ان دوچار ہونا لازمی تھا۔ انڈیا  
حالات اگر حضرت عمرؓ اپنی خلافت کے زمانہ میں مشقت عظمیٰ میں مبتلا رہے۔ پھونک  
پھونک کر قدم رکھتے رہے اور پوری سنجیدگی اور سرگرمی کے ساتھ مصروف عمل  
رہے کہ نہ خود سوتے نہ دوسروں کو سونے دیتے تھے تو اس میں تعجب کی کوئی  
بات نہیں اور اگر وہ اپنے اصحاب و معاصرین میں سے کسی ایسے شخص کو تلاش  
نہ کر سکے یا قابل اطمینان نہ سمجھ سکے جس میں ان مشکلات سے بلکہ ان سے  
بھی زیادہ پرہیز اور کٹھن معاملات سے دوچار ہونے کی صلاحیت ہوتی اور جسے  
وہ اپنا خلیفہ بناتے تو اس میں بھی کوئی حیرت و تعجب کی بات نہیں۔

پھر ایک شکل یہ بھی تھی کہ یہ تمام الجھنیں صرف نظم و نسق یا سیاست  
اور جنگ ہی سے متعلق نہ تھیں بلکہ یہ شکل اس دینی میراث کی وجہ سے پیچیدہ  
شکل اختیار کر گئی تھی جس کی نگہداشت اور حفاظت خلیفہ کا فرض تھا نیز یہ بھی  
ضروری تھا کہ اس کی روش بھی وہی ہوتی جو حکم رتی کے تحت رسول خدا کی  
تھی۔ اگر معاملہ محض فتح و ضبط و نسق اور سیاست ہی تک محدود ہوتا تو عربوں

نے بھی وہی راہ اختیار کی ہوتی جو بد قیامت سے تمدن، صنعت سے قوت اور عجز و دربانڈگی سے تسلط و غلبہ کی جانب گامزن ہونے والی ہر قوم نے کی۔ لیکن یہ معاملہ ایک ایسی فتح کا معاملہ تھا جس کے لئے اسلام کی معینہ مدد و کی پابندی ضروری تھی اور جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ہمہ گیر عدل کو بروئے کار لا کر مفتوحین کو فائزین اور فائزین کو مفتوحین کی سطح پر لا کھڑا کیا جائے۔ لہذا وہ تصور جسے اسلام نے پیش کیا اور جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ نے سمجھا غلبہ حاصل کرنا اور ٹیکس جمع کرنا نہیں تھا بلکہ اس کی غرض دنیائیت عوام کی اصلاح اور ان کی صحیح رہنمائی تھی۔ اندر صورت خلیفہ کے لئے لازمی تھا کہ وہ اپنی سیاسی انتظامی اور جنگی ذمہ داریوں میں ایک اور ذمہ داری کا اضافہ کر لے جو ان تمام ذمہ داریوں سے زیادہ مشکل اور دقت طلب تھی اور وہ بھی دینی حمایت و حفاظت کی ذمہ داری تاکہ محکوم اپنے مکرو فریب سے اور حاکم نا جائز فائدہ اٹھا کر اسے کمزور نہ کر دے۔ نیز اسے ان لوگوں کی سستی اور بے پروائی سے بچایا جائے جو اس کی حفاظت پر مامور ہوں اور جن کا فرض یہ ہو کہ وہ حفاظت و حمایت دین کے معاملہ میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہ کریں خواہ وہ ملامت کتنی ہی شدید کیوں نہ ہو۔

ان کے علاوہ ایک اور میراث بھی تھی جس کے بارے میں سوچنا حقارت عمرؓ کے لئے لازم تھا۔ تاکہ مصالح عامہ اور حقائق دین کے درمیان ہم آہنگی و مناسبت پیدا کی جائے تو وہ میراث یہ جدید استقراطیت (Aristocracy)

بھئی جو اولاً صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ممتاز طبقہ کی صورت میں اور  
ثانیاً فتح مند سپہ سالاروں کی شکل میں جلوہ گر ہوئی۔ اسی استقرائیت جو ایک  
گروہ کو دین کی طرف سے حاصل ہوئی اور ایک گروہ کو دنیا کی طرف سے حاصل  
ہوئی اور ایک تیسرے فرق کو وہ دین و دنیا دونوں طرف سے حاصل ہوئی۔

بطور مثال ایک صحابی کو لیجئے جنہیں اسلام لانے میں سبقت بخیرتیں کرنے  
اور رسول خدا کے ساتھ تمام جنگوں میں شرکت پھر مدینہ کی اقامت کے باعث دینی  
استقرائیت حاصل ہوئی۔ پھر ایک قریشی یا عام عرب کو لیجئے جو بعد میں اسلام لایا  
لیکن اس نے جنگیں فتح کرنے میں نہایت جاں فروشی کا ثبوت دیا اور فاتحین میں  
منازحتیت حاصل کر لی یہ دنیوی استقرائیت کا مالک ہے پھر وہ ایک صحابی  
ہے جس نے اسلام لانے میں سبقت کی۔ خدا اور رسول کی خاطر ہجرت اختیار کی  
پھر رسول اکرمؐ کے ہمراہ تمام جنگوں میں شرکت کی۔ پھر آپ کے بعد بھی دوسری  
جنگوں کو فتح کرنے میں امتیاز حاصل کیا۔ انہیں دینی اور دنیوی دونوں قسم  
کی استقرائیت حاصل تھی۔ چنانچہ خلیفہ کے لئے لابی تھا کہ اپنا جانشین  
مقرر کرتے وقت ان مختلف مصالح کے مابین مناسبت پیدا کرتا اور ان پر  
مسائل کا کوئی ایسا حل تلاش کرتا جو مصالح دینی و دنیوی کے پیش نظر بھی موزوں  
ہوتا اور رائے عامہ بھی اسے اپنے لئے پسند کرتی۔ لہذا اگر حضرت عمرؓ نے  
کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا یا جب ان سے جانشین مقرر کرنے کا مطالبہ کیا



تو وہ متردد ہوتے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہ تھی بلکہ اگر وہ اس کے برعکس عمل کرتے تو یقیناً تعجب ہوتا۔ حضرت عمرؓ نے اس مسئلہ کی خاطر تنگی و تکلیف کے دنوں میں امکانی کوشش کی۔ لیکن موت نے انھیں ہدایت نہ دی کہ وہ اس مسئلہ پر زیادہ دیر سوچ سکتے اور ان بلند مرتبہ اور سربراہانِ آزدہ صحابہ کرامؓ سے مشورہ لے سکتے جو ان کے ارد گرد موجود تھے۔

نظامِ شوریٰ اور اس پر تنقید

بہر حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے "شوریٰ" کا جو نظام قائم کیا تھا وہ نقائص سے خالی نہ تھا بلکہ ممکن ہے کہ اس میں شدید نقائص رہ گئے ہوں۔ سب سے پہلے جو بات ہمارے سامنے آتی ہے۔ وہ اس مجلس کی تنگی اور محدودیت ہے۔ انھوں نے اس مجلس کے کل سات رکن مقرر کئے جن میں سے ایک رکن حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو فقط مشورہ دینے کی اجازت تھی۔ خلافت کی امیدواری کے وہ مجاز نہ تھے۔ گویا وہ واحد مشیر تھے جن کے پیش نظر کسی ستم کی کوئی غرض نہ تھی۔ چنانچہ ان مشیروں نے جمع ہوتے ہی اس بہت بڑی آفت کو بھانپ لیا جو ان کی مجلس کو کسی اور ہی آہ پر لگا دے گی اور وہ آفت یہ تھی کہ ان مشیروں میں سے ہر ایک امیدوار خلافت تھا۔ لہذا ہر ایک کو ایسا غیر معمولی بارگراں کا متحمل ہونا تھا جس کا لوگوں کو شاید ہی کبھی تجربہ ہوا ہو۔ اس لئے نہیں کہ ہر ایک محض حکومت کی خاطر اپنے آپ کو ترجیح دے رہا تھا بلکہ اس لئے کہ ہر ایک اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے خیال سے

ایسا کر رہا تھا۔ ہر ایک اپنی اپنی جگہ بہ خلوص خاطر پہ سمجھتا تھا کہ وہ بار خلافت کو اٹھانے اور اس کی کماحقہ حفاظت کرنے کا سب سے زیادہ اہل ہے۔ چنانچہ جن لوگوں پر ان مشیروں کی پاسبانی کا فرض عائد کیا گیا تھا انہیں یہ دیکھ کر انتہائی قلق ہوا کہ مشیر بغیر کسی نقطہ اتفاق کے باہم جھگڑ رہے تھے۔ اور بغیر کسی موافقت کے ایک دوسرے سے سبقت بیجانا چاہتے تھے۔ یہاں تک کہ ان پاسبانوں کے سربراہ حضرت ابو طلحہؓ کہہ اٹھے کہ مجھے یہ خدشہ ہرگز نہیں تھا کہ ان میں رسہ کشی ہوگی۔ خدشہ یہ تھا کہ ان میں سے ہر ایک اس بارگراں کو ایک دوسرے پر ڈالنے کی کوشش کرے گا۔

کہا حضرت ابو طلحہؓ اپنی سادگی و پاکیزگی قلب کی بنا پر حضرت عمرؓ سے اس خیال میں متفق تھے کہ خلافت ایک بارگراں ہے جس کو اٹھانے کی حرص نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ دین و دنیا کی عافیت کے خیال سے آدمی کو اس سے دور ہی رہنا چاہیے۔ لیکن مشیروں کی رائے یہ نہ تھی۔ ان کی رائے یہ تھی کہ خلافت ایک ایسا قرص ہے جس کا بار اٹھانے کے لئے خواہ وہ بار کتنا ہی ثقیل کیوں نہ ہو ایک دوسرے سے مسابقت کی کوشش کرنی چاہیے۔ کیونکہ اگر ان کے بارے میں گمان نیک رہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ نہ رہیں تو اس سے انہیں قرب الہی حاصل ہوگا اور اگر ان کے بارے میں لوگوں کی آرا سنی برصداقت ہوں گی اور کوئی وجہ نہیں کہ نہ ہوں تو اس سے انہیں عوام کی خدمت کرنے کا موقع ملے گا۔ اس آفت سے جو مشیر

سب سے پہلے خبردار ہوا اور جس نے اس کے مدد کرنے کی کوشش کی وہ حضرت  
 عبدالرحمن بن عوفؓ تھے۔ چنانچہ انھوں نے تجویز پیش کی کہ ان میں سے ایک کن  
 اپنے آپ کو حق خلافت سے دستبردار کرے اور پھر خلیفۃ المسلمین کے انتخاب کا ہتیا  
 اسی کو دیدیا جائے۔ یہ سن کر سب چپ ہو گئے۔ یا کم از کم چار چپ ہو گئے یعنی حضرت  
 علیؓ حضرت عثمانؓ حضرت سعدؓ اور حضرت دبیرؓ۔ حضرت طلحہؓ نہ خاموش تھے  
 نہ گویا۔ کیونکہ وہ شوریٰ کے اجلاس میں موجود ہی نہ تھے۔ جب حضرت عبدالرحمن  
 بن عوفؓ نے دیکھا کہ سب خاموش ہو گئے ہیں اور کوئی بھی بخوشی حق خلافت سے  
 دستبردار ہونے کو تیار نہیں تو وہ خود دستبردار ہو گئے تاکہ خدا کی خوشنودی اور مہین  
 کی خیر خواہی کے طور پر وہ ان پانچ میں سے کسی کو خلیفۃ المسلمین منتخب کر دیں لیکن  
 ان چاروں کا حضرت عبدالرحمنؓ کی اس تجویز سے متفق ہونا بھی آسان نہ تھا۔ حضرت  
 علیؓ کو یہ حدیث تھاکہ حضرت عبدالرحمنؓ حضرت عثمانؓ کی طرفداری کریں گے کیونکہ  
 ان میں باہم نسبتی تعلق تھا۔ دوسرے تینوں کو یہ اندیشہ تھا کہ وہ بہ سبب قرابت  
 سعدؓ کی پاسداری کریں گے لیکن بالآخر سب اس بات پر باہم متفق ہو گئے کہ  
 حضرت عبدالرحمنؓ مسلمانوں کی فلاح و بہتری میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کریں گے  
 اور کسی ذاتی غرض و مصلحت قرابت یا نسبتی تعلق کا لحاظ نہ کریں گے۔ لہذا یہ قرار  
 پایا کہ حضرت عبدالرحمنؓ ان میں سے جس کو بھی منتخب کریں گے اسے باقی سب  
 خلیفہ تسلیم کریں گے۔



اگر حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ کو وسعت دی ہوتی اور اس میں حضرت  
 عبداللہ بن عمرؓ جیسے افراد کو یہ تعداد کثیر شامل کیا ہوتا جو شریک مجلس تو ہوتے  
 لیکن امیدوار خلافت نہ ہوتے تو عین ممکن تھا کہ مجلس شوریٰ کو ایسی بے اعتباری  
 اور اختلاف کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ مجھے کچھ یقین سا ہے کہ اگر حضرت عمرؓ مجلس شوریٰ  
 کی تشکیل اس طرح کرتے کہ وہ امیدواران خلافت ہی پر مشتمل نہ ہوتی کہ ان میں  
 سے جو چننا جائے وہ خلیفہ ہو جائے بلکہ وہ صرف ایسے مشیروں پر مشتمل ہوتی کہ  
 جن کے سامنے ان چہرے کے اسماء پیش کئے جاتے اور وہ ان میں سے کسی ایک کو  
 خلیفہ منتخب کر لیتے تو یہ زیادہ بہتر طریق عمل ہوتا۔ ایک اور نقطہ کی جانب نہ صرف  
 عمرؓ کی نگاہ گئی نہ ان کے بعد آنے والے مسلمانوں کی اور وہ یہ کہ انصار رضوان  
 اللہ علیہم بھی مجلس شوریٰ کی رکینت کے مستحق تھے۔ انہیں بھی یہ حق پہنچتا  
 تھا کہ اپنی رائے کا اظہار کریں اور کسی امیدوار کے انتخاب میں شریک ہوں۔  
 ہم یہ جانتے ہیں کہ جب تک مسلمان متفق رہتے خلافت قریش ہی کے پاس  
 رہتی لیکن اس قاعدہ کے سمجھنے سے ہم قاصر ہیں کہ امام کے انتخاب کا حق بھی  
 صرف قریش ہی کو ہو گا کیونکہ امام محض قریش ہی کا نہ تھا بلکہ وہ سب مسلمانوں کا امام  
 تھا۔ لہذا اس شرط کے ساتھ کہ امام قریش ہی میں سے ہو گا انتخاب میں حصہ لینے کا  
 حق سب مسلمانوں کو حاصل تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ کی اس وصیت کی وجہ سے اس  
 زمانہ اور اس کے بعد کے زمانہ میں یہ بات مسلمانوں کے دل میں بیٹھ گئی کہ انتخاب کا

بھی محض ارباب حل و عقد ہی کو حاصل ہے، یہ بات ہمارے علم میں نہیں کہ  
 عہد ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما میں بست و کشاد کے جملہ حقوق صرف قریش ہی کے  
 پاس رہے ہوں۔ کیونکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انصاریوں سے یہ کہہ کر کہ ہم امیر ہیں اور  
 تم وزیر۔ انہیں ارباب حل و عقد میں شامل کیا تھا۔ کیونکہ ہمارے خیال کے  
 مطابق حل و عقد وزراء کا کام ہے۔ بدیں صورت لازم تھا کہ انصار مجلس شوریٰ  
 میں شریک ہوتے اور انتخاب امام میں حصہ لیتے۔ بلکہ اس کا طبعی نتیجہ یہ بھی تھا  
 کہ مجلس شوریٰ میں قریش و انصار کے علاوہ عرب کے دیگر سربراہ اور وہ افراد سپہ  
 سالاران عرب اور عمال و حکام شامل ہوتے۔ اگر مجلس شوریٰ اس پنج پرشکل  
 باقی تو عین ممکن تھا کہ وہ مسلمانوں کو بہت سے مفسدات کا شکار ہونے سے  
 بچالیتی۔

ایک اور شکل جو مجلس شوریٰ کی اس تشکیل میں نظر آتی ہے وہ ہے  
 مشیروں کے اختیارات کی ہدایت جس کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف تین دن  
 مقرر کئے تھے اور جملہ مسلمانوں نے بھی اس محدود ہدایت کو قبول کر لیا تھا، چنانچہ  
 لازمی امر تھا کہ وہ آپس میں سے ہی کسی کو منتخب کر کے اسے خلیفہ مقرر کرتے اور  
 یہ مقامی مسلمان اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے۔ اور ازاں بعد صوبہ جات  
 میں اس کی بیعت کے لئے تحریر کر دیتے یا اس سے زیادہ دقیق الفاظ میں یوں کہہ  
 دیجئے کہ خود خلیفہ ہی صوبہ جات کی طرف لکھ بھیجتا کہ میری بیعت کی جہاں سے اور ساتھ



خلافت کے ان اختیارات سے کام لیتے ہوئے جو بیعت کرنے والوں نے اس کے  
پرو کئے تھے ماتحت علاقوں میں اپنی جانب سے امر و نہی کا نفاذ بھی کر دیتا۔

مطلب یہ ہوا کہ اس نظام کی رو سے صرف اہل مدینہ کو یہ مقام حاصل تھا  
کہ جب وہ کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے تو تمام ماتحت علاقوں کے مسلمانوں پر بھی اس  
کی بیعت واجب ہو جاتی تھی۔ یہ اس لئے کہ مدینہ طیبہ القدر ہاجرین و انصار اور بارگاہ  
حل و عقد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا مستقر تھا۔ دوسرا سبب یہ بھی تھا کہ امیر کے  
انتخاب میں زیادہ تاخیر پر آگندہ خاطر کی دابتری کا باعث بن سکتی تھی۔ تاہم اس میں  
کوئی شک نہیں کہ بہت سے صاحب عقل و بصیرت صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم  
حضرت عمرؓ کے حکم یا ان کی اجازت سے مختلف شہروں اور جنگ کے میدانوں  
میں بٹے ہوئے تھے۔ اور یقیناً وہ اس قابل تھے کہ اگر ان سے مشورہ لیا جاتا تو وہ  
غیر خواہی سے مشورے دیتے۔

۸۔ یہ عجلت جو بہ تقاضا کے مصلحت اختیار کی گئی تھی کچھ ایسی تشویشناک تھی  
اور کوئی شبہ نہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس مصلحت کے متعلق بخوبی پورا پورا اندازہ  
لیا تھا۔ دراصل جہاں سے یہ چیز خطرناک شکل اختیار کر گئی وہ یہ تھی کہ مجلس  
شوریٰ "عارضی تھی جو خلیفہ کے انتخاب ہونے اور اختیارات سنبھالنے کے  
پہلے ہی ٹوٹ گئی۔ اگر حضرت عمرؓ "مجلس شوریٰ" کو دوست دیدہ بنے اور اسے  
مستقل نظام کی صورت بناتے تاکہ وہ ایک طرف تو خلیفہ کے اعمال کا حجاب



لیتی رہتی اور دوسری طرف وہی حسب ضرورت مسلمانوں کے لئے نئے خلیفہ کا انتخاب  
 بھی کرتی رہتی تو اس طرح مسلمانوں کے ہاتھوں پارلیمانی نظام کی پہل ہو گئی ہوتی  
 اور وہ اس سبقت کے مستحق بھی تھے، آپ نے حضرت عمرؓ کے طریق کار کو دیکھ  
 لیا ہے کہ کس طرح وہ اس نظام کی طرف تیزی سے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔  
 لیکن میں اپنے وہی الفاظ پھر دہراتا ہوں جو ابھی ابھی اوپر لکھ چکا ہوں کہ حضرت  
 عمرؓ کو اس نظام کے بارے میں غور و فکر کرنے کی ہمت ہی نہ ملی۔ اگر وہ کچھ  
 بدلت اور زندہ رہتے تو بہت ممکن تھا کہ وہ یک سوئی سے اس مسئلہ کی طرف  
 متوجہ ہوتے اور اس بارے میں دوسروں سے مشورے لیتے اور آخر ایک  
 ایسے نظام تک پہنچ جاتے جو ہمارے بیان کردہ نظام سے مشابہ ہوتا۔ اس  
 صورت میں وہ عظیم حادثات رونما نہ ہوتے نہ وہ نازک شکل پیش آتی جو حضرت  
 عثمانؓ اور ان کے مخالف باغیوں کے درمیان پیدا ہوئی اور وہ تھا یہ سوال کہ  
 آیا مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جب کسی خلیفہ کی رکش سے ناخوش  
 ہوں تو اسے مستبد خلافت سے الگ کر دیں، بلکہ یہ بھی کہ آیا خود خلیفہ کو یہ حق حاصل  
 ہے کہ اگر رعیت اسے تنگ کر دے تو وہ خلافت سے دستبردار ہو جائے؟  
 یہ حوالہ ہوا یہی کہ مشیروں نے اپنے اختیارات حضرت عبدالرحمن بن  
 عوفؓ کے حوالے کر دیئے اور خود حاکم اپنے گھروں میں بیٹھ گئے۔ حضرت  
 عیینہؓ حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق نماز پڑھتے رہے۔ حضرت عجلوؓ

اور ان کے ساتھ حضرت عبدالرحمن بن عوف کے دروازے پر تین دن کی ہولت کے ختم ہونے کا انتظار کرتے رہے کہ وہ (حضرت عبدالرحمن بن عوف) اس دوران میں خلیفۃ المسلمین کا انتخاب کر لیں۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے مسلمانوں کی خاطر مورد فکر اور استخارہ ہی پر اکتفاء کیا بلکہ وہ کبھی لوگوں کے پاس جا کر اور کبھی ان کو اپنے پاس بلا کر مشورے کرتے رہے یہ مشورے مردوں ہی تک محدود نہ تھے بلکہ انھوں نے بافضیلت عورتوں سے بھی جن میں اہبات المؤمنین پیش پیش تھیں مشورے کئے۔ آخر جب تین دن گزرنے کو آئے تو انھوں نے حضرات علی اور عثمان رضی اللہ عنہما کو اپنے یہاں بلایا اور یکے بعد دیگرے ہر ایک سے تخلیہ میں بات حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر آپ کو منتخب نہ کیوں تو آپ کس کے انتخاب کا پیش دین گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: "حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا۔" اسی طرح جب حضرت سے تخلیہ میں بات کی اور یہی سوال ان سے کیا تو انھوں نے جواب دیا: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا۔ اگرچہ اس میں کچھ شک کا احتمال ہے کیونکہ حضرت عبدالرحمن بن عوف کی ان دونوں کے ساتھ جو گفتگو ہوئی اس میں کوئی بیسرا موجود نہیں تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے حضرات علی رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ سے باری تخلیہ میں گفتگو ضرور کی تھی۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمن بن عوف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے تھے۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ کی نشست سے ایک درجہ نیچے اتر آئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ  
 ابو بکر رضی اللہ عنہ کی نشست سے ایک درجہ اور نیچے آگئے تھے پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ  
 ہوئے تو انھوں نے کہا "اگر خلیفہ ایک سیڑھی نیچے اترتا گیا تو معاملہ رُکے گا کہا"  
 پھر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ پر بیٹھ گئے۔

ہاں تو حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ  
 ممبر رسول پر چڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ  
 وسلم کے تشریف فرما ہونے کی جگہ  
 خلافت کیلئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب

پر بیٹھ گئے۔ اس وقت انھوں نے وہی عمامہ باندھ رکھا تھا جو انھیں آنحضرت نے  
 ایک ہم کے دوران میں عطا فرمایا تھا۔ حضرت عبدالرحمن بہت دیر تک خاموش  
 رہے اور دُعا مانگی جسے لوگوں نے نہیں سنا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا "ذرا میرے  
 پاس تشریف لائیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس گئے حضرت  
 عبدالرحمن نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا کیا آپ مجھے یہ عہد  
 دیتے ہیں کہ آپ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے طریقہ  
 پر کار بند رہیں گے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا میں عہد نہیں دیتا مگر اپنی امکانی  
 کوشش ضرور کروں گا۔ حضرت عبدالرحمن نے ان کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اور حضرت  
 عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا "یہاں تشریف لائیے۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تگے بڑھ کر منبر  
 کے پاس کھڑے ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمن نے ہاتھ بڑھا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا



ہاتھ پکڑا اور کہا "کیا آپ مجھے یہ عہد دیتے ہیں کہ آپ کتاب اللہ سنت رسول اللہ  
اور حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے طریق عمل پر کاربند رہیں گے؟" حضرت  
عثمانؓ نے کہا "ہاں" حضرت عبدالرحمنؓ نے کہا اے خدا تو ہمارے اس  
معاہدہ پر گواہ رہنا۔ اے خدا گواہ رہنا۔ اے خدا گواہ رہنا۔ اس کے  
بعد لوگوں نے اٹھ کر حضرت عثمانؓ کی بیعت کرنی شروع کر دی۔ حضرت علیؓ  
نے بھی دوسروں کے ساتھ بلا ترو و بیعت کر لی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ  
نے ترو کیا تھا، اس پر حضرت عبدالرحمنؓ نے کہا اے علیؓ لوگوں کو آپ  
یاد پر اعتراض کرنے کا موقع نہ دو، اور پھر یہ آیت تلاوت کی۔

فَمَنْ تَمَكَّنَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أُوْفِيَ  
بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ فَمُؤْتِيهِ أَجْرًا  
عَظِيمًا

اور جو عہد توڑے گا اس کا وبال خود اسی پر پڑے گا۔ اور جو خدا کے ساتھ  
کئے ہوئے عہد کو پورا کرے گا اسے خدا عنقریب بہت بڑا اجر دے گا۔

پسین کر حضرت علیؓ بیڑھے اور بیعت کر لی۔ لیکن میں وثوق سے یہ کہوں گا کہ  
حضرت علیؓ نے پس و پیش نہیں کیا۔ اور نہ اس عہد کے یاد دلانے کی انھیں ضرورت  
پیش آئی ہوگی۔ کیونکہ حضرت علیؓ رضایسے وعدہ وفا اور کریم النفس تھے کہ  
انھیں ایسی تنبیہ کی حاجت ہی نہ تھی ان کی تمام سیرت سر تا سر اس پر شاہد ہے۔

مورخین کی موثق ترین روایت کے بموجب ذی الحجہ ۲۳ھ کے آخری  
دن کا سورج ابھی غروب نہ ہوا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب  
ہو چکے تھے۔ اور محرم ۲۴ھ میں انہوں نے زمام خلافت سنبھال لی۔



دعوت به اسلام اور توحید کی تعلیم

سیدنا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب

رأى في ذلك ما لا يرى في غيره

۱۰۰

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آغاز

خلافتِ ملتِ محمدی پہلی آزمائش

بن عمرؓ کا واقعہ ہے حضرت عبید اللہؓ نے ہرمزان جھینہ اور بنت ابی لؤلؤہ کو قتل

کر دیا تھا۔ یہ واقعہ مسلمانوں کے لئے ایک نہایت کڑی آزمائش تھی۔ ابو لؤلؤہ

شخص ہے جس نے حضرت عمرؓ کو شہید کیا۔ حضرت عمرؓ نماز پڑھانے کے لئے

برے کہ اس نے آپ کے دوشاخا خنجر گھونپ دیا۔ لوگوں نے اسے گھیر لیا لیکن

قیل اس کے کہ اس سے کچھ سوال و جواب ہوتا اس نے خود کشی کر لی۔ ایک شخص

بیان ہے کہ وہ ابو لؤلؤ ہرمرزان سے ملا تھا۔ ہرمرزان مسلمان ہو چکا تھا۔ جُفَی

عیسائی تھا۔ وہ تینوں بڑی رازدارانہ سرگوشیاں کر رہے تھے اور یہی خجراں



ہاتھوں میں تھا۔ جسے وہ الٹ پلٹ کر دیکھ رہے تھے۔ جب وہ شخص ان کے قریب پہنچا تو وہ کھڑے ہو گئے اور خنجر ان کے ہاتھ سے گر پڑا۔ بہر حال جب حضرت عمرؓ وفات پا گئے تو حضرت عبید اللہ بن عمرؓ تلوار لہراتے ہوئے آئے اور ہرمزان کو قتل کر دیا۔ راویوں کا قول ہے کہ جب ہرمزان کو تلوار ملی تو اس نے کہا لا الہ الا اللہ۔ اس کے بعد حضرت عبید اللہ جھینہ کے پاس گئے اور اسے بھی قتل کر دیا۔ راویوں کا بیان ہے کہ جب اسے احساس مرگ ہوا تو اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے صلیب کا نشان بنایا۔ پھر حضرت عبید اللہ ابو لؤلؤہ کے گھر پہنچے اور وہاں اس کی بیٹی کو قتل کر دیا۔ یہ بات صلیب تک پہنچی جو مسلمانوں کو نماز پڑھنے پر مامور تھے۔ انھوں نے مسلمانوں میں سے کسی کو بھیجا کہ جا کے حضرت عبید اللہؓ کو روک دیں۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ رضی اللہ عنہ نے پہنچ کر انھیں تباہ کر لیا۔ اور اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک کہ ان کے ہاتھ سے تلوار نہ چھین لی۔ اس کے بعد حضرت عبید اللہؓ کو قید میں رکھا گیا تا آنکہ خلیفہ اس مقدمہ کا فیصلہ نہ کر دے۔

✓ بہر حال ابھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت مکمل بھی نہ ہونے پائی تھی کہ انھوں نے حاضرین سے حضرت عبید اللہؓ کے بارے میں مشورہ کیا جنھوں نے اپنا انتقام بغیر کسی واضح ثبوت کے خود ہی لے لیا تھا۔ حکومت کی اجازت کے بغیر انھوں نے ایک مسلمان اور دو ذمیوں کو بغیر حکومت کے فیصلہ کے ناحق

قتل کر ڈالا تھا۔ چنانچہ بعض اہل بصیرت و تقہ بزرگوں نے جن میں حضرت علیؓ بھی شامل تھے قصاص کا مشورہ دیا۔ کیونکہ حضرت عبید اللہؓ نے جیسا کہ آپؐ دیکھا خدا کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کیا تھا۔ مگر بہت سے مسلمان یہ کہہ رہے تھے کہ کل تو عمر مارے گئے اور آج ہم اُن کے فرزند کو قتل کریں، اس ضمن میں کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا تھا کہ خدا تعالیٰ نے آپؐ کو اس قضیہ سے بچا لیا کیونکہ یہ حادثہ اس وقت رونما ہوا ہے جبکہ آپؐ نے پوری طرح و امام اقتدار اپنے ہاتھ میں نہیں لی تھی۔

اس مقدمہ کا حضرت عثمانؓ نے جو فیصلہ کیا تھا اس میں مورخین نے اختلاف کیا ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے قصاص کا فیصلہ کیا تھا۔ اور حضرت عبید اللہؓ کو پیر مرزاں کے حوالے کر دیا تھا کہ وہ اس سے اپنے باپ کا انتقام لے لے۔ اکثر مورخین یہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ ہر مرزا اور عبید اللہؓ کے ہاتھوں دوسرے مقتولین کا والی میں ہوں۔ میں اسے معاف کرتا ہوں اور دیت کی رقم بیت المال میں جمع کرتا ہوں۔ مؤرخان ذکر فیصلہ حضرت عثمانؓ کی بصیرت کے عین مطابق ہے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اپنے عہد خلافت کا افتتاح ایک قریشی نوجوان اور وہ بھی حضرت عمرؓ کے فرزند کے خون سے کریں۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی نہ چاہتے تھے کہ ایک مسلمان اور دو ذمیوں کا خون رائیگاں جائے۔ لہذا انہوں نے راہ عافیت اختیار کی یعنی دیت کی رقم اپنی جیب سے بیت المال میں

داخل کر دی۔ اور حضرت عبید اللہ بن عمرؓ کی جان بخش دی۔ اگر اس قضیہ کو غامض  
سیاسی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ فیصلہ صحیح اور موزوں تھا۔ کیونکہ مسلمانوں  
میں سے جس نے یہ کہا تھا کہ کل حضرت عمرؓ مارے گئے اور آج ہم ان کے فرزند  
کو کیونکر قتل کر دیں، وہ غلطی پر نہ تھا۔ اگر حضرت عثمانؓ حضرت عبید اللہ بن عمرؓ  
سے قصاص لئے جانے کا فیصلہ کر دیتے تو اس سے بنی عدی اور خصوصاً آل خطاب  
کے دلوں کو ضرور اپنا دشمن بنالیتے۔ اور اگر اس طرح معاف کر دیتے کہ مقتولین  
کا خون بہا بھی ادا نہ ہوتا تو اس سے بد نظمی اور انار کی کا کبھی نہ بند ہونے والا  
وردانہ کھل جاتا۔

لیکن یہ صرف ایک سیاسی قضیہ ہی نہ تھا بلکہ اولاً یہ دینی قضیہ تھا اور کیا  
بعد میں۔ امام کو معافی کا حق موت اسی شکل میں حاصل ہے کہ اس کی معافی سے  
دین کی حدود میں کوئی تعطل نہ پیدا ہوتا ہو۔ اس طرح یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے  
کہ بہت سے متشدد مسلمان حضرت عثمانؓ کے اس فیصلہ سے کیوں راضی نہ تھے۔  
چنانچہ بعض انصاری حضرت عبید اللہؓ کو ہمیشہ قتل ہرمزان کی یاد دلاتے اور  
اس کے قصاص سے ڈراتے رہتے تھے۔ زیاد بن لبید البیاضی شاعر جب  
بھی حضرت عبید اللہؓ سے ملتا تو انھیں یہ اشعار سناتا۔

أَلَا يَا عُبَيْدَ اللَّهِ مَا لَكَ مُهْرَبٌ  
وَلَا فُلْبَانٌ مِنْ ابْنِ أُمِّ رُؤْيٍ وَلَا خَطَمٌ



أَصَبْتُ دَمًا وَابْنَهُ فِي غَيْرِ حِلِّهِ  
 خَرَامًا وَقَتْلُ الْهَرْمُزَانِ لَهُ خَطَرٌ  
 عَلَى غَيْرِ شَيْءٍ غَيْرَ أَنْ قَالَ قَائِلٌ  
 أَتَقْتُمُونَ الْهَرْمُزَانَ عَلَى عَمْرٍ  
 فَقَالَ سَفِيهٌ، وَالْحَوَادِثُ جَمَّةٌ  
 نَعَمْ، أَتَقْتُمُونَ أَشَاءَ وَقَدْ كُنْ  
 وَكَانَ سِلَاحُ الْعَبْدِ فِي جُوفِ بَيْتِهِ  
 يُقَلِّبُهُ وَالْأَمْرُ بِأَوْ مُرٍ يُعْتَبَرُ

(ترجمہ) اے عبید اللہ تیرے لئے ابن اُرویٰ ہرمزان کے بدلہ سے بھاگ  
 نہ بچنے کے لئے نہ کوئی بچنے کی جگہ ہے نہ حفاظت کا مقام ہے نہ کوئی  
 جس پناہ دینے والا ہے۔ مجھ تو نے ناحق خون کیا ہے، اور ہرمزان کا قتل  
 بہر حال خطرناک ہے۔ بلا کسی سبب اور ظاہر ثبوت کے صرف کہنے والے  
 کے کہنے پر تم نے اسے قتل کر ڈالا، کیا تم ہرمزان پر حضرت عمرؓ کے  
 قتل کی تہمت لگاتے ہو؟ — حادثات تو بے پناہ ہوتے ہیں۔  
 بیوقوف کہتا ہے کہ ہاں، میں اس پر تہمت لگاتا ہوں، یقیناً اس نے  
 قتل کا ایما کیا تھا اور قتل کا حکم دیا تھا۔ قاتل غلام کا ہتھیار  
 اس کے گھر میں تھا جسے یہ الٹ پلٹ رہا تھا، اور ایک بات سے دوسری

قیاس کیا جاتا ہے۔

جب زیاد کی یہ حرکتیں برہ گئیں تو حضرت عبید اللہ نے حضرت عثمان سے  
س کی شکایت کی، چنانچہ انہوں نے خود زیاد کو اس حرکت سے منع کیا لیکن وہ  
باز نہ آیا، بلکہ خود حضرت عثمان کے متعلق یہ اشعار کہے۔

أَبَا عَمْرٍو عَبِيدُ اللَّهِ رَهْنٌ  
فَلَا تَشْكُكَ بِقَتْلِ الْهَرَمِزَانِ

فَاِنَّكَ اِنْ غَفَرْتَ الْجُرْمَ عَنْهُ

وَاَسْبَابُ الْخَطَا فَرَسَارِ هَانِ

لَتَعْفُو اِذَا عَفَوْتَ بِعَنِّي حَقَّ

فَمَا لَكَ بِالَّذِي عَنِّي بَيْدَانِ

ترجمہ: ابو عمر! کنیت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی۔ اس میں شکست کرو

کہ عبید اللہ ہرمزان کے قتل کے عومن رہن ہے۔ تم نے اگرچہ اس کے

جرم کو بخش دیا ہے لیکن جرم کے اسباب اس کا تقاب کر رہے ہیں

تم نے ناحق جو معافی دی ہے اس کے تم مجاہدہ تھے۔

اس پر حضرت عثمان غصہ ہوئے اور انہوں نے زیاد کو بلا کر سختی سے منع کیا چنانچہ  
بہ باز آگیا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اسی خیال کے تھے اور اگر وہ اپنی خلافت  
کے دوران میں حضرت عبید اللہ کو پالیتے تو ان سے ضرور انتقام لے لیتے۔ لیکن



حضرت عبید اللہؓ خون عثمانؓ کا انتقام لینے والوں کے ہمراہ نکل گئے تھے اور  
 امیر معاویہؓ کی جانب سے لڑتے ہوئے صفین کی جنگ میں مارے گئے، جن لوگوں  
 کو حضرت عبید اللہؓ کی جان بخشی پر غصہ آ رہا تھا ان کے مد نظر ایک تو صریح قرآنی حکم  
 تھا اور دوسرے یہ خیال تھا کہ حضرت عبید اللہؓ کو فقط اس لئے چھوڑ دیا گیا ہے کہ  
 وہ خلیفہ کا بیٹا ہے حالانکہ اس نے ایک عجمی نو مسلم اور دو ذمیوں کو قتل کیا تھا۔  
 چنانچہ ان کے نزدیک اس عفو کے سبب سے گویا مسلمانوں کے مابین تفریق و  
 امتیاز روار کھا گیا۔ کیونکہ حضرت عبید اللہؓ عرب تھے اور ہرمزان عجمی۔ حالانکہ  
 خدا نے مسلمانوں میں کسی تفریق کو قائم نہیں رکھا۔ اس نے سب کے خون  
 مال اور ناموس کی ضمانت دی ہے۔ قطع نظر اس سے کہ کسی کے آباؤ اجداد  
 کیا تھے یا کوئی کس نسل سے تھا۔ تو گویا اس عفو کی رو سے کچھ اس قسم کا  
 احساس ہوتا تھا جیسے ذمی کا خون رائگاں گیا ہو۔ حالانکہ دین نے اس کی  
 حرمت اور اس کے حقوق کی حفاظت کا اقرار کیا ہے۔ غرض وہ دُرتے تھے کہ  
 اگر معاملات کو اسی پہنچ پڑ چلنے دیا گیا کہ خلفاء کے فرزندوں اور غلاموں کو  
 انصار کے بیٹوں کو خود اپنی ہی مرضی سے انتقام لینے کا حق حاصل ہو اور  
 اپنی من مانی کا زور وائیاں اسی طرح کرتے پھریں کہ نہ اپنا معاملہ حکومت  
 کے سامنے رکھیں نہ منتقم علیہ کے خلاف کوئی دلیل محکم پیش کریں تو اس کا  
 یہ ہو گا کہ صورت حال بگڑ جائے گی۔ عدل ناپید ہو جائے گا۔ مزاج کا



ہوگا احکام دین پامال ہو جائیں گے۔

✓ ہم پھر اصل بحث کی طرف رجوع کرتے ہیں ہمارا خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ کو امیر المسلمین ہونے کی حیثیت سے معاف کر دینے کا حق حاصل تھا۔ ساتھ ہی ہم یہ بھی اضافہ کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے معافی دے کر نہ کسی حکم خداوندی کو معطل کیا اور نہ ہرمزان اور اس کے دونوں ساتھیوں کے خون کو رائیگاں چھوڑا۔ بلکہ انہوں نے اپنی جیب سے خوں بہا بیت المال میں جمع کرادیا۔ ظاہر ہے کہ بیت المال ہی ان کا تہادارت تھا۔ تاہم اس قسم کی معافی اپنے اندر ان لوگوں کے دل میں شبہ پیدا کرنے کا سامان ضرور رکھتی تھی جو دین کے معاملہ میں کفر اور تشدد تھے۔ کیونکہ حضرت عبید اللہؓ کو تو ان کے جرم کی کوئی سزا نہ ملی تھی۔ اٹھ حضرت عثمانؓ نے اپنی جیب سے دیت ادا کر کے حضرت عبید اللہؓ کو جرمانہ کے بوجھ سے بھی نسکدوش کر دیا تھا۔ اگر حضرت عثمانؓ حضرت عبید اللہؓ کی جاں بخشی کر کے خوں نہا کی ادائیگی ان پر اور ان کے قبیلہ پر لازم کر دیتے تو پھر بے شک حد بجالا رہتی اور کوئی شخص ان کے فیصلہ کو ناپسندیدگی کی نگہ سے نہ دیکھتا۔ اور اگر آل خطاب پر کرم کرتے ہوئے انہوں نے دیت کی رقم اپنی گھر سے ادا کر دی تھی تو حضرت عبید اللہؓ کو برائے تغیر و تادیب قید کر دیتے حتیٰ کہ خدا سے وہ اپنے گناہ کی معافی مانگتے اور اپنے جرم پر نادم ہوتے۔ اور اس امر پر اظہار انسوس کہتے کہ انہوں نے ماہلیت کے جوش غیرت میں مبتلا ہو کر حکومت کی توہین کی۔ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

یہ طریقہ اختیار کرتے تو ان کے لئے اس انجمن سے مفر کی گنجائش نکل آتی۔ اور حضرت عبید اللہ جیسے نوجوانان قریش کو معلوم ہو جاتا کہ مسلمانوں اور ذمیوں کا خون خدا اور حکومت کے نزدیک اتنا محترم ہے کہ جو بھی اس خون سے ہاتھ رنگے گا اسے ضرور سزا ملے گی۔ خواہ وہ سزا سخت ہو یا نرم درگزر سے ہرگز کام نہ لیا جائے گا۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے تو حضرت عبید اللہ کو ان وقارغالبی اور لذت زندگی سے بلا خوف و خطر تشع کے مواقع بہم پہنچائے رکھے۔

✓ پھر حال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سیاست کا آغاز اس واقعہ سے ہوا جو رحم۔ نری اور عافیت پسندی کا مرتع ہے جس میں ہر اس چیز سے گریز ہے جو لوگوں کو دکھائے یا مخصوص عربوں کے دل، پھر اس میں سے بھی، خاص طور پر ہاجرین و نزرندان ہاجرین کے اس ممتاز طبقے کے دل۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی اس حکمت علی کو بعض لوگوں نے تو پسند کیا اور بعض نے ناپسند کیا۔ انقضض حضرت عثمانؓ کی خلافت کا آغاز شک و شبہ اور اختلاف کے اس لمبے چلے واقعہ سے ہوا۔ اگر حضرت عثمانؓ کی جبکہ حضرت عمرؓ ہونے اور ان کے پاس کوئی قریشی نوجوان لایا جاتا تو وہ اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ وہ کس خاندان کا فرد اور کس باب کا بیٹا ہے یقیناً سنجیدگی سے کوئی ایسا فیصلہ کرتے جس میں حدود اللہ کے نفاذ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف شامل نہ ہوتا۔ بلاشبہ حضرت عثمانؓ کے اس فیصلہ نے پہلے ہی قدم پر اپنی خلافت اور حضرت عمرؓ کے عہد

ملافت میں ایک نمایاں فرق ظاہر کر دیا جس کا امتیازی نشان نری اور ہربانی  
 نا۔

بائیں ہمہ لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف فیصلہ کرنے میں جلد بازی سے  
 نہیں لیا، اور وہ جلد بازی کرتے بھی کیسے وہ تو خود اس بارے میں حضرت عمرؓ  
 قابل احترام شخصیت کی وجہ سے مختلف انجیال تھے اور ان کا خیال تھا کہ ان کے  
 وعیال کی رعایت بھی ملحوظ رکھی جائے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حکم  
 تھا کہ شبہات کی صورت میں حدود کے نفاذ سے بچاؤ کی شکل نکالی جائے۔

لکنا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بھی حضرت عبید اللہؓ کو اسی شبہ پر معافی دیدی  
 انھوں نے اپنے والد کے صدمہ کی وجہ سے مغلوب الغضب ہو کر یہ حرکت  
 کی تھی، اللہ تعالیٰ نے بھی مسلمانوں کے لئے طاقت ہوتے ہوئے معاف  
 کو پسند فرمایا ہے اور اس پر ان سے جزائے خیر کا وعدہ کیا ہے۔

مورخین کا بیان ہے کہ حضرت  
 امیب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

عثمانؓ نے خلیفہ بنتے ہی سلطنت  
 دیہات میں چٹھیاں روانہ کیں جن میں سے کچھ گورنروں کے نام تھیں۔ کچھ  
 رول کے نام اور کچھ عامۃ الناس کے نام۔ یہ چٹھیاں زیادہ نہیں تو کم از کم  
 عثمانؓ کی اس سیاسی حکمت عملی کی تصویر ضرور پیش کرتی ہیں۔ جسے وہ اپنے  
 مہد میں مسلمانوں کے درمیان رائج کرنا چاہتے تھے اور جس پر وہ خود بھی کاربند



تھے یہ مکاتیب ضرور اس قابل ہیں کہ انہیں یہاں درج کیا جائے اور ان پر ہتھی  
 دیر پھیر کر غور کیا جائے تاکہ ہمیں یہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہو کہ حضرت عثمانؓ کس  
 تک اپنے مقرر کردہ لائحہ عمل پر پورے اترے۔

✓ طبرحق کی روایت کے مطابق حضرت عثمانؓ نے ۳۵ھ کے اوائل میں ا  
 عمال کو اس مضمون کے خط لکھے "اما بعد! خدا نے ائمہ کو رعیت کا محافظ و نگران  
 کا حکم دیا ہے یہ حکم نہیں دیا کہ وہ زکوٰۃ و صدقات (ٹیکس) اکٹھا کرنے والے  
 جائیں، امت مسلمہ کے پیش رو ائمہ محصل نہیں تھے بلکہ رعیت کے محافظ  
 تھے۔ لیکن اب کچھ ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ حکام محافظ و نگران بننے کی بجائے  
 صرف محصل بن کر رہ جائیں گے۔ اگر انہوں نے یہ راہ اختیار کی تو پھر حیار  
 اور وفکار شہ متقطع ہو جائے گا۔ یاد رکھو! سب سے زیادہ منصفانہ  
 بر عدل طرز عمل یہ ہے کہ تم مسلمانوں کے احوال و واجبات کا خیال رکھو  
 ان کا حق ہے وہ انہیں دو اور جوان پر اپنا واجب ہے وہ لو۔ ازالہ  
 ذمہ کی نگہداشت کرو۔ جوان کا حق ہے وہ انہیں دو اور جوان کے  
 واجب الادا ہے اس کی ادائیگی کا انہیں پابند بناؤ۔ پھر دشمن کا معاملہ  
 جن سے تم نوبت بہ نوبت دوچار ہوتے رہتے ہو۔ ان پر غلبہ حاصل ہو  
 دفا سے عہد پر پابند رہو۔"

یہ مختصر سا خط جو حضرت عثمانؓ نے لکھا یا لکھوایا یہ ظاہر کرتا ہے کہ

اس میں کسی کلفت باریک بینی، اور خیال آرائی سے کام لئے بغیر عدل پر زور دیا ہے  
 اس میں عمال کو چار باتوں کا حکم دیا ہے۔ پہلی چیز یہ کہ وہ محصل کی بجائے محافظ  
 خزان بن کر رہیں یعنی حکومت سے ان کا مقصد محکوموں کے ساتھ خوش معاملگی ہو نہ  
 حکومت کو دولت مند کرنا اور حکام کی خواہش زرا مزدوری کو پورا کرنا۔ اس پہلو پر حضرت  
 فان نے بہت زیادہ زور دیا ہے اور بار بار زنگران و محصل کے الفاظ و ہر اے میں  
 ان کے اصرار پر ولالت کرتا ہے۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ حضرت عثمان  
 رضی اللہ عنہ اسلام کا بنیادی مقصد واضح کرنا چاہتے تھے جو عربوں کو شاہراہ  
 رحمت پر ڈالتے وقت اسلام کے پیش نظر تھا۔ وہ بنیادی مقصد سب سے  
 لئے اصلاح تھا۔ کیونکہ اسلامی فتح جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے تسلط  
 غلبہ کے لئے فتح نہ تھی بلکہ وہ نگرانی، مہربانی اور اصلاح کی خاطر فتح تھی۔  
 حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اعتراف کرتے ہیں کہ اس امت کے اولین امام محافظ  
 خزان تھے۔ محصل نہ تھے۔ یہ ائمہ کون تھے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 و حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما۔ پھر وہ اس خطرہ کا اظہار کرتے ہیں کہ میاں  
 نہ محافظ و نگران ہونے کی بجائے محصل بن کر رہ جائیں۔ جس کی وجہ سے  
 یار کا سلسلہ منقطع ہو جائے اور اس کی جگہ ڈھٹائی پیدا ہو جائے جو حق کو  
 شائع کر کے باطل و معصیت پر کاربند کر دے۔ امانت داری کا رشتہ منقطع  
 ہو جائے اور اس کی جگہ فریب کاری و خیانت پاؤں بھلے جس سے ائمہ اور



اور محافل کے جملہ حقوق بر باد ہو جائیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ باہم ایک دوسرے  
 کو شک کی نگاہ سے دیکھنے لگیں گے اور بدظنی کا شکار ہو جائیں گے۔ نیز ان کے  
 باہمی معاملات صاف گوئی اور اخلاص کی بجائے فریب دہی و ریاکاری پر مبنی  
 ہو کر رہ جائیں گے۔ اگر وفا کا رشتہ منقطع ہو جائے گا تو غداری جگہ لے لے گی۔  
 لوگوں کو لامتناہی شر میں ڈال دے گی، ان میں بھیانک و مکروہ خود پسندی  
 پیدا کر دے گی جس کی وجہ سے کوئی کسی کی حرمت کا پاس نہ کرے گا۔ نہ ایک  
 دوسرے کے وقار کو ملحوظ رکھے گا۔ بیشک حضرت عثمانؓ کا یہ طریق کار وہی ہے  
 جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا طریقہ تھا۔  
 کسی دوسری چیز ان ہدایات کی تفصیل ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ  
 اپنے عمال کے نام جاری فرماتے۔ یعنی نگہداشتِ عدل۔ ان معاملات میں  
 جو باہم مسلمانوں سے تعلق رکھتے ہوں اور ان میں بھی جو مسلمانوں اور ان کے  
 ائمہ و حکام کے مابین ہوں۔ لہذا یہ جائز نہیں کہ حکومت کی خوشنودی سے  
 خیال سے مسلمانوں پر زیادتی کی جائے اور نہ یہ جائز قرار دیا کہ عامۃ المسلمین  
 خاطر حکومت پر ظلم ہو۔ ضروری تھا کہ مسلمانوں پر جو کچھ واجب ہو ان سے  
 جائے جو ان کا حق ہو انھیں واپس کر دیا جائے کیونکہ حکومت کا مطلب  
 نہیں۔ نہ یہ کہ زکوٰۃ و خراج کی وصولی میں ضرورت سے زیادہ سختی کی جائے  
 یہ کہ لوگوں پر ان کے کسی معاملہ میں بھی جبر و تسلط روا رکھا جائے۔ بلکہ ایک



طریقہ ہو جس کی رو سے نہ حاکم کو ضرر پہنچے نہ محکوم کو۔

تیسری چیز حقیقتاً بعینہ دوسری چیز ہے۔ لیکن اس کا خصوصی تعلق ان معاہدات سے ہے جو اہل ذمہ سے کئے گئے تھے۔ کیونکہ اہل ذمہ بھی عدل کے اتنے ہی مستحق تھے جتنے مسلمان۔ ان کے بھی وہی حقوق تھے جو مسلمانوں کے تھے۔ اور جب تک وہ ایک نیتی اخلاص اور وفائے عہد سے کام لیتے ان پر بھی وہی فرائض عائد ہوتے تھے جن کے مسلمان ذمہ دار تھے، لہذا یہ اجازت نہ تھی کہ ان سے دہی رقم سے زیادہ ہول کر کے ان پر ظلم کیا جائے اور نہ یہ اجازت تھی کہ انہیں ان کے حق سے زیادہ عایت دے کر مسلمانوں پر ظلم کیا جائے۔

چوتھی بات کا تعلق دشمنوں سے تھا۔ جن کا عمال کو اپنے اپنے صوبہ جات میں سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ ائمہ کی ہدایات و نصائح میں یہ ہدایت و نصیحت ہایت درجہ حکیمانہ و اعلیٰ ہے۔ اور یہ حضرت عثمانؓ کی اختراع نہ تھی کیونکہ حضرت فلانؓ اختراع اور جدت طرازی کو پسند نہ کرتے تھے۔ اس ہدایت میں انہوں نے وحی الہی کی اتباع کی تھی جیسا کہ قرآن مجید کی سورہ برات اور دوسرے حالات میں مذکور ہے، بہر حال حضرت عثمانؓ نے اپنے عمال کو فتوحات اور دشمن پر غلبہ سکھانے کے لیے اس شرط کے ساتھ کہ وفائے عہد کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹے کیونکہ یہ دشمن کا حق دشمن کے معاملہ میں بھی نہ تھا۔ ان کافروں کا کہ وہ دعوت اسلام میں کرتے۔ دعوت قبول ہو جاتی تو نبیہا، ورنہ صلح کی پیشکش کرتے۔ اگر یہ پیشکش

منظور ہو تو پھر بات ختم ہو جاتی ہے بصورت دیگر اعلان کر دیا جائے کہ ہم اور تم دونوں ایک دوسرے کے خلاف کارروائی کرنے میں آزاد ہیں۔

یہ حال یہ سیاسی حکمت علی جسے حضرت عثمانؓ نے اپنے عمال کے لئے متین کیا تھا۔ حقیقتاً وہی سیاست تھی جو خود قرآن مجید نے کرایا تھا اور حضرت عثمانؓ کے پیش رو ائمہ بھی اس پر عمل پیرا رہے تھے۔

اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے خراج و دوسرا مکتوب کرنے والے عالموں کے نام ایک مکتوب جاری کیا۔

جس میں لکھا تھا۔ امانت خدا نے مخلوقات کی تخلیق حق کے ساتھ کی ہے اور وہ صرف حق ہی قبول فرماتا ہے۔ حق وصول کر دے۔ اور حق کے بدلے میں حق ادا کر دے۔ معاملہ میں امانت داری ملحوظ رکھو اور ہمیشہ اس پر کاربند رہو۔ تم امانت میں خیانت کی ابتداء نہ کرنا۔ ورنہ اس عمل کے باعث تمہارے بعد آنے والے خاندانوں کے حشر میں بھی تم برابر کے حصہ دار ہو گے۔ وہاں بہت بڑی چیز ہے اپنے عہد و وقت نام نہان یتیم اور یتیموں پر ظلم و زیادتی نہ کرو، کیونکہ جو ان پر ظلم کرتا ہے خدا اس کا دشمن ہو جاتا ہے۔“

یہ خط جو اپنے دلائل و اختصار کی وجہ سے ممتاز ہے انہی چیزوں پر زور دے اور انہی باتوں کی طرف رغبت دلا رہا ہے جو پہلے خط میں درج تھیں، لیکن اس میں جو تاکید اور زور پایا جاتا ہے وہ پہلے خط میں نہیں۔ خدا نے مخلوقات کی تخلیق

حق کے ساتھ کی ہے اور وہ حق کے سوا کچھ بھی قبول نہیں کرتا لہذا ائمہ کو چاہیے کہ وہ خدا کی محبوب چیزوں کے سوا دوسری باتوں کے ذریعہ سے اس کا قرب نہ چاہیں۔ اس لئے ان پر واجب ہے کہ وہ حق وصول کریں۔ نہ اس میں کمی کریں نہ زیادتی۔ حق ادا کرنے میں بھی زیادتی سے کام نہ لیں۔ اور نہ انحراف برتیں۔ جب وہ حق کو اس صورت میں واجب کر لیں تو پھر ان کا اولین فرض جسے ملحوظ رکھنا ان کے لئے ضروری ہو گا یہ ہے کہ لوگوں سے محاصل کی وصولی اور رفاہ عامہ پر خرچ کرنے کے معاملہ میں امانت سے کام لیں۔ جو کچھ بچے اسے دیانتداری کے ساتھ خلیفہ کی تحویل میں دیدیں تاکہ خلیفہ اسے پوری ملکیت کی رفاہ و بہبود کے لئے خرچ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمانؓ مال خراج کو متنبہ کر رہے ہیں کہ وہ امانت سے انحراف کرنے کی ابتداء کریں ورنہ وہ اپنے اس انحراف کے سبب نہ صرف اپنا بلکہ اپنے بعد آنے والے خیانتیوں کے گناہوں کا بار بھی اٹھائیں گے۔ امانت کے بعد حضرت عثمانؓ نے وفائے عہد کا حکم دیا ہے۔ اس بارے میں بھی وہی تاکید و شدت ہے جو امانت کے ضمن میں بیان ہوئی ہے۔ اس کے بعد یتیموں اور یتیموں پر ظلم کرنے سے منع کیا ہے۔ اور خدا کے عتاب سے متنبہ کیا ہے۔ کیونکہ خدا یتیموں اور یتیموں پر ظلم کرنے والوں کا دشمن ہے۔

✓ یہ حکمت عملی بھی وہی ہے جس کی تعلیم سترآن مجید میں دی گئی ہے اور جس پر رسول اللہؐ اور آپ کے بعد حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ عمل پیرا رہے تھے۔



غرضیکہ حضرت عثمانؓ نے اس مکتوب میں اپنے پہلے مکتوب کی طرح اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہیں کیا تھا۔ کیونکہ حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف کو انہوں نے یہی عہد دیا تھا کہ وہ کتاب اللہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی پیروی کریں گے۔

حضرت عثمانؓ نے سرحدی علاقوں کے سالاران جنگ کے تیسرا مکتوب نام جو چٹھیاں لکھیں ان کا مضمون یہ تھا "اما بعد: واضح ہو کہ

تم مسلمانوں کے محافظ اور پاسبان ہو۔ حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ نے تمہارے متعلق جو قانون وضع کئے وہ ہم سے چھپ کر نہیں بلکہ ہمارے مشورے سے مرتب کئے تھے۔ لہذا میرے پاس تمہاری طرف سے کسی قسم کے تغیر و تبدل کی خبر نہ آئے ورنہ خدا تمہارے اول کو دگرگوں کر دے گا اور تمہاری جگہ کسی اور قوم کو منتخب کرے گا۔ تم اپنے مستقل کام جائزہ لو۔ میں اپنے فرائض و واجبات پر کاربند ہوں جو خدا کی طرف سے مجھ پر عائد ہوتے ہیں۔"

اس مکتوب کے مندرجات پر غور فرمائیے اس میں جس شدت و حزم سے کام لیا گیا ہے۔ یقیناً سالاران جنگ کی طرف بھی جانے والی تحریر کا ایسا ہی اسلوب ہونا چاہیے۔ یہاں بالخصوص حضرت عثمانؓ کے اس طرز عمل پر غور فرمائیے کہ وہ کس طرح حضرت عمرؓ کی سیرت پر پابند ہیں اس لئے کہ حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ نے یہ نظام عامۃ المسلمین و ہاجرین اور انصار کی مشورے سے مرتب کیا تھا۔ خود حضرت

عثمانؓ اس نظام کی ترتیب میں شامل تھے اور شریک صلاح و مشورہ تھے۔ چنانچہ سالاران جنگ کو تاکید ہے کہ حضرت عمرؓ کے مرتب کردہ آئین میں کوئی تغیر و تبدل نہ کیا جائے۔ نیز عدم تعمیل کی صورت میں انہیں برطرفی و تعزیر کی دھمکی دی ہے۔ کیونکہ وہ خدا کی جانب سے عائد کردہ فرائض کی نگہداری اور عمل درآمد پر مجبور تھے۔ گویا حضرت عثمانؓ انتظامی امور اور سیاسی و جنگی حکمت عملی میں سیرت عمرؓ پر کاربند تھے۔ اسی طرح وہ حضرت عمرؓ کی اس حکمت عملی پر بھی کاربند تھے جس کی رُم سے وہ عامتہ المسلمین کو اچھائی کا حکم دیتے، بُرائی سے منع کرتے سنت موروثہ پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت دیتے اور بدعت و تصنع سے اجتناب کی تلقین کرتے تھے۔ اس امر پر ان کا وہ مکتوب دلالت کرتا ہے جو انہوں نے صوبائی بڑے شہروں اور مختلف علاقوں میں پڑھ کر سنائے جانے کے لئے جاری کیا تھا جس کا مضمون درج ذیل ہے:-

اما بعد! واضح ہو کہ تم لوگوں نے جو ترقی کی ہے وہ اسلام **چوتھا مکتوب** کے اقتداء و اتباع کی وجہ سے کی ہے لہذا واجب ہے کہ دنیا کی حرم و ہوس تمہیں تمہارے مقصد سے غافل نہ کرے۔ کیونکہ جب تم میں تین امور جمع ہو جائیں گے تو امت میں بدعت سرایت کر جائے گی۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں۔ دولت و نعمت کی فراوانی۔ لونڈیوں کے بطن سے تمہاری اولاد کا بلوغ۔ اور بدوؤں اور عجمیوں کی شران خوانی۔ کیونکہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ کفر



عجمیت را بہرام، عدم فصاحت، غیر عربیت میں پہناں ہے۔ لہذا جب لوگوں  
 پر کوئی معاملہ مبہم اور گنجلاک ہو جائے گا تو وہ تکلف و حدت طرازی اختیار کریں گے۔  
 بہر حال اس مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ سنت موروثہ کی بابت  
 کے معاملہ میں حضرت عمرؓ سے کسی طرح بھی پیچھے نہ تھے۔ اور نہ وہ بدعت و تصنع  
 کے بارے میں حضرت عمرؓ سے کمتر خائف تھے۔ کیونکہ وہ انھیں متوجہ کرتے ہیں  
 کہ اگر انھوں نے فتوحات حاصل کی ہیں اور اتنی بڑی سلطنت کے مالک ہو گئے  
 ہیں تو یہ صرف اصول اسلام کے اقتدار و اتباع کی وجہ سے ہے۔ لہذا وہ انھیں  
 مطلع کر رہے ہیں کہ کہیں دنیا کی حرص و ہوا انھیں ان کے مقاصد سے غافل نہ کر دے  
 نیز انھیں وہ تین چیزوں سے ڈراتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کہیں نعمت و دولت کی فراوانی  
 اور روز افزوں آسائش و آسودگی انھیں بدست نہ کر دے۔ دوسرے یہ کہ لونڈیوں  
 کے لطف سے ان کی بواہر و اولاد ہوگی وہ بالغ ہو کر ان کے احوال کو پرانندہ نہ کر دے۔  
 کیونکہ یہ نئی پود جس کی رگوں میں خالص عربی خون نہ ہوگا بلکہ اجنبی ماؤں کے خون  
 کی آمیزش ہوگی۔ طبعی طور پر اقتدار و اشباع پر بدعت و حدت کو ترجیح دے گی۔  
 تیسرے یہ کہ دین میں وہ کچھ داخل کر دیا جائے گا جس کا دین سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔  
 نیز سہل و آسان علم میں اس جہل و تصنع کی آمیزش ہو جائے گی جو بدوؤں اور  
 عجمیوں کے اسلام لانے اور قرآن پڑھنے کی وجہ سے پیدا ہوگا۔ کیونکہ وہ لوگ  
 نص قرآن کو اس کی صحیح شکل میں سمجھنے سے قاصر ہوں گے۔ لہذا ان کے لئے



تصنع و اختراع کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ اس خط میں جس طرح حضرت عثمانؓ نے ان آفات کا نقشہ کھینچا ہے جن سے فتوحات کے بعد مسلمانوں کو دوچار ہونا پڑا اس کی نظیر کسی دوسری جگہ نہیں مل سکتی، واقعہ ہو ابھی ایسا ہی۔ عیش و عشرت کی فراوانی کے سبب مسلمان بدستی، غرور و تکبر اور طمع کا شکار ہو گئے۔ ایک نئی نسل پیدا ہو گئی اور تصنع و جدت طرازی کا دور دورہ ہو گیا، بڑے بڑے حوادث رونما ہوئے۔ ایک نئی نسل پیدا ہو گئی۔ ایسے لوگ اسلام میں داخل ہو گئے جنہوں نے قرآن کو اپنی حقیقی شکل میں نہ سمجھا لہذا ایک طرف غفلت اپنی حدود سے تجاوز کر گئی اور دوسری طرف تشدد۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حقیقت ان غفلت شعاروں اور تشدد پسندوں کے درمیان پہنچ کر تقریباً گم ہو گئی۔

✓ یہ عمال جن کی طرف حضرت عثمانؓ نے یہ مکاتیب لکھے تھے حضرت عمرؓ کے عمال تھے۔ جنہیں حضرت عثمانؓ نے خود حضرت عمرؓ کی وصیت کے مطابق ایک سال تک اپنے لیے ہمدوں پر بحال رہنے دیا تھا۔ اس نے زیادہ صحیح اور حزم و شفقت پر مبنی وصیت اور کیا ہو سکتی تھی کیونکہ حضرت عمرؓ کو یہ خدشہ تھا کہ خلیفہ مابعد اختیارات حکومت سے متمتع ہونے میں تعجیل سے کام لیتے ہوئے کسی کی برطرفی کرے گا اور کسی کی تقرری۔ نتیجہ ان تمام پروگراموں کا جنہیں عمال نے شروع کر رکھا تھا شیرازہ بکھر جائے گا اور اس طرح صوبائی شہری اور سرحدی

علاقوں میں مسلمانوں کے امور کو نقصان پہنچے گا۔ حضرت عثمانؓ نے اس وصیت کو تسلیم کر لیا اور اس پر پابند رہے۔ اور انھوں نے اپنے عہد میں یا اپنے عہد کے سال اول میں عمال کو اس حکمت عملی کا پابند رکھا جس پر انھیں حضرت عمرؓ نے پابند کیا تھا۔ جب خلیفہ منتخب ہوئے تھے تو یہی عمال برسر کار تھے، یہ وہ عمال ہیں جنہیں حضرت عثمانؓ نے اپنے اپنے مناصب پر برقرار پایا اور ان کی معزولی و تقرری کے بارہ میں اپنے اختیارات کو اس ایک سال کے دوران تک ملتوی رکھا۔

اس وقت مکہ کے حاکم نافع بن احمار حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ عمال جنہیں حضرت عثمانؓ نے بحال رکھا۔ خزاعی تھے اور ظاہر ہے کہ وہ قریشی نہ تھے۔ طائف کے حاکم سفیان بن عبد اللہ الثقفی تھے وہ بھی قریشی

نہ تھے۔ اور طائف تو ویسے بھی خاندان ثقیف کا شہر تھا۔ صنعاء پر یحییٰ بن مہدیہ مامور تھے جو لہٰذا قریشی نہ تھے بلکہ بنی نوفل بن عبد مناف کے حلیف تھے۔ جذر عبد اللہ بن ابی ربیعہ تھے اور وہ مخزومی قریشی تھے۔ کوفہ کے حاکم مغیرہ بن شعبہ تھے جو ثقفی تھے۔ بصرہ کے حاکم ابو موسیٰ اشعری تھے وہ بھی قریشی نہ تھے نہ مصری نہ عدنانی بلکہ یمنی تھے۔ مصر پر عمرو بن العاص مامور تھے وہ قریش کی شاخ بنی سہم سے تھے۔ حمص کے والی عمیر بن سعد تھے جو انصاری تھے۔ دمشق پر معاویہ بن ابی سفیان مقرر تھے جو قریش کی شاخ بنی امیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ فلسطین پر

عبدالرحمن بن علقمہ معین تھے جو بنی کنانہ سے تھے۔ بحرین اور اس سے متعلقہ علاقوں پر عثمان بن ابی العاص الثقفی مامور تھے۔

بہر حال جیسا کہ آپ نے دیکھا ان عمال میں اکثریت ان کی ہے جو قرشی نہیں ہیں اور ان میں ایک بھی حضرت عمرؓ کے قبیلہ بنی عدی میں سے نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے عمال کی تقرری کو محض مضر یا عدنانی قبائل میں ہی محدود نہ رکھا تھا بلکہ انھوں نے تمام عرب قبائل سے ایسے مسلمانوں کو منتخب کیا تھا جن کا اسلام اعلیٰ خوبیوں کا حامل تھا اور جن کے بارے میں ثابت ہو چکا تھا کہ وہ بطور حسن اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوں گے اور جیسا کہ آپ کو معلوم ہے حضرت عمرؓ اپنے عمال کے دینی و دنیاوی ہر دو پہلو پر نگاہ رکھتے تھے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ جب کسی کو معزول یا مامور کرتے تھے تو ان کے یہاں عصیت کو کوئی دخل نہ ہوتا تھا۔

حضرت عثمانؓ جب سند خلافت پر شمعن ہوئے تو انھوں نے ان عمال کو صوبائی شہروں اور علاقوں پر مقرر پایا اور ساتھ ہی انہیں ایک سال تک ان کے عہدوں پر باقی رکھنے کی وصیت بھی پائی۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے اس وصیت پر عمل کیا اور اپنی خلافت کے سال اول میں کوئی تقرری یا معزولی نہ کی، لیکن ان کے علاوہ سلطنت کے دوسرے عمومی معاملات میں توجہ دیتے رہے۔ حضرت عبید اللہ بن عمرؓ اور ہرمزان کے فیصلہ نیز مختلف عمال اور عامۃ المسلمین کے نام



مفت

حضرت عثمان کی طرف سے وظا

اور عطیوں میں اضافہ

اپنے مکاتیب ارسال کرنے کے بعد  
انھوں نے جو سب سے پہلا کام کیا  
وہ لوگوں کے عطیوں اور وظائف

میں اضافہ تھا یعنی انھوں نے عوام کے وظائف میں سو سو درہم بڑھا دیے۔

حالانکہ ابھی حضرت عمرؓ کی وفات اور حضرت عثمانؓ کو خلیفہ بنے ہوئے پورا ایک

مہینہ بھی نہ ہوا تھا اور کوئی ایسی نئی صورت حال پیدا نہ ہوئی تھی نہ لوگوں کی

ضرورتوں میں نہ بیت المال کی آمدنی میں کہ جو اس اضافہ کا جواز پیدا کرتی۔ اس

سیاست کے متعلق کہے کم جو کچھ کہا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ

اضافہ پر محتاج ہے کہ اس طریقہ میں حضرت عمرؓ کی بیت المال سے متعلق

روشنی سے قدرے انحراف پایا جاتا ہے۔ خواہ وہ انحراف کتنا ہی حقور کیوں نہ ہو

کیونکہ حضرت عمرؓ کا اصول یہ تھا کہ بیت المال سے صرف اتنی ہی رقم خرچ کرے

تھے جس کی ضرورت ہوتی تھی۔ اس اضافہ سے یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ حضرت

عثمانؓ رض کے خیال میں حضرت عمرؓ مالی سیاست میں تشدد سے کام لیتے

اور وہ حضرت عثمانؓ کی اپنی جانب سے اس تشدد کو پسند نہ کرتے تھے۔

کا خیال تھا کہ بیت المال میں جو کچھ ہے اس سے لوگوں کو ایسی خوش حالی

حاصل کی جاسکتی ہے جو انھیں عہد عمرؓ میں میسر نہ تھی۔ گویا یہ عمل بالواسطہ ایک تنقید

جو کہ حضرت عمرؓ کی بیت المال سے متعلقہ حکمت عملی پر کر رہے تھے۔

لیکن ہم کھری بات کیوں نہ کہیں؟ یہ کیوں نہ کہیں کہ حضرت عثمانؓ اپنی اس جدید حکمت عملی کے ذریعہ عوام میں مقبولیت اور ان کے دلوں میں جگہ پیدا کرنا چاہتے تھے اور یہ انہی عوام کی دولت کے بل بوتہ پر اس لئے کہ بیت المال خلیفہ کی ذاتی ملکیت نہیں بلکہ وہ مسلمانوں کی ملکیت ہے۔ یہ واضح ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اس ضمن میں بھی اپنے حق سے تجاوز نہیں کیا تھا۔ اگر مسلمانوں کو یہ تسلیم تھا کہ خلیفہ کو وظائف مقرر کرنے کا حق حاصل ہے تو انہیں یہ بھی تسلیم تھا کہ بیت المال میں کمی واقع ہونے پر خلیفہ اس وظیفہ میں کمی بھی کر سکتا ہے اور اسی طرح بیت المال میں وسعت ہونے پر وہ وظائف میں اضافہ کا بھی مجاز ہے۔ تاہم یہ بات بھی واضح ہے کہ وظائف میں اس اضافہ نے ایک ایسا دروازہ کھول دیا جس کے بند کرنے کی کوئی شکل پیدا نہ ہو سکی۔ کیونکہ جب خلیفہ کو یہ اختیار ہو گیا کہ وہ لوگوں کے عطیوں اور وظیفوں میں اضافہ کرے تو پھر ان اضافوں اور وسعتوں کے لئے اس پر کوئی حد اور پابندی نہیں لگائی جاسکتی، اگر آج وہ عوام کے وظائف میں اضافے لگا رہے تو کل اسے یہ بھی حق حاصل ہے کہ وہ اسی ستم کی توسیع خواص کے ساتھ بھی کرے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ استیازی سلوک، خصوصی رعایا اور جانبداری کی طرح پڑ جائے گی، جس کے بعد عوام کی دولت پر قابض ہونے کے لئے باہمی کشمکش و رقابت اور ایک دوسرے سے بڑھ جانے کے لئے مقابلہ جذبات پیدا ہو جائیں گے۔ حضرت عثمانؓ خود اپنے مال کے دینے میں نہایت سخی



تھے اور راہ خدا میں بے دریغ خرچ کرتے تھے۔ صلہ رحمی اور دوست نوازی پر وہ  
 بے حساب دولت صرف کرتے رہتے تھے اور اس باسے میں ان پر کوئی مصالفت اور  
 کوئی گرفت نہ تھی، بلکہ ان کا یہ عمل ثواب الہی اور اجر خیر کا مستوجب ہوتا تھا لیکن حضرت  
 عثمانؓ کا مال اتنی وسعت نہ رکھتا تھا کہ وہ عوام کو خوش کر سکتا یا اس سے وہ عوام کے  
 وظائف میں اضافے کر سکتے۔ لہذا انھوں نے عوام ہی کے مال سے عوام کے وظائف میں  
 اضافہ کر دیا اور اس طرح انھوں نے اپنے لئے اور عوام کے لئے ایک ایسا دروازہ کھول دیا  
 جس میں داخل ہونے کا راستہ تو لوگوں کو ملتا تھا لیکن اس سے باہر نکلنا وہ نہیں جانتے  
 تھے۔

✓ اندر میں حالات یہ کہنا بیجا نہ ہو گا کہ حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت کے ابتدائی  
 دور میں سیرت عمرؓ کی پوری طرح پیروی کی تھی اس لئے کہ بلا کسی مقول وجہ کے بعض  
 خلافت مل جانے کے سبب سے ایک دم وظیفوں میں اضافہ کر دینا سیرت عمرؓ کی  
 پابندی نہ تھا لازماً وظائف میں اضافہ سے عوام کو حضرت عثمانؓ پر کوئی اعتراض  
 کیونکہ اس طرح تو ان کی زندگی میں توسیع کر کے انھوں نے عوام کے ساتھ سلوک  
 احسان کیا ہے۔ اور لوگ اپنی دولت میں اضافہ کو کبھی برا نہیں سمجھتے۔ بلکہ فطری طور  
 پر لوگوں نے اس پر اظہار مسرت کیا ہو گا جب حضرت عثمانؓ نے خلافت پر تمکن ہوا  
 ہی وظائف میں اضافہ کر کے انھیں حضرت عمرؓ کی شدت سے نجات دلائی  
 اور انھیں روزی کی وسعت دی ہوگی، میں یہ نہیں کہتا کہ پہلے وہ تنگی میں تھے



اس لئے کہ حضرت عمرؓ عظیموں اور وظائف میں تنگی روا نہیں رکھتے تھے۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کی مقصد اور معدل فراخی کے بعد بہت زیادہ فراخی دوست پیدا کر دی۔ حضرت عمرؓ نے زندگی بھر اس آئے کریمہ کو اپنے لئے ہمہ بنائے رکھا۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا  
كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا (۱۶)

نہ تو اپنے ہاتھ کو طوق گردن بنائے کہ کسی خرچ کے لئے وہ بڑھے ہی نہیں اور نہ اس کو بالکل ہی کھول دے کہ ہر وقت خرچ ہی کرتا رہے (ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ تم ملامت کئے ہوئے پریشان و درمائدہ ایک طرف بیٹھ جاؤ گے۔

حضرت عثمانؓ نے صرف وظائف کے اضافہ ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ بقول مؤرخین انھوں نے پہلی بار صوبائی شہروں سے بھی فنود طلب کئے جس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے ماتحت علاقوں کو بھی دعوت دی کہ وظائف و انعامات لینے کے لئے ان کے پاس آئیں۔ بیت المال کی رقم کے خرچ کرنے میں یہ ایک ایسی فراخی تھی جس کا حضرت عمرؓ نے نہ کبھی ارادہ کیا تھا اور نہ کبھی اس کے متعلق سوچا تھا۔ حضرت عمرؓ کا رمضان میں اہل مدینہ کو ایک خاص وظیفہ جو ایک درہم یومیہ تھا دیا کرتے تھے، صرف اہل بیت المؤمنین رضی اللہ عنہم کو دو درہم یومیہ ملتے تھے۔ اس سے لوگ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے ایک قسم کی دوست پاتے تھے۔

حضرت عمرؓ اس روزینہ کو عمومی دسترخوان یا سنگرخانہ پر ترجیح دیتے تھے کیونکہ اس طرح لوگ اپنی مرضی کے مطابق اس رقم سے اپنے لئے سہولت پیدا کر سکتے تھے لیکن حضرت عثمانؓ کے خلیفہ ہونے پر جب ماہ رمضان آیا تو انہوں نے وہ رقم بھی جاری رکھی جو حضرت عمرؓ دیا کرتے تھے اور اس کے ساتھ مسافروں اور اہل حاجت کے لئے دسترخوان عام بھی بچھا دیا۔

کاشیک یہ بہت بڑی نیکی اور ہربانی تھی۔ لیکن ساتھ ہی اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس سے لوگوں کے دلوں میں اموال عامہ کے حصول کا لالچ اور اس سے بیش از بیش انتفاع کی ہوس بڑھ گئی۔ کیونکہ ہر شخص اس پر تادور نہیں کہ احتیاط و عفت سے کام لے اور دسترخوان عام پر اسی وقت کھانے کے لئے پہنچے جب اس کے سوا کوئی چارہ کاری نہ ہو۔ لیکن یہاں یہ حال تھا کہ بہت سے لوگوں نے بغیر کسی جھجک کے اپنے سالانہ وظائف میں وظیفہ ماہ صیام کا بھی اضافہ کر لیا اور پھر مسافروں اور حاجتمندوں کی طرح دسترخوان عام سے باقاعدہ متمتع ہوتے رہے۔ لیکن اس میں حضرت عثمانؓ کی طرف سے لوگوں کے لئے اس توسیع میں خیر کا پہلو بھی ہو لیکن اس میں بعض پہلو ایسے بھی تھے جو سیاسی اور اخلاقی نقطہ نظر سے خطرناک تھے۔ نیز بعض ایسی شکلیں بھی تھیں جو کسی حد تک لوگوں کو بدظنی یا نامتراگوئی کی دعوت دیتی تھیں۔ کس میں یہ طاقت تھی کہ وہ ناقدین و معترضین کو یہ کہنے سے روکتا کہ اس گراں بخشی سے ایک قسم کی شہرت طلبی مقصود ہے جس سے خلیفہ

رعیت میں مقبولیت حاصل کر کے اس سخاوت سے ان کے دلوں کی تسخیر کا آرزو مند ہے۔

حضرت عثمانؓ کی سخاوت اسی حد پر ختم نہ ہوئی ابھی اسخیں خلیفہ ہوئے کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ انھوں نے صحابہ کبار کو اس مقررہ وظیفہ کے علاوہ جو ان کے نام جاری تھا مختلف انعامات دینے شروع کر دیئے۔ چنانچہ ابن سعد کی روایت کے مطابق انھوں نے حضرت زبیر بن العوامؓ کو چھ لاکھ درہم دیئے۔ حضرت طلحہؓ کو دو لاکھ درہم دیئے۔ ساتھ ہی وہ قرظ بھی معاف کر دیا جو انھوں نے حضرت عثمانؓ سے لیا تھا۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق جب حضرت زبیرؓ کو یہ رقم ملی تو انھوں نے لوگوں سے پوچھنا شروع کیا کہ رقم لگانے کا کونسا بہترین مصرت ہے جس میں وہ اپنے صلہ کی رقم لگا دیں۔ چنانچہ انھیں بتایا گیا کہ وہ صوبائی شہروں اور علاقوں میں مکانات تعمیر کرائیں۔

انتظامی امور میں حضرت عثمانؓ کا  
حضرت عمرؓ سے اختلاف  
مذکورہ بالا تمام امور سے زیادہ خطرناک پالیسی میں بھی حضرت عمرؓ کی مخالفت  
لے ڈالی اور وہ یہ کہ انھوں نے صحابہ کبار کو اجازت دیدی کہ وہ حجاز سے نکل کر  
سلطنت اسلامیہ کے اندر جہاں چاہیں جاویں اور آباد ہو جائیں۔ حالانکہ حضرت عمرؓ



انہیں مدینہ سے باہر نہ جانے دیتے تھے۔ اور اپنی خاص اجازت کے بغیر کسی کو مسجد کا رخ نہ کرنے دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ وہ قریش کو فتنوں سے بچانے کے لئے سیاہ کنکریوں والی گھانٹوں کے سرے پر پکھڑے ہوئے۔ ان کو مضبوطی سے پکڑ کر روکے ہوئے ہیں۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے ان کی راہ سے یہ حالت ہٹا دیا۔

اب جبکہ حضرت عثمانؓ نے وظائف میں اضافہ کر دیا بلکہ اس سے بڑھ کر وظائف و انعامات کا سلسلہ جاری کر دیا۔ پھر ان صلات و انعامات پانے والوں کو تمام اس سلطنت میں پھیل جانے کی اجازت دے کر یہ موقع بھی دیدیا کہ وہ فتح یاب اور مفتوح رعیت کے ساتھ رہنے لگیں تو پھر اس میں تعجب کی کوئی بات نہ رہی کہ اس طبقہ کو ایک طرف تو فرادانی دولت حاصل ہو گئی اور دوسری طرف کے ہم خیال پیروکار اور حامیوں کی جماعت میں اضافہ ہو گیا اور نتیجتاً ان سے ہر ایک کسی نہ کسی گروہ کا سردار بن گیا اور وہ گروہ سمجھنے لگا کہ ہمارے مسلمانوں کے امور کی تولیت کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔ اور وہ کی تلاش میں لگا رہا کہ وہ اپنے سردار کو مسلمانوں کا والی بنا سکے، حضرت عثمانؓ کے لئے ان مذکورہ بالا مکاتیب ارسال کرنے کے بعد کوئی چیز ہے جو انہیں عملاً سیرت عمرؓ و ابو بکرؓ سے مخفی کر سکتی تھی میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت عثمانؓ دین کے معاملہ میں مداہنت کے

نہ تھے یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت عثمانؓ کو اپنی اس حکمت عملی میں سیرت ابو بکرؓ  
 و عمرؓ سے کسی قسم کا معمولی یا اہم کوئی اعتراض نظر نہ آتا تھا۔ انھوں نے قصداً  
 نہ تو کسی پر ظلم کرنا چاہا تھا نہ کسی کی طرف داری کی تھی۔ انھوں نے تو لوگوں پر اپنی کے  
 اموال میں سے توسیع کی تھی۔ انھوں نے بیت المال بھرا ہوا پایا اور اسے زیادہ  
 بھرنا مناسب نہ سمجھا۔ پھر اس میں کیا حرج تھا کہ وہ اس مال میں سے مقرر کیا  
 بہت ان صحابہ کرامؓ کو انعامات کی شکل میں عطا کر دیں جنہوں نے دین اسلام  
 کی بنیادیں مضبوط کی تھیں، اسلامی ریاست کی بنیاد ڈالی تھی، حضور صلی اللہ علیہ  
 وسلم کے زمانہ میں بڑے کارنامے انجام دیئے تھے اور بڑی محرمیوں بختیوں  
 اور آزمائشوں کے دور سے گزرے اور بے پناہ شدا مدد و آلام کے متحمل رہے  
 تھے، اب جب خدائے تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور دولت کی فراوانی و  
 خوش حالی عطا فرمائی تو اس نعمت سے متمتع ہونے کا ان ہاجرین سے زیادہ  
 اور کون حقدار ہو سکتا ہے؟

یہ ٹھیک ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بہ خیالِ خویش سنتِ موردنہ کی نعمت  
 نہ کی تھی بلکہ انھوں نے تو اپنی روایاتی سخاوت پر عمل پیرا ہو کر مسلمانوں کو خوشحالی  
 عطا کی تھی صحابہ رسول کو انعامات بخشے تھے۔ ان میں سے کوئی بات بھی گناہ  
 نہیں ہے بلکہ یہ امور تو سراسر مہلانی، نیکی اور احسان ہی احسان پر مبنی تھے  
 بظاہر لوگوں کو بھی اس میں کوئی اعتراض نہیں تھا، انھیں دولت و خوشحالی



## عہد عثمان کے متعلق مورخین کے بیان کا مطلب

نصیب ہوتی تھی، انھوں نے شہر مانا نہ اسے پس  
کیا۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا  
جسے ہاجرین میں سے سابقہ قون القون

اور رسول خدا کے جلیل القدر صحابہ کرامؓ کو انعامات دیئے جانے میں کوئی اعتراض  
ہوا اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر حضرت عثمانؓ اپنی سخاوت اور صحابہ کبار کو وسیع پیمانہ پر  
بخششیں دینے میں اسی حد پر پھیرے رہتے تو لوگ ان پر کوئی الزام عائد نہ کرتے  
میرے مورخین کے اس قول کا مطلب کہ خلافت عثمانی کا صدر اول رضا مندی  
خوش حالی اور طمانیت کا دور تھا۔ اور یہ کہ مسلمانوں نے حضرت عثمانؓ کی خلافت  
کو اس کی نرمی، سہولت پسندی، کشائش اور فیاضی کے سبب سے حضرت  
کی خلافت کے مقابلے میں زیادہ پسند کیا تھا۔ کیونکہ حضرت عمرؓ کی سیاست میں  
ایسی شدت، سختی اور حزم و احتیاط کے عناصر تھے جنہیں برداشت کرنے سے  
لئے بڑے صبر و استقلال اور جفاکشی و عرق ریزی کی ضرورت تھی۔

کسا بہتر ہو کہ ہم حضرت عثمانؓ کو ان کے سال اول یا ان کی خلافت کے ان  
ابتدائی سالوں میں چھوڑ دیں جبکہ ان کی اس نرم و فیاضانہ یا ایسی نرم  
عوام میں محبوب و ہر و عزیز بنا دیا تھا، اور ایک نگاہ ان لوگوں پر ڈالیں  
حضرت عثمانؓ نے اپنی پر شفقت و نرم سیاست سے جوڑنا اور ملانا چاہا  
تاکہ ہم اندازہ لگا سکیں کہ آیا اس سیاست کے ذریعہ ان کے انتشار و اختلاف



✓ ختم کر کے انہیں جوڑا اور ملایا بھی جا سکتا تھا یا نہیں؟ ✓



# بشم

حضرت عثمانؓ اور ان کی رعایا

قریش کے ساتھ طرز عمل

طبری نے بروایت مری۔ شعیب۔ سیف۔ ابن القعقاع حسن بصری بیان کیا ہے

کہ حضرت عمرؓ نے ہاجرین میں سے اکابر قریش پر یہ پابندی عائد کر رکھی تھی کہ وہ بلا اجازت اور تعین مدت مدینہ سے باہر کسی علاقہ میں نہ جائیں، اس پابندی پر قریش کو شکایت ہوئی جب حضرت عمرؓ کو ان کی شکایت کا علم ہوا تو انھوں نے کہا: یاد رکھو کہ میں اسلام کی عمر کو اونٹ کی عمر کے ساتھ تشبیہ دیتا ہوں۔ اونٹ جوان ہوتا ہے۔ پھر اس کے اگلے دو دانت نکلتے ہیں۔ پھر ان سے چار مزید دانت نکلتے ہیں پھر اس کے پچھلے دانت نکلتے ہیں پھر وہ بھر پور عمر پر پہنچ جاتا ہے، یاد رکھو اس عمر کے بعد پھر گھوٹری کی امید ہی باقی رہ سکتی

یاور کھو اسلام بھی اونٹ کی طرح بھرپور عمر پر پہنچ چکا ہے۔ خبردار! قریش انڈکے  
مال کو دوسرے بندگان الہی سے ہٹا کر صرف اپنی تحویل میں رکھ لینا چاہتے ہیں۔  
لیکن جب تک عمر بن الخطاب زندہ ہے ایسا کبھی نہ ہوگا۔ یقین مانو میں سیاہ پتھروں  
والی گھائی کے سرے پر قریشیوں کے گلے اور کمر پر چڑھے کھڑا ہوں تاکہ انہیں آگ  
میں نہ گرنے دوں! سنا

طبری نے بروایت سری۔ شیب۔ سیف اور محمد و طلحہ بیان کیا ہے کہ جب  
حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے قریش پر وہ پابندی عائد نہ کی جو حضرت  
عمرؓ نے کر رکھی تھی۔ چنانچہ وہ اکناف ملک میں پھیل گئے جب انہوں نے  
سلطنت کی وسعتوں کو دیکھا، دنیا دیکھی اور لوگوں نے انہیں دیکھا تو ہر وہ  
شخص جسے اسلام میں کوئی بزرگی و برتری حاصل نہ تھی اور گمنامی کی زندگی  
بسر کر رہا تھا ان سے جاملا، اس طرح ان قریشیوں کے ارد گرد ایسے لوگوں کی  
جماعتیں بن گئیں جو ان کی امیدیں بندھانے اور حوصلہ افزائی کرنے لگیں۔ یہ  
لوگ دل میں کہتے تھے کہ انہی لوگوں کو حاکم بننا ہے، ہمارا ان سے پہلے ہی  
تعارف ہو گیا ہے اور ہم ان کی جماعت میں شریک ہو گئے اور ان کے مقرب  
بن گئے ہیں لہذا ان کے برسر اقتدار آنے سے ہمیں فائدہ ہوگا (یہ تھی وہ بنیادی  
اور پہلی خرابی جو اسلام میں رونما ہوئی اور یہی تنہا وہ پہلا فتنہ تھا جس نے عوام  
کو اپنی زد میں لے لیا تھا۔



طبری نے ایک روایت بواسطہ سہری - شعیب - سیف بن عمر اور شعیب کی ہے کہ حضرت عمرؓ کی وفات ہوئی ہے تو اس وقت قرشی ان سے دل برداشتہ ہو چکے تھے کیونکہ حضرت عمرؓ نے انھیں مدینہ میں بند کر رکھا تھا اور وہاں سے باہر نکلنے سے روک رکھا تھا وہ کہا کرتے تھے "کیسے نزدیک اس امت کے حق میں سب سے زیادہ خوفناک چیز تم لوگوں کا اکناف سلطنت میں پھیل جانا ہے۔ اگر ان پابند مدینہ ہاجرین حضرات میں سے کبھی کوئی جنگوں میں حصہ لے کے لئے ان سے اجازت طلب کرتا تو حضرت عمرؓ یہ جواب دیا کرتے تھے کہ آپؐ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو جہاد کئے ہیں وہ آپ کے لئے کافی ہیں آج آپ کے جہاد سے یہ بدرجہا بہتر ہے کہ نہ آپ دنیا کو دیکھیں اور نہ دنیا آپ کو دیکھے یہ عمل صرف ہاجرین مدینہ سے مخصوص تھا دیگر اہل مکہ اس میں شامل نہ تھے لیکن جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے یہ پابندی ہٹالی اس طرح یہ لوگ تمام سلطنت میں پھیل گئے اور عوام ان کے ارد گرد جمع ہونے لگے اور یہ سبب ہے کہ حضرت عثمانؓ ان لوگوں میں حضرت عمرؓ سے زیادہ محبوب ہو گئے۔

حضرت عثمانؓ کی رعایا میں ہم سب سے پہلے قریش کا ذکر کرتے ہیں، اور تمہیداً حضرت عمرؓ کا قریش کے ساتھ طرز عمل اپنی آج کی زبان میں بیان کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کو قریش

لی جانب سے اور قریش کے حق میں جس قدر آزمائش و فتنہ کا خطرہ تھا  
 ناکسی اور سے نہ تھا کیونکہ حضرت عمرؓ قبائل عرب میں قریش کے مقام  
 و کماحتہ جانتے تھے۔ وہ قریش کے مضبوط اور کمزور جہ پلوؤں سے بخوبی  
 گاہ تھے۔ قبیلہ قریش جس میں خود حضرت عمرؓ نے پرورش پائی تھی دعوت  
 سلام سے قبل اپنی قوت اور کمزوری کی وجہ سے ممتاز تھا۔ قریش کی قوت  
 سرچشمہ خانہ کعبہ کے ارد گرد ان کی آبادی اور مناسک حج کی تولیت تھا  
 اس کے باعث وہ تمام عربوں پر تسلط اور حکمرانی کیا کرتے تھے اور ان  
 کی بدولت خود میں ایک ایسی امتیازی شان پاتے تھے جس میں دوسرا  
 قبیلہ ان کا شریک نہ تھا۔ انہیں اپنی برتر استقامت پر گھمنہ اور نا  
 ما۔ پھر تمام عرب نے بھی ان کی اس برتری و استقامت کو متفقہ طور پر  
 تسلیم کر لیا تھا۔ اس برتری کا سبب ان کا جنگی تفوق یا تلوار کی طاقت میں  
 نیاز نہ تھا کیونکہ قریش کوئی جنگجو قبیلہ نہ تھا بلکہ ان کی اس سیادت کا منہ  
 پنا تھا اور دین کے چھوٹے بڑے مسائل کی ماقصیت پر مبنی تھا۔ ان کی قوت  
 دوسرا سرچشمہ ان کی وہ وسیع تجارت تھی جو عربوں کی تمام تجارتوں پر حاوی  
 غالب تھی یہ وسیع تجارت بھی انہیں امن حرم اور کعبہ کے نواح میں آباد ہونے  
 اور یہ سے حاصل ہوئی تھی۔ ان سہولتوں نے اس قبیلہ کو ایسی ذہانت  
 تیز دور اندیشی اور اولوالعزمی بخشی تھی جو قبیلہ ثقیف کے سوا باقی تمام



عرب کے باشندوں میں سے کسی اور کو میسر نہ تھی۔ قریش مشرق بعید اور  
 مشرق قریب کے مابین تجارت کی وجہ سے ایک رشتہ قائم کئے ہوئے تھے اور  
 اسی بنا پر وہ مشرق و مغرب بلکہ روم و ہند کے مابین تعلقات قائم کئے ہوئے  
 تھے۔ اس تجارت نے قریش کو بہت عظیم مالی فائدوں سے زیادہ دنیاوی  
 تجربے سکھائے۔ کثرت دولت نے قریش کو حرص۔ محافطت زر۔ خوش  
 تدبیری اور مال سے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنا سکھایا۔ مسلسل تجارت  
 اور اقوام عالم سے ارتباط و اختلاط نیز مختلف دور و دراز کے علاقوں کی  
 سیر و سیاحت نے انہیں مشکلات کا مقابلہ کرنے اور ان پر قابو پا لینے میں  
 ماہر بنا دیا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بالآخر اسی کا نتیجہ تھا کہ قریش  
 نہایت پختہ کار بڑا چالاک و ہوشیار اور جلد ساز قبیلہ بن گیا تھا۔  
 ان تمام امور نے قریش کو بے حد بلند ہمت اور طامع بنا دیا تھا۔  
 چیز نے انہیں ناموفق و ناسازگار حالات میں استقلال سے کام لے کر  
 پر قابو پانے اور دشواریوں کو سحر کرنے کا نوگر بنا لیا تھا، یہی نہیں بلکہ  
 امور نے قریش کو اس سے بھی زیادہ خطرناک حد تک بڑھا دیا تھا جس پر  
 کے بعد انہوں نے مسلمہ اقدار کو حقیر سمجھنا شروع کر دیا تھا وہ لوگوں کے  
 عقائد و رسوم کا تسخر اٹانے لگے تھے وہ فوری یا دیرپا منفعت کی خاطر  
 ہر شے کو جائز قرار دے رہے تھے۔ ان کی چال بازی اس حد تک وسیع



اختیار کر چکی تھی کہ باوجود اس کے کہ انھیں دین سے قطعاً کوئی تعلق اور لگاؤ نہ تھا وہ عرب والوں کو یہی بتاتے رہے کہ وہی اکیلے دین کے محافظ و امین ہیں۔ سرداران قریش کے نزدیک اگر دین کی کوئی وقعت تھی تو یہ کہ وہ ایک وسیلہ ہے نہ کہ غایت۔ ان نصب شدہ بتوں کے بارے میں ان کا یہی خیال تھا کہ وہ روزی کمانے اور اقتدار پھیلانے کے ذرائع ہیں اور بس۔ گویا ہر قریشی سردار ایک خود غرض حریص اور اندیش چالاک اور انتہائی مدبر سیاستدان تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جو مشکلات کا کیونکر سامنا کرے اور کس طرح ابتلا و محن کے جنگل سے صحیح و سالم نکل جائے۔

حضرت عمرؓ قریش کی اس نفسیات اور جملہ حالات سے آگاہ تھے۔ لہذا قریش اپنے بارے میں انھیں کوئی فریب نہ دے سکے۔ بلکہ قریش کا قبول اسلام اور حکومت اسلام کے ساتھ ان کی وفاداری بھی حضرت عمرؓ کو ان کی رائے سے نہ ہٹا سکی۔ یہی سبب ہے کہ حضرت عمرؓ نے قریش کی سیاست میں انتہائی احتیاط سے کام لیا۔ ان کے حق میں نرمی اور مہربانی کو روا نہ رکھا۔ اور انھیں ہرگز یہ اجازت نہ دی کہ وہ من مانے طریق پر اپنی بے پناہ حرص اور دور رس ارادوں پر قادر ہو جائیں، اور نہ یہ موقع دیا کہ وہ سر خود غلط ہو کر دوسروں کی تعین کریں ویسے حضرت عمرؓ فضیلت ہابریں کے اتنے ہی معترف تھے جتنے کہ رسول خدا صلعم ان کے مراتب کو بیان فرماتے تھے۔ چنانچہ وہ حسب مراتب ان کا

اور احرار و احترام ملحوظ رکھتے تھے اور اپنی خصوصی رعایات و عنایات سے انہیں  
 سرفراز کرتے تھے۔ لیکن اپنی خلافت کے دوران میں انہوں نے کوئی ایسی شکل  
 پیدا نہ ہونے دی جس سے قریش کو اپنی دلی آرزوؤں کے بر لائنے کا موقع ملتا۔ خود  
 ان کے اپنے الفاظ اس بارے میں سب سے بڑی شہادت ہیں کہ قریش کو  
 آگ میں گرنے سے بچانے کے لئے ان کے گلے اور کمر پکڑے ہوئے سیاہ  
 کنکروں کی گھائی ٹکے سرے پر کھڑا ہوں۔ اسی طرح جب کوئی باجر جہاد میں  
 شریک ہونے کی اجازت طلب کرتا تو ان کا یہ جواب کہ آپ نے رسول خدا  
 کے ساتھ جو جہاد کئے وہی کافی ہیں۔ آپ کے لئے جہاد سے بہتر یہ ہے کہ آپ  
 دنیا کو دیکھیں اور نہ دنیا آپ کو دیکھے۔ مگر اس معاملہ میں محکم ترین ثبوت و شہاد  
 ہے جس کا مظاہرہ انہوں نے حضرت خالد بن ولیدؓ کے حق میں کیا۔ باوجودیکہ  
 حضرت خالدؓ نے عہد نبویؐ اور عہد ابوبکرؓ میں اہل عرب اور اہل روم کے خلاف  
 صفت آراہ ہو کر کاربائے نمایاں انجام دیئے انہیں معزول کیا اور ان کو  
 نگرانی کی، صرف اس وجہ سے کہ وہ قریش کو بھڑکانے لگے۔ اور اس کی طرف  
 سے بدگمانی رکھتے تھے کہ وہ قوت کا غلط استعمال کرتے گی، اس سے ناجائز  
 فائدہ اٹھانے سے باز نہیں رہے گی۔ وہ آگاہ تھے کہ قریش میں اپنی کمزوریوں  
 پر تباہی پانے کی قدرت موجود نہ تھی۔ یہی چیز قریش کا کمزور پہلو تھی۔ کیونکہ انہیں  
 کے سبب وہ اپنے آپ کو برا سمجھنے لگتے اور غرور و کبریا کی کاشکار ہو جاتے تھے۔

ی کے باعث وہ مال کی محبت اور لالچ کرنے لگتے اور اسے ناحق لینے کے لیے  
 بوجھاتے تھے۔ یہی چیز انھیں خود غرمنی کا سبق سکھاتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ وہ  
 دیوباب منافع اور لذات پر اُمڈ پڑتے تھے۔ حالانکہ کبھی کبھی یہ لذات گناہ سے  
 ہی ملوث ہوتی تھیں۔ یہی چیز انھیں حرص بے پایاں کی راہ دکھاتی تھی جس کے باعث  
 ہر حد کو عبور کر کے دوسروں کے مال پر نگاہ ڈالنے کا مادی اور ظلم و استبداد  
 کا ترکیب کر دیتی تھی۔ جبکہ حضرت عمرؓ ان باجرین سے اس قدر خائف تھے جو عمر  
 ک رسول خداؐ کی صحبت میں رہے اور جنھوں نے ہر مقام پر اور ہر مصیبت کے  
 موقع پر نہایت بامردی کا ثبوت دیا تو ظاہر ہے کہ ان قریشیوں سے جو بعد میں  
 اسلام لائے حضرت عمرؓ کو لازماً اتنا ہی بلکہ ان سے زیادہ خطرہ ہوگا۔ کیونکہ  
 ان میں وہ بوڑھے اور جوان بھی شامل تھے جنھوں نے برضا و رغبت اسلام  
 قبول نہیں کیا تھا وہ یا تو اسلام کے پلڑے کو جھکتا ہوا دیکھ کر طعنے لالچ کی  
 وجہ سے مسلمان ہوئے تھے یا پھر حیب وہ مکہ میں چاروں طرف سے گھر گئے  
 تو کہ اسلام قبول کر لیا، ان دونوں اسباب کی بنا پر اسلام لانے والوں نے  
 دین اسلام کو اس نقطہ نظر سے نہیں دیکھا کہ وہ ایک ایسا دین ہے جس کا تعلق  
 قلوب و ضمائر سے ہے اور جس میں اللہ کے حقوق و فرائض کی پابندی لازم ہوتی ہے  
 بلکہ انھوں نے اسلام کو ایک برسرِ سود کی حیثیت سے دیکھا جیسے سود سے وہ کرتے رہتے  
 تھے، انھوں نے اسے بھی ایک خطرناک اور جرأت مندانہ اقدام خیال کیا جیسے



اقدامات وہ عموماً اندرون و بیرون عرب میں کرتے رہتے تھے۔ انہیں یہ بھی  
 کہ جب رسول خداؐ نے انہیں اسلام کی دعوت دی تھی تو ان سے دنیوی حکمرانی  
 اور اخروی جزائے خیر کا وعدہ فرمایا تھا۔ چنانچہ دنیوی حکومت تو سب ہی  
 میں تھی لیکن اخروی ثواب کا خیال محدودے چند کو تھا۔ اسی دنیوی خیال  
 انہیں قبول اسلام پر آمادہ کیا اور یہ سب تھا کہ انہوں نے جہاد و فتوحات کی  
 ذمہ داریوں کو دوسرے لوگوں کی طرح بلکہ ان سے بھی ایک قدم آگے رہ کر  
 کیا۔ ان میں سے بیشتر بہ خلوص نیت یا نمانشی طور پر یہ چاہتے تھے کہ جنگ  
 بڑھ چڑھ کر کارہائے نمایاں سرانجام دے کر وہ اس محرومی کی تلافی کر سکیں  
 انہیں رسول خدا کی معیت میں شریک غزوات نہ ہو سکنے کی وجہ سے حاسر  
 یہی سبب ہے کہ جب عرب شاہراہ فتوحات پر گامزن ہوئے تو یہ لوگ  
 امکانی استعداد کے ساتھ لبید جوش و خروش بھرتی ہو گئے۔ ان میں سے  
 متاع دنیوی کے طلبکار تھے، اور بہت ہی کم ثواب آخرت کے طالب۔  
 کے زعماء و رؤساء کو خیال تھا کہ وہ مغلوب ہو کر معافی پانے والے (ظالم)  
 ہیں نیز فتح مکہ سے پہلے اسلام لاکر کارہائے نمایاں انجام دینے والے  
 وہ کم مرتبہ ہیں، یہ خیال انہیں دل ہی دل میں جلاتا اور غصہ و لاتار  
 اور ان پر وہی کیفیت طاری کرتا تھا جسے ہم آج کل کی زبان میں احسان  
 کہتے ہیں۔ پھر انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ ان کے بارے میں حضرت عمرؓ کی

ہے اس خیال کی وجہ سے وہ حضرت عمرؓ سے بھی ناراض تھے اور یہ بات انہیں جہاد  
 پر آمردی سے شدائد کا مقابلہ کرنے پر ابھارتی تھی تاکہ وہ حضرت عمرؓ پر ظاہر کر سکیں کہ  
 بے بارے میں آپ کی رائے سنی برصواب نہیں۔ نیز دوسرے لوگوں پر بلکہ ان کے  
 بچے آپ پر بھی اسی حقیقت کا انکشاف کر سکیں۔ ذیل کے واقعہ سے آپ کو  
 خیال کی تائید ملے گی۔ کہتے ہیں کہ جب خالد بن ولیدؓ کے پاس شام کی ایک جنگ  
 حکمران بن ابی جہل زخموں سے چہر لائے گئے تو انہوں نے اپنا سر حضرت خالدؓ  
 پر رکھ کر ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ابن حنظلہ (یعنی حضرت عمرؓ) سمجھتے  
 کہ ہم شہادت کے طالب گار نہیں ہیں۔"

غرضیکہ حضرت عمرؓ کا طرز عمل قریش کے حق میں اس درجہ سخت گیرانہ تھا  
 کہ وہ ان کی نفیات سے واقف نہ تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ قریشی کسی چیز کو بھی  
 ان کے قبضے میں آجائے چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ اور ہر اس چیز کے  
 جوان کی دسترس سے باہر ہو جان لڑا دینے کو تیار رہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے  
 رسول خداؐ نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو خارش کی وجہ سے ریشی لباس پہنے  
 اجازت دی تھی۔ لیکن ایک روز جب وہ حضرت عمرؓ سے ملنے آئے تو ان  
 کے ساتھ ان کا ایک لڑکا بھی تھا جس نے ریشی قمیص پہن رکھی تھی۔ حضرت  
 نے لڑکے کو دیکھ کر کہا کہ یہ کیا ہے؟ ساتھ ہی اپنا ہاتھ قمیص کے گریبان  
 لٹکا کر اسے کنارے تک چاک کر دیا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے کہا



کیا آپ کو معلوم نہیں کہ رسول خداؐ نے مجھے ریشم پہننے کی اجازت عطا فرمائی  
حضرت عمرؓ نے جواب دیا: ہاں، لیکن وہ اجازت صرف کتھیں کتھاری ہوا  
پیش نظر دی گئی تھی تمہارے بیٹے کے لئے نہیں تھی۔

حضرت عمرؓ کو ہاجرین کی طرف سے تو اس خیال کے تحت خطر  
تھا کہ کہیں وہ رسول خداؐ کی دی ہوئی اجازت و رعایت سے ناجائز فائدے  
مد سے نہ برہم جائیں مگر غیر ہاجرین قریشیوں سے انھیں اس لئے  
کہ کہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں کو منع کیلئے  
بھی وسعت پیدا کر کے ان سے فائدے حاصل کرنا شروع کر دیں۔ فائدہ  
سبب ہو گا کہ حضرت عمرؓ نے عام مسلمانوں کو خطرہ سے محفوظ رکھنے کے  
معاویہ کو بکری لڑائیوں کی اجازت نہ دی جس کی اجازت لینے کے  
معاویہ بار بار حضرت عمرؓ سے تقاضے کرتے تھے کیونکہ حضرت عمرؓ  
میں وہی قریشی خطر پسندی کا گمان گذرتا تھا جس میں قریشی بغیر  
کے کو دھاتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ انھیں لازماً عامۃ المسلمین  
قریشی نوجوانوں کی خطر پسندی سے بچانے رکھنا چاہیے۔ پہلے ہمارے  
کر آئے ہیں کہ خلافت ابی بکرؓ نے قریش کو اپنا تک ایک استقرائے  
تھی جو اس کی قدیم استقرائیت کا نعم البدل تھی۔ حضرت عمرؓ  
سے خائف تھے۔ اور اس کی حد بندی کرتے رہتے تھے تاکہ اس



۱۷۷۔

حضرت عثمانؓ پر جس رعایا کی نگرانی آن پڑی تھی قبیلہ قریش اس کا ایک  
 ما، حضرت عثمانؓ کے لئے صرف دو ہی راستے تھے۔ تیسری کوئی شکل نہ تھی یا تو  
 ت عمرؓ کی سی سختی اور بندش سے کام لے کر زعمائے ہنجرین کو پابند مدینہ  
 اور قریشی عوام کے حق میں اسی بدگمانی کا مظاہرہ کرتے جس کا اظہار حضرت  
 تھے۔ قریش کے بزرگوں اور جوانوں کو ان کی حد و میں مقید رکھنے  
 لت و مارت کو اپنی شرائط کا پابند کرتے جن کی پابندی حضرت عمرؓ کرتے  
 حکومت کے عہدے اپنی کوئیے جاتیں جو ان کی ذمہ داریاں انجام دینے  
 بیت و استعداد رکھتے ہوں اور اس میں تمام عرب ہی نہیں بلکہ عجمی مسلمانوں  
 کا موقع دیا جاتا۔ دوسرا راستہ یہ تھا کہ وہ نری اختیار کرتے قریش کو  
 اتی کرنے کی چھٹی دیدیتے۔ تاکہ انہیں یہ اجازت ہو کہ وہ طمع و ہوس  
 ہندی اور خود غرضی کے اتھاہ سمندر میں غوطہ زن ہوں۔ آگے چل کر ہم  
 گے کہ حضرت عثمانؓ نے پہلی راہ کی بجائے طوعاً یا کرہاً دوسری راہ اختیار

حضرت عثمانؓ کی رعیت کا دوسرا فرق انصار تھے۔  
 رعیت انصار | اسلام میں انہیں جو مقام حاصل ہے وہ سب جانتے  
 خدائے تعالیٰ نے قرآن میں ان کی جو تعریف کی ہے وہ محفوظ ہے اور رسول خداؐ

نے ان کی رعایت کا حکم دیا وہ بھی سب پر عیاں ہے۔ یہ آپ دیکھ چکے ہیں۔  
ابوبکرؓ کے "امامت قریش میں ہوگی" بیان کرنے کی وجہ سے انصارِ خلافت نے  
محروم ہو گئے تھے۔ یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے انصار سے فرمایا  
"ہم امیر ہوں گے اور تم وزیر" چنانچہ حضرت ابوبکرؓ انصار سے اسی طرح مشورہ  
رہے جس طرح ہاجرین سے لیتے تھے، حضرت عمرؓ کا بھی یہی اصول رہا۔ حضرت  
نے بھی ان سے مشورہ لینے میں کوتاہی نہ کی۔ لیکن یہ ائمہ ثلاثہ انصار میں سے  
صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیتے تھے۔ لیکن انصار کے وہ نوجوان جنہیں حضرت  
کے عہد میں کوئی اہمیت حاصل نہ تھی اور حضرت عمرؓ کے عہد میں انہوں نے  
سنبھالنا شروع کیا تھا اور عہد عثمانؓ میں تو وہ بخوبی خود نگر و خود شناس ہو  
ا گئے کوئی ایسا امتیاز حاصل نہ تھا جو انہیں دوسروں سے فائق ثابت کر  
سکتا۔ حضرت عمرؓ نے وایوں اور عاملوں کی تقرری کے بارے میں یہ  
بنارکھا تھا کہ عہد سے فقط قریش تک ہی محدود نہ رہیں۔ بلکہ تمام قبائل عرب  
مذہب رکھ کے انتخاب عمل میں لایا جائے۔ اگر حضرت عمرؓ زندہ رہتے تو  
ان نوجوانوں پر یہ بات واضح کر دیتے کہ حکومت ان کے حق میں کوئی کمی نہ کرے گی اس لیے  
لوگوں کی طرح تمام حقوق حاصل ہوں گے۔ خصوصاً انہیں ان کا حق ولایت  
بھی ضرور ملے گا۔ بیشک انصار کے شیوخ اور عظام حضرت ابوبکرؓ کی رائے اور  
عمرؓ کے طرز عمل کو بہ خلوص خاطر پسند کرتے تھے۔ لیکن اس میں بھی کوئی

انصاری عوام بالخصوص ان کا نوجوان طبقہ قریش کی اس جدید استعراطیت سے  
 ابرو دل برداشتہ تھا، جانتے تھے کہ انھوں نے ہی بدر کے میدان میں اسلام  
 خاطر قریش کو مارا تھا اور وہی ہاجرین کے ہمراہ فتح مکہ میں شریک تھے۔ اگر  
 مار کو کوئی شے تسلی دیتی تھی تو یہ بات کہ حضرت عمرؓ قریش کو خوب دباؤ دے  
 کھتے تھے اور انھیں دوسرے مسلمانوں پر کوئی ترجیح نہ دیتے تھے۔ حضرت عثمانؓ  
 خلافت کے بعد انصار کا موقف ان کے بارے میں اس امر پر منحصر تھا کہ  
 قریش کے ساتھ کیا طرز عمل اختیار کرتے ہیں، یعنی یہ کہ اگر وہ حضرت عمرؓ  
 سیرت پر کاربند رہتے ہیں تو انصار کو بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح امور دنیوی  
 سے ان کا حصہ ملنے کی امید ہوگی۔ اور اگر وہ قریش کو دوسروں پر ترجیح  
 دے گا تو ان کی جانبداری کرتے ہوئے انھیں زیادہ عزیز رکھیں گے تو پھر انصار  
 بھنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ قریشی استعراطیت نہایت سرکش و خود غرض ہے اور  
 قریش کے مقابلہ میں ان کی حیثیت منلوہوں اور محکوموں کی سی ہوگی نہ ان لوگوں کی ہی  
 امامت کو چھوڑ کر باقی تمام امور میں قریش کے ساتھ برابر کے شریک ہوں۔  
 ان کے چل کر آپ دیکھ لیں گے کہ حضرت عثمانؓ نے بخوشی یا یہ مجبوری قریش کو دھڑ  
 ترجیح دی جس نے انصار کو سخت صدمہ پہنچایا اور ان کی اس رنجش کا بعد میں  
 رونے والے نئے دنسواد اور اس کے نتائج و عواقب میں بہت بڑا دخل تھا۔  
 عرب عوام کا حضرت عثمانؓ کی رعیت کا تیسرا فرق عرب کے عوام تھے۔ یہ



لوگ تھے جو طوعاً یا کرہاً اسلام لائے اور حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ نے انہیں  
 سرکہ ہائے فتوحات کی جانب دھکیل دیا۔ وہاں ان سے جو کچھ بن پڑا انہوں  
 نے کیا۔ اس کے بعد وہ محض وہ شہروں اور سرحدی علاقوں میں آباد ہو گئے تاکہ  
 ایک جانب وہ مسلمانوں کے لئے آڑ بن کر انہیں دشمن سے محفوظ رکھیں اور دوسری  
 طرف وہ لشکر میں شامل ہو کر آگے بڑھتے رہیں اور دشمنوں کا علاقہ فتح کریں  
 یہ وہی عرب تھے جنہیں اسلام نے مکمل مساوات کا وعدہ دیا تھا کسی کو کسی پر  
 تقویٰ۔ کفایت اور مردانہ وار محنت کشی کی فضیلت کے سوا اور کوئی فضیلت  
 نہ ہوگی۔ یہ وہی لوگ تھے جنہیں حضرت عمرؓ اسلام کا خام مواد کہا کرتے تھے  
 اپنی نے وسیع علاقے تسخیر کئے تھے۔ دشمن کو زیر کیا تھا۔ اور دین خدا کو آواز  
 میں پھیلا دیا تھا۔ انہیں صورت وہ حقدار تھے کہ حاکمیت کے معاملہ میں کسی  
 ان پر ترجیح نہ دی جاتی۔ بایں ہمہ وہ سنئے مسلمان ہوئے تھے اور عہدِ خلافت  
 سے قریب تر تھے ابھی وہ اپنے دور جاہلیت کے باہمی جھگڑے و تنصیبات  
 حسب نسب اور مال و دولت میں باہمی فخر و مقابلے بھی نہ بھولے تھے۔ ان  
 مفاخر جاہلیت کے علاوہ ان میں کچھ جدید مفاخر بھی شامل ہو گئے تھے۔ یہ  
 مفاخر سے زیادہ خطرناک اہم نتائج کے حامل تھے۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں  
 کے لئے موزون و مناسب سیاست وہی تھی جو ایک طرف تو ان کی جاہلیت  
 نابود کرتی اور دوسرے انہیں خالصتاً اسلامی رنگ میں رنگ کر یہ ثابت

کہ خدائے ان کے ساتھ اخوت و عدل کے جو وعدے کئے ہیں وہ سب سچ ہیں حضرت  
 عمرؓ تو پوری طرح اسی راہ پر گامزن رہے۔ انھوں نے جاہلیت کا حتیٰ الوسع مقابلہ  
 کیا یہاں تک کہ وہ ان شعراء کو بھی ڈراتے و محکمتے رہتے تھے جو جاہلیت کے واثقا  
 پر مشتمل اشعار سناتے تھے یا جو اپنے کلام میں جاہلیت کے آثار کا ذکر کرتے تھے۔  
 حضرت عمرؓ نے صوبہ جات میں صحابہ کرام میں سے کئی بزرگوں کو معکم مقرر کر کے بھیجا جو  
 وہاں کے باشندوں کو قرآن مجید پڑھاتے طریق سنت سمجھاتے دین میں تفتہ کی قوت  
 عطا کرتے اور اس طرح انھیں خالص اسلامی تربیت دیتے تھے۔ علاوہ ازیں حضرت  
 عمرؓ ایک فریق کو دوسرے فریق کے مقابلے میں کوئی امتیاز نہ دیتے تھے اور  
 نہ حکومت کے مناصب کے ضمن میں ایک قبیلہ کو دوسرے قبیلہ پر فضیلت دیتے  
 تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان میں مساوات اور مکمل عدل کو رواج دیا۔ انھوں نے  
 قبائل مضر و ربيعة سے بھی والی منتخب کئے اور قبائل یمن سے بھی۔ وہ اپنے  
 والیوں پر کڑی نگاہ رکھتے تھے۔ پچھلے صفحات میں ہم نے حضرت عثمانؓ کا ایک  
 خط درج کیا ہے جس میں انھوں نے اپنے آپ کو سیرتِ عمرؓ کا پابند بنایا تھا  
 لیکن آپ دیکھیں گے کہ حضرت عمرؓ کی وصیت کے ایک سال تک عاملوں اور والیوں  
 کو ان کے مناصب پر بحال رکھا جائے کس طرح مقررہ مدت ختم ہونے ہی حضرت  
 عثمانؓ مجبور کیا بخوشی دوسری سیاست پر کاربند ہو گئے۔ اور دیکھتے ہی  
 دیکھتے قریش کو اہل عرب میں امتیازی حیثیت حاصل ہو گئی اور وہ عربوں پر



مسلط ہو گئے اور انھوں نے بڑے بڑے اہم صوبے اور بلند مناصب دوسروں سے لے کر فقط اپنے لئے مخصوص کر لئے۔

حضرت عثمانؓ کی رعیت کا جو مقنا منصر وہ مفتوحہ اقوام تھیں  
**مفتوحہ اقوام** جو مفتوحہ علاقوں میں رہتی تھیں۔ ان کے بارے میں

اسلام کا طرز عمل واضح ہے اور وہ یہ کہ جو ان کے ذمہ واجب الادا ہو وہ لے لیا جائے۔ اگر وہ واجبات ادا کرتے رہیں تو انھیں بھی مسلمانوں کے برابر سب حقوق حاصل ہوں گے۔ ان پر بھی وہی فرائض عائد ہوں گے جو مسلمانوں پر ہوتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ اس اصول سے آگاہ تھے۔ لہذا انھوں نے ان خطوط میں جو قبل ازیں درج کئے گئے ہیں اپنے آپ کو نیز اپنے عمال کو اسی اصول کا پابند کیا تھا۔

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں ذمیوں کے ساتھ کوئی قابل ذکر جھگڑے کی صورت پیدا نہ ہوئی۔ اس لئے نہیں کہ ان کے بارے میں مقررہ اصول و ضوابط تھے ان پر پوری طرح بلا انحراف عمل درآمد ہو رہا تھا۔ بلکہ اس لئے کہ یہ مفتوحہ اقوام ابھی اتنی اچھی نہ تھیں کہ وہ سیاست میں کوئی اہم اور پرخطر حصہ لے سکتیں ویسے ہمارے لئے اس مکالمہ کو سمجھ لینا جو حضرت عثمانؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کے مابین ہوا دل چسپی سے خالی نہ رہے گا۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت عمروؓ سے کہا: "اے عمرو تمھارے بعد تو ان اذنیوں



نے توبہ و دودھ دینا شروع کر دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: "ہاں مگر ان کے بچے تو مر رہے ہیں۔" اس گفتگو کا ایک ہی مطلب ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ مصر کے ابن ابی سرح کے عہد میں اتنی کثیر مقدار میں بیت المال کے لئے خرچ آیا کہ حضرت عمرو بن العاصؓ کے زمانے میں کبھی اتنی مقدار میں نہ آیا تھا، حضرت عثمانؓ کے فقر سے کا یہی مفہوم تھا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کے جواب کا مفہوم یہ ہے کہ خرچ میں جو بیشی ابن ابی سرح کے عہد میں واقع ہوتی تھی اس کا سبب معاہدین اور ذمیوں پر ظلم و ستم ہے اس کے دو ہی سبب ہو سکتے ہیں، آیا تو یہ کہ حضرت عمرو بن العاصؓ خرچ کی پوری رقم بیت المال میں داخل کرنے کی بجائے اس کا کچھ حصہ خود دبا لیتے تھے یا یہ کہ ابن ابی سرح معاہدین اور ذمیوں سے دو ہی رقم سے زائد وصول کر رہے تھے۔ اور دونوں باتیں یہ حال بڑی تھیں۔ پھر یہ کہ رعیت کے ساتھ ان کے طرز عمل کا معاملہ انھیں بیان کر دہ حدود تک محدود نہ تھا ہم دیکھ چکے کہ حضرت عمرؓ قریش کے حق میں پوری سختی برتتے تھے اور انھیں دیگر اہل عرب پر کوئی فوقیت نہ دیتے تھے۔ اسی طرح کسی قبیلہ کے ساتھ بھی دوسرے قبیلہ کے مقابلے میں کوئی امتیازی رعایت نہ کرتے تھے۔ لیکن حضرت عثمانؓ اسی مساوات کو قائم نہ رکھ سکے۔ لہذا انھوں نے قصداً یا بغیر قصد کے اہل عرب کے مقابلے میں قریش کو امتیازی حیثیت دیدی، پھر یہ کہ خود قریش میں بھی مساوات قائم نہ رکھ سکے اور طوعاً یا کرہاً انھوں نے قریش کے ایک فریق کو

دوسرے پر مقدم کر دیا، کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ ہماری جنبہ داری اور ترجیحی ہلو  
 کا خوف تھا چنانچہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کو ہدایت کی تھی کہ اگر وہ خلیفہ ہوں  
 تو بنو امیہ اور بنو ابی معیط کو لوگوں پر مسلط نہ کریں۔ اسی طرح حضرت علیؓ  
 کو ہدایت کی تھی کہ اگر وہ امیر المؤمنین بنیں تو بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کو  
 لوگوں کے سر پر سوار نہ کریں۔ حضرت عثمانؓ حضرت عمرؓ کی ہدایت پر عمل پیرا نہ  
 ہو سکے۔ اور اس میں کوئی شک کی گنجائش ہی نہیں کہ انھوں نے بنو امیہ اور  
 اور بنو ابی معیط کو لوگوں کی گردنوں پر سوار کر دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ خود حضرت  
 علیؓ جب خلیفہ ہوئے تو وہ بھی اس ہدایت پر عمل پیرا نہ ہو سکے۔ انھوں نے  
 بھی اپنے چچا حضرت عباسؓ کے تین فرزندوں کو بصرہ مکہ اور یمن کا والی مقرر  
 کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ مالک الاشتر کہہ اٹھا "اگر صورت حال یہی باقی رہتی تھی  
 تو پھر ہم نے اس بوڑھے (حضرت عثمانؓ) کو کس جرم میں قتل کیا تھا!"  
 لیکن مجھے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے عمل میں شدید فرق محسوس ہوتا ہے  
 وہ اس طرح کہ والیوں کے معاملے میں خود حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کو برا بھلا  
 کہا تھا جس پر حضرت عثمانؓ نے یہ دلیل پیش کی تھی کہ مغیرہ بن شعبہؓ کو حضرت  
 عمرؓ ہی نے والی کو مقرر کیا تھا حالانکہ وہ اس قابل نہ تھے۔ نیز یہ کہ  
 حضرت معاویہؓ کو بھی حضرت عمرؓ ہی نے والی بنایا تھا اس پر حضرت علیؓ نے  
 یہ جواب دیا کہ حضرت عمرؓ اپنے والیوں کی کڑی نگرانی، شدید باز پرس کرتے

اور انھیں ڈانٹتے ڈراتے رہتے تھے لیکن آپ کے عمال آپ کی پروا کئے بغیر من مانی کرتے ہیں، اپنے حکام کو آپ سے منسوب کر دیتے ہیں اور آپ کوئی تدارک یا کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے۔ میری نظر میں حضرت علیؓ کی روش اپنے چچا زاد بھائیوں کے ساتھ جو والی بنائے گئے ایسی ہی تھی جیسی کہ حضرت عمرؓ کا طریقہ اپنے والیوں کے ساتھ تھا۔ حضرت علیؓ ان پر بیت سختی کرتے اور کڑی نگاہ رکھتے تھے۔ وہ جب کسی والی کو کوتاہی یا انحراف کرتے دیکھتے تو خود ہی اسے معزول کر دیتے کسی دوسرے کو اتنا موقع نہ دیتے تھے کہ وہ انھیں اس کی معزولی پر مجبور کرے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے اپنے کسی ایسے والی کو جو بنو امیہ یا بنو ابی معیط سے متعلق تھا صرف اسی وقت معزول کیا جبکہ متعلقہ صوبہ کے لوگوں نے انھیں اس امر پر مجبور کر دیا۔

بہر حال حضرت عثمانؓ کی رعیت وہی تھی جو حضرت عمرؓ کی تھی اور جس میں اگر کوئی معمولی تبدیلی واقع ہوئی تھی تو اس وقت جب حضرت عثمانؓ کو مسند خلافت پر آئے بہت عرصہ ہو گیا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ اس رعایا کے انتظام و انضباط تدبیر امور اور ہدایت و رہنمائی کے لئے وہی سیاسی حکمت عملی موزوں و مناسب تھی جسے حضرت عمرؓ اختیار کئے ہوئے تھے۔

لیکن یہ شخص کے بس کی بات نہیں کہ وہ سیرت عمرؓ کی پابندی کر سکے کیونکہ ہر آدمی ان شکل گھاٹیوں سے نہیں گذرا ہوتا جن سے حضرت عمرؓ گذرے تھے اور نہ ہر آدمی کو ایسی استقامت میسر ہوتی ہے جو راہ حق و عدالت میں کسی



نہ روز عایت کو ملحوظ رکھتی ہے اور نہ کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا کرتی ہو۔  
 میرا اس بات کا خود حضرت عثمانؓ کو بھی اعتراض تھا۔ چنانچہ ایک بار جب ان کی نرم غذا  
 لائی گئی تو انہوں نے حاضرین مجلس سے کہا "ہم میں کون ہے جو حضرت عمرؓ کی نہی  
 تاب و تواں رکھتا ہو؟" اسی طرح ایک بار حضرت عثمانؓ نے ان افراد سے جو انہیں  
 بیت المال کے ذریعہ صلہ رحمی کرنے پر ملامت کر رہے تھے کہا تھا "ہم میں حضرت  
 عمرؓ کا مقابلہ کون کر سکتا ہے؟" ایک اور موقع پر انہوں نے میرے رسول اللہؐ سے  
 اپنے نکتہ چینیوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا "ابن خطابؓ نے تحقیق پاؤں تلے  
 روندنا۔ ہاتھوں سے زو و کوب کیا اور زبان سے رگیدنا۔ لہذا تم ان سے ڈرتے رہو۔  
 اور جو چیز ان سے پسند کرتے تھے مجھ سے پسند نہیں کرتے کیونکہ میں تمہارے خلاف  
 نہ زبان استعمال کرتا ہوں نہ ہاتھ۔" حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں بزرگوں میں طبیعت  
 مزاج ہی نہیں بلکہ عمر کے لحاظ سے بھی بہت زیادہ فرق تھا لیکن محض یہ فرق یا  
 اس قسم کے بہت سے فرق ہی فتنہ و افتراق کا مصدر نہ تھے بلکہ اس فتنہ و افتراق  
 کے مصاد و رکچہ اور تھے جن کا تدارک حضرت عثمانؓ کے بس کا روگ نہ تھا۔ ہم  
 ان میں سے بعض مصاد پر اگلی بحث میں روشنی ڈالیں گے۔

# پانچواں

## حضرت عثمانؓ کی خلافت کا دوسرا دور

تقرریاں و برطرفیاں جو نبی حضرت عثمانؓ اپنی خلافت کا پہلا سال گزرنے کے بعد حضرت عمرؓ کی اس وصیت کی پابندی سے آزاد ہوئے جس کے ذریعہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کو اپنے مقرر کئے ہوئے مال ایک سال تک بحال رکھنے کا پابند کر دیا تھا، انھوں نے اپنے تقرری اور برطرفی کے اختیار استعمال کرنا شروع کر دیئے اپنے ان حقوق کے استعمال میں ان سے کسی قدر جلدی بھی ہوئی لیکن بڑی حد تک دھیل اور آہستگی بھی کار فرما رہی۔ کیونکہ انھوں نے ان دالیوں کی طرف کوئی توجہ ہی نہ دی۔ جن کے صوبے سیاسی، انتظامی یا جنگی اعتبار سے کوئی اہمیت نہ رکھتے تھے۔ ان صوبہ جات میں انھوں نے حضرت عمرؓ کے مال ہی کو بحال رہنے دیا۔ ان میں اگر کوئی معوضی بہت تہذیبی کی بھی تو صرف



اس وقت جب اس کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور اس ضمن میں زیادہ دل چسپی اور  
اہتمام نہ کیا، بلکہ ایک حد تک ہموار و نرم طرز عمل اختیار کئے رہے۔

## مفتوحہ علاقوں کی مختلف حیثیتیں

مفتوحہ علاقے بعض حیثیتوں سے ایک  
دوسرے سے بہت مختلف تھے، ان  
میں سے بعض کو سیاسی انتظامی اور جنگی حیثیت سے بڑی اہمیت حاصل تھی  
یہ علاقے تھے جن کا کچھ حصہ مسلمانوں نے رومیوں سے چھینا تھا اور قبضہ  
ایرانیوں سے۔ یہ اہم صوبے چار تھے۔ شام۔ مصر۔ کوفہ۔ بصرہ۔ ان  
علاقوں میں سے ہر ایک کے سامنے سرحدی علاقہ تھا۔ جس کی نگرانی و حفاظت  
ضروری تھی اور ہر ایک کے سامنے دارالحرب تھا جہاں مسلمانوں کا دھاوا  
ناگزیر تھا۔ شام کے سامنے سمندری اور مملکت روم تھے، مصر کے سامنے  
سمندر اور شمالی افریقہ تھا، کوفہ و بصرہ کے سامنے ایران کا مفتوحہ و غیر  
مفتوحہ علاقہ تھا۔ یہ چاروں علاقے اسلامی قوت کے لئے مرکزی حیثیت رکھتے  
تھے۔ یہاں مسلمانوں کی چھاؤنیاں تھیں۔ سامنے ہی سرحدی علاقے تھے۔ جن  
روئے والے شکروں کے قیام اور آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا تھا مسلمانوں  
کی دولت کا سرچشمہ بھی یہی چاروں صوبے تھے۔ ان علاقوں میں پابنداروں  
آسودہ تہذیب و تمدن موجود تھا۔ یہاں کی زمینیں زرخیز تھیں جن سے بڑی  
پیداوار اور خراج کی کثیر رقم حاصل ہوتی تھی۔ انہی علاقوں میں وہ معاہدین



آبلو تھے جو جزیہ ادا کرتے تھے۔ یہی علاقے ملک کے وہ سرے تھے جہاں سے فتوحات کے لئے پیش قدمی کی جاتی تھی اور جہاں فتح کے بعد واپس آیا جاتا تھا، ہر سال جو مال غنیمت فاتحین کے ہاتھ لگتا تھا وہ پہلے اپنی علاقوں میں پہنچاتا تھا اور یہیں سے خمس مدینہ بھیجا جاتا تھا۔ اگر صحرائین عرب اسلام کا خام مال اور عسکری قوت کا منبع تھے تو یہ علاقے اسلام کا خام مال اور قوت مالبیک کے سرچشمہ تھے۔ لہذا اگر خلیفہ نے ان علاقوں کی طرف دوسرے غیر اہم اور معمولی علاقوں کے مقابلے میں خصوصی توجہ دی تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہ تھی۔ مکہ طائف اور یمن، گواہی اپنی جبکہ خاص قدر و منزلت رکھتے تھے لیکن وہ نہ جنگی سرحد کے بالمقابل تھے نہ وہاں سے کثیر مقدار میں دولت حاصل ہوتی تھی اور نہ وہ قوت و طاقت کے ایسے مراکز تھے جہاں سے اس توخیز سلطنت کو غلبہ عزت کا سامان حاصل ہوتا۔

ان علاقوں کی اہمیت اس وقت بھٹی جبکہ یہ فتح نہ ہوئے تھے اور جبکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بلا و عرب کو اسلام کے زیر نگیں کرنے کے لئے جدوجہد فرما رہے تھے۔ جب یہ علاقے مسخر ہو گئے، یہاں اللہ کا بول بالا ہو گیا اور اسلام ان کے شر سے نامون ہو گیا تو پھر ان کی حیثیت جدید مفتوحہ علاقوں کے مقابلے میں ثانوی رہ گئی کیونکہ ان نئے علاقوں کی تسخیر و تعمیر مسلمانوں نے جس قدر جانیں، مال اور محنتیں صرف کیں وہ ان صرفوں سے کہیں زیادہ تھا

ہوا انھوں نے پہلے فتح کئے ہوئے عربی علاقوں میں کیا تھا۔

اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان مدینہ سے جب بھی نکلنے کا ارادہ کرتے تو ان کے سب کے سب نہیں تو اکثریت کے پیش نظر مکہ، طائف یا یمن جانے کا قصد نہ ہوتا تھا بلکہ ان کی نگاہ عراق، شام یا مصر کی طرف ہوتی تھی۔ اس ترک وطن سے حاصل کی ثبت تو ثواب آخرت ہوتی تھی تاکہ وہ سرحدوں پر آباد ہو کر آگے کے علاقے فتح کرنے میں مشغول ہو جائیں، لیکن کمانے والوں کا مقصد اس سے متاع دنیا حاصل کرنا ہوتا تھا چنانچہ وہ وہاں جا کر تجارت و زراعت اور دوسرے کاموں کے دھندوں میں لگ جلتے تھے۔ جب حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا تو کوفہ پر

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی

تفتری و معزولی

بحال رکھا۔ جب یہ سال گزر گیا تو انھوں نے کوفہ سے حضرت معمر بن شعیبؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو متعین کر دیا کیونکہ حضرت عمرؓ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں نے حضرت سعدؓ کو کسی خیانت کی بات معزول نہیں کیا، بہر حال حضرت سعدؓ کوفہ میں ایک سال یا اس سے کم ہی رہے تھے کہ حضرت عثمانؓ انھیں معزول کرنے پر مجبور ہو گئے۔

مورخین کا بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ حضرت سعدؓ کو معزول کرنے

میں نے مجبور ہو گئے تھے کہ حضرت سعد اور بیت المال کے خزانچی حضرت عبداللہ بن  
عوف کے مابین اختلاف ہو گیا تھا جس نے حضرت عثمانؓ کو دونوں سے ناراض کر دیا  
۱۔ انھوں نے دونوں کے خلاف کارروائی کرنا چاہی تھی لیکن پھر صرف حضرت  
سعدؓ کو معزول کرنے پر اکتفا کر لیا۔

اس اختلاف کی بنیاد واقعی عجیب ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت سعدؓ نے بیت المال  
کے کچھ قرض لیا اور تمسک دیدیا۔ چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے رقم  
ب کی تو حضرت سعدؓ نے رقم ہیانا نہ ہونے کی وجہ سے ہمت مانگی۔ حضرت عبداللہ  
مسعودؓ نے ہمت دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر دونوں بزرگوں نے اپنی  
نی جگہ کو فہم کے بعض اشخاص کو واسطہ بنایا۔ حضرت ابن مسعودؓ اپنے دوستوں  
سے یہ کام لینا چاہتے تھے کہ وہ حضرت سعدؓ کو ادائے قرض پر مجبور کریں اور حضرت  
سعدؓ یہ چاہتے تھے کہ ان کے دوست حضرت ابن مسعودؓ کو ادائیگی قرض میں  
ہمت دینے پر رضامند کر دیں۔ ایک دفعہ جب ہر دو بزرگ اپنے اپنے ساتھیوں  
کے ساتھ یکجا ہوئے تو بات بڑھی اور دونوں میں بھڑپ ہو گئی حتیٰ کہ حضرت  
سعدؓ بقول بعض راویوں کے حضرت ابن مسعودؓ کو بدعا دینے لگے تھے۔ حضرت  
بن مسعودؓ گھبرائے اور بے ہمتی تمام دہاں سے اٹھ بیٹھا گئے۔ کیونکہ انھیں حضور  
رسالتؐ کی حضرت سعدؓ کے حق میں یہ دعایا دتھی کہ اے خدا سعدؓ کی ہر دعا  
منظور فرما، کہتے ہیں کہ حضرت سعدؓ نے اے ما کے لئے ہاتھ اٹھا کر ابھی اتنا ہی



کہا تھا: اے رب ارض و سما! کہ حضرت ابن مسعودؓ کا رستے ہوں کر تو  
 کلمہ خیر زبان سے نکالنا! اتنا کہا اور جلدی سے نکل گئے۔ جب معاملہ  
 عثمانؓ کے پاس پہنچا تو انھیں دونوں پر غصہ آیا دونوں کے خلاف کارروائی  
 کرنا چاہی، مگر پھر باز رہے۔ اور حضرت سعدؓ کو معزول کر دیا اور جو رقم  
 دے نکلتی تھی وہ وصول کر لی۔ حضرت ابن مسعودؓ کو بیت المال کے  
 بحال رکھا اور کوفہ میں نیا حاکم بھیج دیا۔

اس واقعہ پر تمام راوی متفق ہیں  
اس واقعہ پر تنقیدی نظر

ہوں۔ کیونکہ اس واقعہ میں بہت سی باتیں شدید احتیاط کی متقاضی  
 پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے جانشین خلیفہ کے لئے وصیت  
 نامی کہ وہ حضرت سعدؓ کو والی مقرر کرے کیوں کہ انھوں نے حضرت عمرؓ  
 حضرت سعدؓ کو یہ سبب خیانت معزول نہ کیا تھا۔ لیکن مذکورہ بالا  
 جو بات بادی النظر ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت سعدؓ نے  
 سے قرض لیا اور پھر ادائیگی قرض میں تاخیر کی یا ناں مٹوں سے کام لیا، غور فرمیں  
 بھلا ایک ایسا آدمی جسے حضرت عمرؓ شوریٰ کے لئے منتخب کریں اور خلافت کا  
 قرار دیں اور نیز اپنے بعد اسے ولے خلیفہ کو یہ ہدایت کر جائیں کہ اگر حضرت  
 خلیفہ نہ بن سکیں تو ان سے امور حکومت میں مدد لی جائے اس قسم کے

ہو سکتا ہے، حضرت عمرؓ کے متعلق یہ گمان بھی نہیں گذر سکتا کہ انہوں نے کسی احکم دینے یا کسی امر سے منع کرنے میں کسی کا حق مار کر ایک کو دوسرے پر ترجیح کی ان کے امر و نہی سے ہمیشہ عامۃ المسلمین کی بہتری مقصود ہوتی تھی۔ لہذا عمرؓ نے اپنے نائبین خلیفہ کو حضرت سعدؓ کی توہیت کی ہدایت کر کے نہ تو سعدؓ کی خوشنودی چاہی تھی نہ ان کی طرفداری کی تھی نہ ہی دوسرے صحابہ پر ان کی وقیت و ترجیح دی تھی، یقیناً اس وصیت سے انہوں نے خلیفہ اور عامۃ المسلمین کی بہبودی چاہی تھی اور حکم دیا تھا کہ حضرت سعدؓ کی قابلیت بالخصوص جنگی سے فائدہ اٹھایا جائے۔ ایران کے حالات مسلمانوں کے لئے پوری طرح اطمینان نہ تھے۔ ایران کی سلطنت تو ختم ہو چکی تھی تاہم اس نے پوری طرح میں توڑا تھا، یعنی کسریٰ یزدجرد کو شکست تو ہو چکی تھی مگر وہ نہ قتل ہوا نہ قید نہ جلاوطن بلکہ وہ ملک ہی میں موجود تھا اور اپنی شکست خوردہ فوج ہمراہ مختلف علاقوں شہروں اور پرگنوں میں گھومتا پھر رہا تھا۔ ایران میں مارشہر تھے ان میں کچھ ایسے بھی تھے جہاں ابھی تک مسلمان پہنچے ہی نہ تھے۔ ان ایسے شہر تھے جنہوں نے مسلمانوں سے منافقانہ صلح کر رکھی تھی وہ موقع منتظر رہتے تھے۔ اور جو وہی موقع ملتا عہد توڑ دینے پر آمادہ تھے۔ بلاوفار سے شروع ہوئی اور بڑی تیزی سے بڑھتی چلی گئی بعد میں اس کی یہ رفتار باقی رہی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ہی جنگ قادسیہ کے ہیرو اور کسریٰ کی سلطنت

کو برباد کرنے والے تھے۔ لہذا اگر حضرت عمرؓ نے یہ سوچا کہ یہ ہم جس کا آغاز حضرت  
 سعدؓ کے ہاتھوں ہوا اس کا انجام بھی اپنی کے ہاتھوں سے ہو تو مقام حیرت  
 گمان اغلب یہ ہے کہ اگر حضرت عمرؓ زندہ رہتے تو وہ انہیں دوبارہ کوفہ کا والی  
 کر کے انہیں دشمن سے لڑائی جاری رکھنے کا حکم دیدیتے تا آنکہ خدا ان کے  
 تکمیل فتوحات کرا دیتا۔ یہی نہیں حضرت سعد رضی اللہ عنہ پہلے پہل اسلام قبول  
 والوں میں سے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ خدا کی قسم میں اسلام لانے والوں  
 تیسرا ہوں۔ مطلب یہ کہ ابو بکرؓ کے بعد ان کا شمار ہوتا تھا پہلے رسول  
 دوسرے حضرت ابو بکرؓ اور تیسرے حضرت سعدؓ یا یہ کہ وہ حضرت ابو بکرؓ اور  
 بن حارثؓ کے بعد تیسرے شخص تھے جو مسلمان ہوئے۔ لہذا دعوت رسول  
 کہنے والے اولین مسلمانوں میں شمار ہوئے۔ علاوہ ازیں سب راوی اور  
 محدثین متفق ہیں کہ راہ خدا میں سب سے پہلے جس نے تیر چلا یا وہ حضرت  
 رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ یہ اس موقع کی بات ہے جب حضرت سعدؓ عبد  
 الحارث بن عبد المطلب پر چھا پہ مارنے کے لئے "بطن رابع" کی طرف  
 تھے۔

حضرت سعدؓ وہی بزرگ ہیں جن پر جنگ احد میں حضورؐ نے اپنے  
 باپ کو قربان کیا تھا اور اس موقع پر جبکہ وہ ثابت قدمی سے حضورؐ کے  
 رہنے والوں کے ساتھ ڈٹے ہوئے تھے فرمایا تھا کہ سعد! تیر مارو میرے



باپ تم پر فدا ہوں“ حضرت سعدؓ کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں  
 باپ دونوں کو فدا کرنے کے الفاظ کسی دوسرے شخص کے لئے استعمال نہیں  
 فرمائے۔ الغرض یہ کہ جسے یہ رتبہ بلند ملا ہو کہ وہ تیسرے نمبر پر اسلام لایا ہو اور راہ  
 خدا میں سب سے پہلا تیر چلایا ہو اور جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے  
 ماں باپ فدا کئے ہوں اور خوش ہو کر جسے عشرہ مبشرہ میں شامل فرمایا ہو،  
 جس نے ایرانی حکومت کا قلع قمع کیا ہو، جنگ قادسیہ کو جیتا ہو اور جس کے  
 خلیفہ بن سکنے کی صورت میں والی بنانے کی ہدایت کی گئی ہو اور یہ بلند  
 فضائل حاصل ہوں وہ بہت املاں سے قرص لے کر کیسے ٹال مٹول کر سکتا ہے  
 قطع نظر اس سے کہ قرص کی رقم زیادہ تھی یا کم نہ یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن  
 سعودؓ ان پر اس قسم کا شبہ کریں اور نہ یہ کہ حضرت عثمانؓ ان پر غصہ ہوں اور  
 ان کے خلاف کارروائی کرنا چاہیں اور پھر ان سے واجب الادا رقم لے کر راضی  
 ہو جائیں گے۔ گمانِ اغلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کے بارے میں  
 صرف یہ ہدایت نہیں کی تھی کہ انھیں کسی صوبہ کا حاکم مقرر کیا جائے بلکہ انھوں نے  
 خاص طور پر انھیں کوفہ کا دارالبنائے کی وصیت کی ہوگی کیونکہ یہی وہ شہر ہے  
 جہاں انھیں رہنا چاہیے تھا، تاکہ وہ یہاں سے آگے کے علاقوں میں فتوحات  
 کا سلسلہ مکمل کرنے کے لئے بڑھیں۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ حضرت ابن سعودؓ  
 یہ سب باتیں جانتے ہوئے کہ حضرت سعدؓ سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں

ہیں اور یہ کہ رسول خدا اور حضرات ابوبکر و عمرؓ کے یہاں ان کی کیا قدر و منزلت تھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے متعلق کیا رائے تھی ان سے بدظن ہو گئے۔ اور پھر یہ کہ حضرت ابن مسعودؓ ہی سب سے زیادہ رسول خدا کے قریب رہے آپ کی سنت کے سب سے بڑے راوی وہی ہیں۔ براہ راست رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے انھیں نے قرآن کا سب سے زیادہ حصہ اخذ کیا اور آپ اپنے صحابہ کے حق میں جو رائے رکھتے تھے اس سے جس قدر وہ آگاہ تھے اور کون نہ تھا اس سے بھی زیادہ تعجب خیز امر یہ ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ ان کے بارے میں شک کریں اور قرصن کی ادائیگی کے لئے شدید تقاضے کریں، حتیٰ کہ جب حضرت سعدؓ بدو کا ارادہ کریں تو وہ گھبرا جائیں اور اس میں مناتے ہوئے وہ بھاگ جائیں۔ یہ جب فتنہ و فساد کی آگ بھڑکی تو حضرت سعدؓ غیر جانبدار رہے انھوں نے برسرِ پیکار لوگوں میں سے کسی کی مدد کرنے سے صاف انکار کر دیا اور کہا "میں فقط اسی رقت شامل جنگ ہوں گا جب مجھے کوئی ایسی تلوار دی جائے جو بنیا، عاقل و ناطق ہو اور مجھے بتائے کہ یہ کافر ہے اور یہ مسلمان۔ ان کا یہ عجیب و غریب موقف ہی اس عجیب و غریب قصہ کی اختراع کا باعث ہوا کیونکہ اگر حضرت سعدؓ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حایوں میں شامل ہو جاتے تو شیعہ ان کی مدد کرتے۔ اگر انصار عثمانؓ میں شامل ہو جاتے تو وہ انہیں حضرت عثمانؓ ان کے لئے ڈھال بن جاتے۔ مگر حضرت سعدؓ نے باہم دست و گریبان ہونا

سے کنارہ کشی اختیار کئے رکھی۔ لہذا ان جھگڑنے والوں نے بھی حضرت سعدؓ سے دیا ہی غیر جانبدارانہ سلوک کیا۔

**حضرت سعدؓ کی معزولی کا اصل سبب** میرا خیال تو یہ ہے کہ حضرت سعدؓ کی معزولی کا اصل سبب یہ ہے کہ بنو امیہ اور آل

ابی معیط نے ولایت حاصل کرنے کے لئے عبدبازی تقاضے اور مختلف حیلے اختیار کرنا شروع کر دیئے۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ پر دباؤ ڈال رکھا تھا کہ وہ ان کے لئے حکومت تک پہنچنے کی راہ صاف کریں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے حضرت سعدؓ کو کوفہ سے معزول کیا تو ان کی جگہ صحابہؓ کیا یا ہاجرین و انصار میں سے کسی کو متعین نہ کیا۔ نہ حضرت طلحہؓ کو بھیجا نہ حضرت زبیرؓ کو نہ حضرت عبدالرحمنؓ کو نہ حضرت محمد بن مسلمہؓ کو اور نہ حضرت ابو طلحہؓ کو۔ انہوں نے بھیجا تو ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو حالانکہ مسلمانوں کو ولید پر کوئی اعتماد نہ تھا۔ کیونکہ اُس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دیا تھا۔ ان کے بارے میں دروغ گوئی سے کام لیا تھا۔ وہ اسلام قبول کر کے کافر ہو گیا تھا۔ قرآن میں اس کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئی تھیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اِنَّ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بَدِيءٌ

فَتَبَيَّنُوا اَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصِيبُوا

عَلَى مَا فَعَلْتُمْ شَادِمِينَ (۱۳)



اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ناسق کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ لاعلمی کی وجہ سے تم ایک قوم کو نقصان پہنچا دو پھر تم اپنے کئے پر پشیمان ہو جاؤ۔

یہ اس وقت ہوا تھا جب رسول خداؐ نے اسے بنی مصطلق کے پاس وصولی صدقہ کے لئے بھیجا تھا۔ مگر وہ لوٹ آیا اور آپ کو اطلاع دی کہ بنو مصطلق ادا کی صدقہ سے انکار کر رہے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے ان کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔ مگر ولید کی جعل سازی ظاہر ہو گئی۔ اور آپ کو خدا نے حقیقت دانقہ سے آگاہ کر دیا۔ ولید نے ہر طرف سے مایوس ہو کر دوبارہ اسلام قبول کر لیا اور جہاں تک بس چلا اپنے طرز عمل کی اصلاح کرتا رہا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسے بنو تغلب کا جو الجزیرہ میں آباد تھے محصل خراج مقرر کیا تھا۔ لیکن کہاں حضرت عمرؓ یا عمال عمرؓ میں سے کسی کی طرف سے اسے محصل صدف نہ بنا کر جزیرہ کے ایک عیسائی بدوی قبیلہ میں بھجنا اور کہاں حضرت عثمانؓ کا اسے ایسے علاقہ کا حاکم بنادینا جو مسلمانوں کے سب سے اہم صوبوں میں شمار ہوتا تھا اور جس کی سرحدیں دور دور تک چلی گئی تھیں۔ پھر ستم بالائے ستم یہ کہ اسے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا جانشین بنایا گیا تھا، یہ تو بہت ہی بڑا فرق ہے۔

لہذا جن لوگوں نے کوفہ پر حضرت سعدؓ کی جگہ ولید کی تولیت کو نام

کی نظر سے دیکھا وہ حق بجانب تھے۔ فی الحقیقت ولید کی یہ تقرری بڑا اہم مسئلہ ہے۔ دوسری چیز جو حضرت عثمانؓ کے حضرت سعدؓ کو معزول کرنے اور ولید کو والی بنانے کی کہانی ہ کو مشکوک بناتی ہے یہ ہے کہ خود حضرت عثمانؓ نے مدینہ میں بیت المال سے متعلق ایسا ہی رویہ اختیار کر رکھا تھا جو حضرت سعدؓ کی جانب منسوب کردہ رویش سے کہیں بڑھ کر ہولناک تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے کسی عزیز کو بیت المال سے بڑی رقم دلائی۔ بیت المال کے خزانچی نے اس رقم کو بڑا خیال کرتے ہوئے دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے ہرار کیا اور خزانچی انکار کرتا چلا گیا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے اسے ملامت کی۔ قصہ طویل ہے جسے ہم اس کے موقع پر بیان کریں گے۔ اور کہا "مختیس اس سے کیا غرض؟ تم تو بس ہمارے خزانچی ہو" اس پر خزانچی نے جواب دیا "میں خود کو آپ کا خزانچی نہیں سمجھتا تھا۔ آپ کا خازن آپ کا کوئی غلام ہوگا۔ میں تو خود کو مسلمانوں کے مال کا خزانچی خیال کرتا ہوں۔" اس کے بعد وہ خزانچی بیت المال کی چابیاں منبر رسولؐ کے ساتھ لٹکا کر حاذق نشین ہو گیا۔ غرضیکہ بیت المال کے ساتھ جب خود حضرت عثمانؓ کا یہ رویہ ہو تو پھر حضرت سعدؓ پر ان کی گرفت واقعی قابل حیرت ہے۔ حالانکہ بیان کردہ کہانی کے مطابق حضرت سعدؓ نے بیت المال سے کچھ رقم قرض لی تھی اور اس قرض کی ادائیگی کے لئے ہلت مانگی تھی۔ معلوم ہوا کہ جس طرح حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو کسی خیانت کی بنا پر معزول نہیں کیا تھا اسی طرح

حضرت عثمانؓ نے بھی حضرت سعدؓ کو کسی چھوٹی یا بڑی خیانت کی بنا پر معزول نہیں کیا تھا۔ بات یہ ہے کہ پہلے انہوں نے حضرت عمرؓ کی وصیت کو عملی جامہ پہنا دیا اور پھر آل ابی معیط کے ایک شخص کو جگہ دینے کے لئے حضرت سعدؓ کو معزول کر دیا۔

ضروری ہے کہ ہم یہ اعتراف کریں کہ ولیدؓ کو فہم میں لید اور اس کی سیاست کو فہم کی حکومت کے دوران میں جو طرز عمل

اختیار کیا وہ بڑی حد تک قابلیت، بالغ نظری اور حسن کارکردگی کا آئینہ دار تھا۔ اس نے سرحدوں کی مدافعت اور معرکہ ہائے فتوحات کی سرگرمیوں میں کوئی کوتاہی نہ کی۔

بلکہ اس ضمن میں اس نے ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے جنہیں شہرت عالم حاصل ہو گئی اور جن کا تذکرہ نہ صرف ولیدؓ کی زندگی میں بلکہ اس کی موت کے بعد بھی

لوگوں کی زبانوں پر جاری رہا۔ اس نے اہل کوفہ پر بڑی احتیاط و قوتِ ارادی اور جرأت کے ساتھ فرمانروائی کی۔ اس نے قائم کیا۔ مفسدوں، فتنہ پردازوں اور

ان افراد کو جو نہ نظم و ضبط کی پروا کرتے تھے اور نہ دین کا احترام ملحوظ رکھتے تھے شدید سزائیں دیں۔ ایک بار نوجوانوں کے ایک ٹوہنے نے ایک کوئی نوجوان کو قتل

کر دیا۔ ولیدؓ نے انہیں گرفتار کر لیا اور شرعی سزا دیتے ہوئے انہیں قصور کے دروازے کے سامنے قتل کر دیا۔ بعض راویوں کا بیان ہے کہ اس عمل سے

مفتولوں کے والدین سیخ پا ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے ولیدؓ کی بغزشوں کی ٹوہ لگانا شروع کی، اور اس کے خلاف الزام تراشیاں کر کے لوگوں کو اس کے



بدین کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک روز ان میں سے ایک شخص رات کو ولید کے پاس آیا اور دیر تک قصے کہانیاں سناتا رہا۔ وہ ابھی بیٹھا تھا کہ ولید سو گیا۔ اس نے اٹھ کر ولید کی انگلی سے انگوٹھی اتار لی۔ اور اپنے ایک دوست کو ساتھ لے کر حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچا۔ وہاں دونوں نے ولید کے حلافت پر یہ گواہی دی کہ وہ شراب پیتا ہے۔

اس قصے کا فرضی ہونا اتنا واضح ہے کہ کسی صفائی اور وضاحت کی ضرورت نہیں۔ کوئی حاکم بھی اپنی بھل میں سوتا نہیں ہے پھر نیند بھی اس غفلت کی کہ انگلی سے انگوٹھی اتاری جاتی ہے اور اسے احساس تک نہیں ہوتا یہی نہیں بلکہ اس کے خدام، دربان، سپاہی سب ہی بے حس ہو جاتے ہیں اور کوئی بھی اس حرکت کو ہوتا دیکھ کر مزاحمت نہیں کرتا!! جب اس انگوٹھی کے بارے میں اس قدر لابی پن اور غیر ذمہ داری سے کام لیا گیا ہو جو احکامات و فرامین نافذ کرنے پر خلیفہ اور سرحدی کمانڈروں سے مراسلت کرنے میں ہر کام دیتی تھی تو اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ ولید احتیاط قوت ارادی اور ذہانت سے بالکل ہی محروم تھا۔ دشمنان ولید کی بیان کردہ باتوں میں سب سے زیادہ اشتباہ انگیز بات یہ ہے کہ وہ اپنے شاعر دوست ابو زبید کے ہمراہ شراب پیا کرتا تھا۔ ابو زبید سے اس کا تعلق اس وقت سے تھا جب وہ بنو تغلب کا محصل خراج مقرر ہوا تھا۔ اس نے ابو زبید کو اس کے ماموؤں سے اس کا حق

دلوایا تھا اور بعد ازاں اسے اپنا مقرب بنا لیا تھا۔ ابو زبید کا باپ قبیلہ سے تھا اور ماں بنو تغلب سے اور وہ عیسائی تھا۔ جب ولید والی کوفہ ہوا تو ابو زبید اس کے پاس آتا جاتا رہا۔ وہ ولید ہی کے پاس قیام کرتا اور اس کے انعامات وصول کرتا رہتا تھا، یہ سلسلہ ولید کی طرف سے برابر جاری رہا یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو گیا اور دونوں ایک دوسرے سے قریب ہو گئے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ابو زبید کا اسلام بھی اتنا ہی ڈھیلا تھا جتنا کہ ولید کا۔ اس نظریہ کے حق میں سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ولید کو منزلے شریعی دی تھی، حالانکہ جب تک جرم کے ثابت ہونے میں کسی قسم کے شک شبہ کی گنجائش ہو سزا نہیں دی جاتی۔ اگر حضرت عثمانؓ کو ان دونوں جوانوں کی شہادت میں کسی قسم کا بھی کمزور یا قوی شبہ ہوتا تو وہ سزا دینے سے احتراز کرتے۔ کیونکہ شبہ کی وجہ سے سزا موت کو دینے میں حضرت عثمانؓ پر کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا تھا، الزام اور خرابی کی بات تو یہ ہے کہ کسی قوی یا ہموں سے معمولی شبہ کی بنا پر کسی کو سزا دیدی جائے۔

اس امر پر لوگوں کا اختلاف ہے کہ ولید کو سزا دینے میں حضرت عثمانؓ کے حکم کی تعمیل کس کے ہاتھوں انجام پائی۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ کے حکم سے حضرت علیؓ نے سزا دی تھی۔ کیونکہ بہت سے دوسرے لوگ اس پر تیار نہ ہوئے۔ اگر یہ روایت صحیح ہے۔ گو میں اس سے اتفاق نہیں

تو حضرت علیؑ جو دین سے نہایت درجہ واقف، سنت کے پابند، خدا کی رضا اور اس کے حکم کو نافذ کرنے میں سب سے آگے رہنے والے تھے کبھی ایسا نہیں کر سکتے تھے کہ شک و شبہ کی موجودگی میں حد جاری کر دیتے۔ اکثر راویوں کا خیال ہے کہ ولید کو سزا دینے والے سعید بن العاص اموی تھے، یہ سعید حضرت عثمانؓ اور ولید دونوں کے قریبی رشتہ دار تھے، نیز خلیفہ اور اس کے قریبی یا دور کے رشتہ داروں کے بارے میں لحاظ اور تعصب برتنے والے تھے، لہذا اگر اس جرم کی صحت میں انھیں کوئی شبہ نظر آتا تو وہ ضرور حضرت عثمانؓ سے اس فیصلہ پر تبادلہ خیال کرتے اور وہ اتنی قوت رکھتے تھے کہ ناکام ہونے کی صورت میں وہ ولید کو سزا دینے سے معذوری کا اٹھایا کر دیتے، لیکن ایسا کچھ نہ ہوا اور سعید نے ولید کو شرعی سزا دی اور اس بات نے بعد میں ان دونوں کی تلواروں میں بھی دشمنی پیدا کر دی۔

مخالفتین ولید کا بیان ہے — جسے ہم محض سبالغہ آرائی خیال کرتے ہیں۔ کہ ولید نے ایک دن صبح نشہ میں بدست ہو کر فجر کی نماز تین یا چار رکعتیں پڑھا دیں۔ اور پھر نمازیوں سے مخاطب ہو کر کہا: اگر آپ لوگ چاہیں تو کچھ رکعتیں اور پڑھا دیں، اس پر بعض افراد نے اسے گالیاں دیں۔ بعض نے کنکریاں ماریں اور لوگوں نے حضرت عثمانؓ سے التماس کی کہ اُسے ہٹالیا جائے چنانچہ حضرت عثمانؓ نے ان کی استدعا قبول کر لی۔ ولید کے متعلق یہ قصہ اس قدر مشہور ہو گیا کہ اس کو لطیفوں میں شامل کر لیا گیا، شعرا نے اسے ہونہو



بنالیا کہتے ہیں کہ مشہور شاعر خطیبہ نے اس صحن میں یہ اشعار کہے ہیں :-  
 شَهِدَا الحُطَيْبَةُ يَوْمَ يَلْقَى رَبَّهُ - اَنْ الْوَلِيدَ اَحَقُّ بِالْعَذْرِ  
 نَادَى وَقَدْ نَفِدَتْ صَلَوَاتُهُمْ - اَاَرْبَيْدُكُمْ ثَمَلًا وَلَافِدُكُمْ  
 لِيَزِيدَهُمْ خَيْرًا وَلَوْ قَبِلُوا - مِنْهُ لَزَادَهُمْ عَلَى عَشْرِ  
 فَاَبُوا اَبَا وَهَبٍ وَلَوْ فَعَلُوا - لَقَرَنْتَ بَيْنَ الشَّفْعِ وَالْوَسْرِ  
 حَبَسُوا عَنَّا نَكَ اِذْ حَرَيْتَ وَلَوْ - خَلُّوا عَنَّا نَكَ لَمْ تَزَلْ تَجِي

ترجمہ خطیبہ جب اپنے پروردگار سے ملے گا تو اس امر کی شہادت  
 دے گا کہ ولید معافی کا بہت زیادہ مستحق ہے، نماز ختم ہو جانے کے  
 بعد اس نے نشہ سے مستی کے عالم میں لوگوں سے پکار کر کہا "کیا کچھ  
 اور زیادہ رکعتیں پڑھاؤں" حالانکہ اسے کچھ معلوم ہی نہ تھا، اس  
 کا ارادہ تو لوگوں کو خیر و بھلائی زیادہ دینے کا تھا، اگر لوگ منظور کر  
 لیتے تو وہ انیس دس رکعتوں سے زیادہ پڑھا دیتا، لیکن لوگوں نے الجود  
 کی پیش کش کو رد کر دیا، اگر یہ لوگ قبول کر لیتے تو پھر ولید  
 طاق اور وتر رکعات ملاتا چلا جاتا، جب تو نے دوڑنا شروع کیا تو  
 لوگوں نے تیری باگ کھینچ لی، اگر یہ تیری لگام چھوڑ دیتے تو دوڑنا  
 ہی رہتا۔

یہ اخیال تو یہ ہے کہ یہ تمام کا تمام تھک گھڑا ہوا اور بے اصل ہے۔ اگر

میں اضافہ کیا ہوتا تو مسلمانان کوفہ جن میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
ملکین و صاحبین بھی شامل تھے ہرگز اس کی اقتدار نہ کرتے۔ اسی صورت میں  
بھی اس سزا پر رضامند نہ ہوتے جو شراب نوشی پر اسے حضرت عثمانؓ نے دی  
اس لئے کہ نماز میں اضافہ کرنا یا نماز کا تمسخر ادا کرنا اللہ اور مسلمانوں کے نزدیک  
ب نوشی سے بھی زیادہ ہولناک جرم ہے۔

پھر مذکورہ بالا اشعار حطیہ کے نہیں ہیں، حطیہ نے جو شعر کہے ہیں وہ تو  
ہلکی مدح اور اس کی رضا جوئی کا اظہار کرتے ہیں اور وہ اشعار یہ ہیں۔  
شَهِدَ الْحَطِیْئَةُ حَیْنَ یَلْبِثُ رَبَّہُ

اِنَّ الْوَلِیْدَ اَحَقُّ بِالْعُدْوَانِ

خَلَعُوا عِناَنَكَ اِذْ جَرِیْتَ وَ کُو

شَرَّکُوْا عِناَنَكَ کَمْ شَزَلُ ثَجْرِیْ

وَ سَرَّآ ذَا شَمَائِلَ فَاجِبٍ مُّتَبَرِّجٍ

یُعْطٰی عَلٰی الْمِیْسُوْرِ وَ الْعُسْرِ

فَنَزَعْتَ فَاَکُنْ وَّبَا عَلَیْکَ وَ کَمْ

شَرَّدَ اِلٰی عَوْنِیْ وَ لَا فُقْرِیْ

ترجمہ: حطیہ جب اپنے پروردگار سے ملے گا تو اس امر کی

شہادت دے گا کہ ولید معافی کا بہت زیادہ مستحق ہے، ابھی

تو نے دوڑنا ہی شروع کیا تھا کہ لوگوں نے تجھے برطرف کر کے تیری لگام آکر  
 دی اگر وہ تیری لگام چھوڑ دیتے تو تو لگاتار دوڑتا ہی رہتا انہوں نے  
 معزز دنیا میں شخص کے خصال تجھ میں دیکھے تھے جو خوش حالی اور تنگی میں  
 دینے کا عادی ہے۔ تجھ پر تہمت تراش کر تجھے الگ کیا گیا ہے لیکن اس  
 طرح تو کسی فقر و فاقہ میں نہیں ڈالا گیا۔  
 پہلے جو اشعار حطیہ سے منسوب کئے گئے ہیں وہ دراصل ان بدجہ اشعار کے  
 میں کسی شیعہ نے بنائے ہیں۔ اس میں بھی کسی شک کی گنجائش نہیں کہ  
 ذیل اشعار بھی جو حطیہ کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں قطعاً اس کے نہیں

تَكَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ وَ زَادَ فِيهَا

عَلَانِيَةً وَ جَاهَرَ فِي النِّفَاقِ

و فَجَّ الْحُمْرَ عَنْ سَنَنِ الْمُصَلِّ

وَ نَادَى وَالْجَمِيعُ إِلَى افْتِرَاقِ

أَزِيدُكُمْ عَلَى أَنْ تُحْمَدُوا مِنِّي

فَمَا لَكُمْ بِهِ مَالِي مِنْ خَلَوِي

ترجمہ اس نے نماز میں بات کی اور اس میں علانیہ اضافہ کیا اور کھلم

کھلا نفاق کا مرتکب ہوا نماز کے راستے میں شراب کی کٹیاں کیں

اور جب نمازی واپس ہونے کے لئے مشرعوں نے لگے تو پکار کر کہا کہ اگر تم



میری تعریف کرو تو میں کچھ رکعات زیادہ پڑھا دوں اس میں میرے  
یا تمھارے لئے کوئی اچھا اجر تو ہے ہی نہیں۔

صدر اشعار بھی صرف ولید کے دشمنوں نے گھڑے ہیں، حطیبہ نے تو ولید  
نمری کے زمانہ میں اس کی مدح کرتے ہوئے نہایت عمدہ اشعار کہے ہیں  
اس زمانہ میں جبکہ ولید کے خلاف کسی سازش اور سرزنش کا کسی کو خیال  
نہ تھا۔ اپنے اس قصیدے میں وہ ولید کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے۔

أَبَىٰ رِوَبْنِ أَسْرَدَىٰ خُلَّتَانِ اصْطَفَاهُمَا  
قِتَالٌ إِذَا يَلْقَى الْعَدُوَّ وَ نَائِلُهُ  
نَتَّى يَمْلَأَ الشَّيْزِي وَيَزْدَى بِكِفِّهِ

سِنَانُ الرَّدَيْنِي الْوَصِيمِ وَ عَامِلُهُ

یہ ایسا نوجوان ہے جس کی دو پسندیدہ عادتیں ہیں۔ ایک دشمن کی  
سفلوں کو چیرنا دوسری بخششیں عطا کرنا، پیارے بھر بھر کر دیتا ہے  
اور عمدہ نیزہ کا پھل اور بالائی حصہ اس کے ہاتھ میں پہنچ کر خون  
سیراب ہو جاتا ہے۔

يَوْمَ الْعَدُوِّ حَيْثُ كَانَ يَحْفَلُ

يُصِمُّ الْعَدُوَّ جَرْسُهُ وَ صَوَاهِلُهُ

تَرَى عَائِنَاتِ الظَّيْرِ قَدْ وَثِقَتْ لَهَا

شُعْ مِنْ السَّخْلِ الْعَتَاقِ مَنَانِ لَهُ

ترجمہ دشمن کی طرف وہ ایسا لشکر جبار ہے کہ میں قدی کرتا ہے

جس کی گھنٹیوں اور گھوڑوں کی آوازیں دشمن کو ہیرا کر دی ہیں

مردہ تو پرند اس لشکر کو دیکھ کر اپنے پیٹ پھرے کی طرف سے

مطمئن ہو جاتے ہیں اور ایسے نرم گوشت کی امید رکھتے ہیں جو آسوی

میں پلا ہو۔

اسی قصیدہ میں آگے چل کر وہ کہتا ہے

وَإِنِّي لَأَرْجُوهُ وَ إِنْ كَانَ نَائِمًا

برجاء الرِّبْعِ أَنْتَ الْبَقْلُ وَابِلُهُ

لِرُغْبِ كَأُولِ الْقَطَارَاتِ خَلَقَهَا

عَلَى عَاجِزَاتِ الْهَضْبِ حُرُ خَوَاصِلُهُ

ترجمہ میں اس ممدوح سے اگرچہ وہ دور ہے ایسی ہی امید رکھتا ہے

جیسے کہ موسمِ بہار میں بارش سبزی اگا دیتی ہے۔ میں اپنے نرم دناؤں

بچوں کی پرورش کے لئے ممدوح کی مدد کا طالب ہوں جو چھوٹے ہیں

اور گھر سے نکلنے کے قابل نہیں۔

اسی طرح یہ واقعہ بھی فرمائی معلوم ہوتا ہے کہ ولید کے پاس اس

آیا تھا ولید نے اس کے بارے میں ابن مسعود سے فتویٰ لیا۔ جب اس

مین ہو گیا کہ وہ شخص واقعی جادو پر ایمان رکھتا ہے تو انھوں نے اس کے قتل کا  
 حکم دیدیا۔ یہ سن کر اہل کوفہ میں سے ایک آدمی نے آدھو بکھانا تادا اور بغیر ولید کے  
 حکم کے اس جادوگر کو قتل کر دیا۔ بعد میں جب اہل کوفہ ولید کے خلاف شہکار  
 کر حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عثمانؓ نے یہ کہتے ہوئے  
 حکم شخص گمان کی بنا پر لوگوں کو قتل کر ڈالتے ہو انھیں ناکام واپس کر دیا۔  
 ممکن ہے کہ ولید کے پاس کوئی جادوگر لایا گیا ہو۔ اور ولید نے اس  
 تماشا دیکھا ہو جس پر کوفہ کے متشددین بگڑ کر اس بے چارے جادوگر پر پل  
 بے ہوں اور اسے قتل کر دیا ہو۔ جس پر ولید کو بھی غصہ آیا ہو اور حضرت  
 عثمانؓ کو بھی۔ کیونکہ لوگوں کو یہ حق ہرگز نہیں پہنچتا کہ وہ حکومت کے فیصلہ  
 بغیر یا محض ظن و گمان کی بنا پر کسی کا خون بہانے لگ جائیں۔  
 مختصر یہ ہے کہ ولید ایک عام قرشی فرد تھا بظاہر مسلمان تھا ساتھ ہی  
 بے جملہ جاہلی خصال کا بھی پابند تھا۔ اس دور میں وہی پہلا شخص نہ تھا۔ جو  
 راب نوسی کر رہا تھا بلکہ اس جیسے اور بہت سے تھے۔ جن کی زبانیں مسلمان  
 کی تھیں مگر دل پر خلوص ایمان نہ لائے تھے۔ بلکہ کفر و ایمان کے مابین  
 مذہب تھے۔ اکیلا ولید ہی نہ تھا جو پوشیدہ طور پر عشرت کوشی، تماشا پسندی  
 ہنسی مذاق کا دلدادہ تھا بلکہ اس جیسے اور بھی بہت تھے۔ لہذا قرین  
 اس بات یہی ہے کہ ولید اس جادوگر کی شعبہ بازی سے لطف اندوز ضرور



ہوا ہوگا۔ باقی قصہ جو ابن مسعود کی دخل اندازی کا منظر ہے ولید کی ملامت  
 کے لئے گھڑیا گیا ہے۔ میں مانتا ہوں کہ ولید کی معزولی کا ایک سبب  
 کی شراب خواری تھی لیکن کچھ سبب اور بھی تھے جو ممکن ہے اس کی شراب  
 اور اس جادوگر کے کمالات کے معائنہ سے بھی زیادہ اہم اور بعید الاثر ہوں  
 ہو سکتا ہے کہ وہ اسباب اہل کوفہ کے حق میں ولید کی عام سیاسی حکمت  
 یا طرز عمل سے تعلق رکھتے ہوں۔ اہل کوفہ کی اکثریت یہی قبائل پر مشتمل  
 مصریوں کی تعداد بہت ہی کم تھی۔ ولید قریشی تھا اور اسے اپنی قریشیت  
 حضرت عثمان سے قرابت کا جو اس کی ماں کی طرف سے اس کے بھائی  
 گھمنہ تھا۔ میں اس بیان کو بعید از قیاس نہیں سمجھتا کہ یہ یہی اکثریت اس  
 قریشی حاکم سے تنگ دل ہو گئی ہو کیونکہ وہ کھلے بندوں اپنی بڑائی کا  
 اور دوسروں کی تحقیر کرتا تھا۔ چنانچہ وہ آہستہ آہستہ ولید سے متنفر  
 چلے گئے۔ خود اسے بھی اس متنفر کا احساس تھا۔ مگر مجبوراً اسے یہ گوارا کرنا  
 تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ولید اس استقرائیت سے مقابلہ کر رہا تھا۔  
 باعث مخزن ناز سمجھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے بہن اشراف نے ان  
 کو رکھا تھا جو شخص کوفہ میں آئے اور اس کا کوئی ٹھکانہ نہ ہو تو اس کا ٹھکانہ  
 قبیلہ میں ہوگا۔ گویا بظاہر یہ اشراف اس ضمن میں باہم مقابلہ کر رہے  
 اور اس طرح ایک روایتی قدیم عربی رواج کو زندہ کر رہے تھے۔ وہ

راج یہ تھا کہ ہمان کے پر تپاک استقبال کرنے یا اسے اپنے یہاں زیادہ  
 زیادہ بٹھرنے اور بیڑہ چڑھ کر اس کی ہمانی کرنے میں ایک دوسرے کا مقابلہ  
 لیا جائے۔ یہ دیکھ کر ولید نے حضرت عثمانؓ کے حکم سے یا خود اپنی طرف سے  
 ایک ہمان خانہ قائم کیا اور اس طریقے سے ان روسا کی باہمی رقابت و تفاخر  
 و عصبیت کا در بند کر دیا۔ ابوزبید شاعر بھی آکر اسی ہمان خانہ میں اترتا پھر جا کر  
 ولید سے ملتا۔ اور جب تک وہاں مقیم رہتا اکثر ولید کے یہاں اس کی آمد و رفت  
 جاری رہتی ہو سکتا ہے کہ کئی بار ابوزبید ولید کے یہاں سے ہمان خانہ کی طرف  
 لشکر کے عالم میں لوٹا ہوا در زبان کو قابو میں نہ رکھ سکا ہو۔ لہذا وہ لوگ ولید  
 کے بارے میں تحس کرنے لگ گئے ہوں۔

اُدھر ولید کو بھی محسوس ہو گیا تھا کہ لوگ اس سے متنفر اور در پردہ آمادہ  
 پیکار میں چنانچہ اس نے ایسی سیاست سے کام لیا جس میں بظاہر نری اور خیر و  
 معروف کی اشاعت معلوم ہو اور در پردہ عوام میں مقبولیت و ہر دل عزیزی اور  
 اکثریت کی ہمدردی حاصل کرنا مقصود ہو۔ انھوں نے غلاموں کی آسائش کو  
 مد نظر رکھتے ہوئے ان کاتین درہم ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ اور اس رقم کی وجہ  
 ان غلاموں کے آقاؤں اور ان کے موالی کے وظیفوں میں کچھ کمی نہ کی بلکہ انہیں

نہ دیکھو طبری مشہد کے واقعات کا بیان۔

یہ رقم فاضلہ دولت میں سے ملتی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ فاضلہ دولت موجود  
 جو مولانا وظیفہ پانے والوں میں تقسیم ہونی چاہیے تھی جنہوں نے اسے لو کر  
 غنیمت حاصل کیا تھا۔ لیکن ولید اس فاضلہ رقم کو ان مجاہدین کے حوالے کر  
 کی بجائے اس سے لونڈی غلامیوں کی سہولت کا بندوبست کرتا تھا۔ گو  
 مال غنیمت کو مال غنیمت ہی میں واپس لوٹا رہا تھا۔ کیونکہ لونڈی غلام بھی مال  
 ہی کا ایک حصہ تھے جنہیں فاتحین نے سونے چاندی اور دوسری اشیاء  
 طرح آپس میں تقسیم کر لیا تھا۔ اب جو عربوں کی اس نفسیات سے واقف  
 ہے کہ وہ بڑی حد تک جاہلیت کی عادات لے کر بظاہر مسلمان ہو گئے تھے  
 بلا کسی تعجب کے اظہار کے یہ سمجھ لے گا کہ کوفہ کے یمنی قبائل اس قرشی دا  
 سے کیوں بیزار تھے جو ان کا مال غنیمت انہی کے مال غنیمت میں لوٹا رہا تھا  
 اور انہی کی فاضلہ دولت کے ذریعے لونڈی غلامیوں کو آسودہ کر کے ان کی  
 محبت اور تباہید حاصل کر رہا تھا۔ عین ممکن ہے کہ ان کے ذریعے وہ اپنے  
 لئے ایک ایسی طاقت بنا رہا ہو جو اپنے آقاؤں کے مقابلہ میں اس کی حمایت  
 کرنے یا اپنے سرداروں کے خلاف بوقت ضرورت حکومت کی مدد کرے  
 راویوں کا بیان ہے کہ جب ولید معزول ہوا تو غلام اور لونڈیوں نے اس  
 پر سوگ منایا۔ طبری کی روایت کے مطابق یا ندیاں رونے کی وجہ سے ہلکا  
 لے کر یہ رجز یہ اشعار گاتی تھیں:



يَا وَيْلَتَا قَدْ غَزَلَكُمُ الْوَيْلُ

وَحَبَاءُ نَا فُجُوعًا سَعِيدُ

يَنْقُصُ فِي الصَّاعِ وَلَا يَزِيدُ

فُجُوعُ الْوَيْلِ مَاءُ الْعَيْدِ

ترجمہ: وایے ولید کی معزولی کے سبب سے ہم تباہ ہو گئے اور اس

کے بعد بھوکا مارنے والا سعید ہمارا حاکم بن کر آیا ہے، وہ پیانہ (ساع)

میں کمی کرتا ہے بڑھاتا نہیں، لونڈیاں ہر غلام تو بھوکے مار دیئے گئے۔

لیکن میرے خیال میں یہ رجز جعلی ہے جسے ولید کے حامی قصہ نگاروں نے

گھڑ لیا ہے۔ اس لئے کہ کوفہ کے ایرانی لونڈی غلام عربی زبان پر اس قدر

حادی نہیں ہوسکے تھے کہ وہ ولید و سعید کے بارے میں عربوں کی طرح رجز

اشعار کہتے۔ تاہم ایسے رجز یہ اشعار سے یہ بات ضرور ظاہر ہوتی ہے کہ ایرانی

غلام اور آزاد افراد سب ولید کو دل و جان سے چاہتے تھے۔ کیونکہ وہ انہیں

عزیز رکھتا تھا اور انہیں اپنا ناجا ہٹاتا تھا۔ یہی باعث ہے کہ راویوں کے

قول کے مطابق ولید کے بارے میں اہل کوفہ دو پارٹیوں میں بٹ گئے

تھے۔ عوام اس کے حامی تھے اور خواص مخالف۔

اس کا مطلب بجز اس کے، کیا ہو سکتا ہے کہ ولید عوام کے ساتھ شفقتانہ

سلوک کرتا تھا اور خواص کے ساتھ سختی برتتا تھا۔ لیکن اگر اس معاملہ میں

ولید کا طرز عمل وہی ہوتا جو حضرت عمرؓ کا تھا تو کوئی اس پر اعتراض کی جرأت نہ کرتا۔ حضرت عمرؓ بھی عوام کے حق میں نرمی اور خواص کے حق میں سختی برتتے تھے۔ لیکن خواص کے حق میں اس سختی کے ذریعہ ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ ان کی خود پسندی و خود رانی، جاہلی عصبیت کی پاسداری اور جذبہ غرور و تکبر کا مقابلہ کریں۔ ولید کے پاس ایسا کوئی مقصد نہ تھا۔ وہ تو استقامت سے زور آزمائی کر رہا تھا اور اس مقابلہ میں اس نے لونڈی علاموں کو اپنے مابین آڑ بیٹالیا۔

بہر حال ولید معزول ہو گیا اس وقت کوفہ کے اصحاب عقل و ریائے اس سے بیزار اور ناراض تھے۔ سرداران قوم کی ناراضگی کا سبب جیسا کہ ہم پہلے بیان کیا یہ تھا کہ وہ انھیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتا اور ان سے شک رکھتا تھا اس کی کوشش یہ تھی کہ ان کے علاموں کو ان کے خلاف درغلائے۔ معلمین و صالحین اور فقہاء حضرات اس کی جاہلیت کی عادتوں کے باعث اسے ناپسند کرتے تھے جس کی وجہ سے وہ تماشینی بنی مذاق، عیش کوشی کا دلدادہ تھا اور حد و انداز سے تجاوز کرتا تھا۔

# کوفہ سعید بن العاص کے میں

حضرت عثمانؓ کا یہ اقدام نہایت مناسب تھا کہ انھوں نے ولید کو بحال رکھنے پر  
 اصرار نہ کیا اور اس کی رہایت کے بغیر شرعی سزا دی جس کا وہ مستحق تھا اس کے بعد انھیں  
 چاہیے یہ تھا کہ کوفہ کی حکومت ہمارے ہاں دین و انصاف میں سے کسی صحابی اور قابل شخص  
 کے سپرد کرتے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو اس صوبہ کی حالت سدھر جاتی اور لوگ اخلاقاً  
 اور فرقہ بندیوں کا شکار نہ ہوتے۔ لیکن انھوں نے اہل کوفہ کی گردنوں پر سے  
 آل انبیاءؑ کے ایک شخص کو اتار کر بنی امیہ کے ایک شخص کو حاکم بنا کر ان کی طرف  
 بھیج دیا حالانکہ حضرت عمرؓ نے انھیں پہلے ہی تاکید کر دی تھی کہ وہ ان ہر دو قبائل  
 کے افراد کو لوگوں کی گردنوں پر ہرگز سوار نہ کریں اور اس میں کسی شک کی گنجائش  
 نہیں کہ اہل کوفہ کو حضرت عمرؓ کی اس تاکید کی ہدایت کا علم ہو گا جو انھوں نے  
 حضرت عثمانؓ کو دی تھی۔ مزید برآں ان کی نظر میں بہت سے صحابہ کرامؓ رہے  
 ایسے تھے جن کی سیرت پر وہ مطمئن تھے اور جنہیں اپنا حاکم بنانا وہ پسند کرتے تھے۔



حضرت عثمان کو یہ بھی معلوم تھا کہ اہل کوفہ سعد بن ابی وقاصؓ کے بعد ولید بن عقبہ کی حکومت سے دل تنگ ہو چکے تھے، لہذا اب کی باران کے لئے ضروری تھا کہ وہ کوفہ کی حکومت پر کسی ایسے شخص کو مامور کرتے جو ولید کے ہم مرتبہ ہونے کی بجائے حضرت

سعد کی قدر و منزلت کا ہوتا۔ سعید کوفہ کے نئے والی سعید بن العاصؓ بن ابی العاص بن امیہ کے نوجوانوں میں

سے تھے ان کے مزاج میں اعتدال راست روی تھی۔ فتح شام میں اپنے بھائیوں کے ساتھ انھوں نے بھی اپنے جوہر دکھانے اور کارہائے نمایاں انجام دیے۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت سے پہلے وہ انہی کی سرپرستی میں رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے قریشیوں کو تلاش کرتے ہوئے ان کے بارے میں پوچھا تو انھیں بتایا گیا کہ سعید بیمار ہیں اور ان کی حالت نازک ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت معاویہؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ سعید کو آرام و حفاظت سے ان کے رشتہ دار یاں بھیج دیا جائے جو وہی وہ مدینہ میں پہنچے ان کی صحت و قوت لوٹ آئی۔ حضرت عمرؓ نے ان کا پرے سے تپاک سے استقبال کیا اور ان سے بہت محبت و شفقت کا سلوک کیا۔ حضرت عمرؓ ان کے حال پر بدستور ہریان رہے حتیٰ کہ آپؓ نے ان کی شادی کر دی اور انھیں وہی رتبہ عطا کیا جو ان کے بھائیوں کے تھا۔ قریشی نوجوان ان شرافت کو حاصل تھا۔ پھر سال وہ اموی قریشی اور حضرت عثمانؓ کے قریشی رشتہ داروں میں سے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ صداقت پسند تھے لیکن باہر ہند وہ قریشی کی

عظمت کے عموماً اور منوامیہ کی عظمت و امتیاز کے خصوصاً قابل تھے۔ الغرض وہ کوفہ میں اس پختہ ارادہ کے ساتھ گئے تھے کہ ولید کی پیدا کردہ جملہ خرابوں کی اصلاح کریں اور اس بارے میں ان کی طرف بہت سے قفسے منسوب کئے جاتے ہیں۔ بعض داستان گو کہتے ہیں کہ انھوں نے ولید کی عنصیاں کاری سے اجتناب کے پیش نظر منیر کو بھی دھلوا دیا، جس سے بعض قریشیوں کو دکھ پہنچا۔

یہ ٹھیک ہے کہ اہل کوفہ نے ان کا شاندار استقبال کیا تھا اور سعید بھی ابتداءً ان لوگوں کے ساتھ اچھی سیاست سے کام لیا۔ انھوں نے کوفہ

کوفہ اور دیگر نئے مفتوحہ علاقوں کی اصل بیماری کے حالات کا بہت قریب سے مطالعہ کیا۔ ان اشخاص کو ندیم و مصاحب بنایا جو رؤسا و مبلغین میں سے تھے

اور جنہیں ولید نے ناراض کر لیا تھا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد وہ معاملہ کی تک پہنچ گیا اور معاملہ کی صحیح صورت سے حضرت عثمانؓ کو مطلع کر دیا، اس نے حضرت عثمانؓ کے پاس جو روداد بھیجی تھی اس میں صرف احوال کوفہ ہی کی ہو ہو تصویر نہ تھی بلکہ اس سے صوبہ جات کے احوال پر بھی روشنی پڑتی تھی۔ اس نے بتایا کہ کوفہ دو وجوہ کی بنا پر فتنہ و فساد سے دوچار ہے۔ ایک سبب یہ تھا کہ صاحب بقیعت "حضرات کمزور ہو گئے تھے مروایا مہ کے ساتھ ان کی حیثیت گھٹتی جا رہی تھی۔ اصحاب بقیعت وہ رؤسا تھے جو فتوحات میں سب سے پہلے



شریک ہوئے اور جب کوفہ کا شہر بسایا گیا تو وہیں مقیم ہو گئے۔ ان میں سے بعض ایسے بزرگ بھی تھے جنہیں اپنے قبیلوں میں سرداری حاصل تھی۔ ان میں ایسے مبلغین بھی تھے جنہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے شرف زیارت کے باعث بلند دینی مرتبہ حاصل تھا۔ مگر اب موت ان کی تعداد کو جنگ و ہن ہرو صورتوں میں گھٹائے جا رہی تھی۔

دوسرا سبب یہ تھا کہ نوجوانوں اور دیگر علاقوں سے آنے والوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی ان میں بڑی تعداد ان عرب کے صحرائیوں کی تھی جو اپنی مہجرت سے یا خلیفہ کے حکم سے شکر میں بھرتی ہونے کے لئے آتے تھے اور اسی طرح ایک بڑی تعداد ان قیدیوں کی تھی جنہیں فاتحین ایران جنگ کی جیت سے مال غنیمت کے ساتھ آپس میں تقسیم کر لیتے اور پھر اپنے ساتھ کوفہ میں لا کر لے جاتے۔ پھر اس نئی نسل میں بہت بڑی تعداد ان کی تھی جو آزاد ماؤں یا لونڈیوں کی اولاد تھی علاوہ ازیں ایسے نوجوان بھی کثیر تعداد میں موجود تھے جو یا تو آزاد عجمیوں کی اولاد تھے یا غلام عجمیوں کی۔ یہ تمام نئی پود بڑھ کر نمایاں حیثیت و قوت اختیار کر کے کوفہ کی عمومی زندگی پر اثر انداز ہو رہی تھی۔

غرض عرب و عجم کے یہ اجنبی اور ان کی اولاد کوفہ میں اس قدر پھیل گئی کہ اہل سبقت دب کر رہ گئے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ان کی بجائے حکومت کی باگ ڈور بھی اس نئی پود کے ہاتھ میں آ جائے گی۔ یہ نئی پود ساری کی ساری



علم کی بجائے جہل اور مری و ہربانی کی بجائے برشتی و تند خوئی سے زیادہ بہرہ ور تھی۔ بدوائے ہمراہ اپنی روایتی ورشتی۔ تند خوئی۔ عصبیت اور جہل لاتے تھے۔ قیدی اپنے ہمراہ اپنا موروثی بدن لاتے تھے جو زوال پذیر حالت میں ہوتا جس میں شکست خوردگی کی وجہ سے عاجزی و ذلت مانتی پر حسرت، مستقبل سے مایوسی، آقا کے خلاف دل میں بغض و کینہ، مکر و نیر اور چال بازی کے منہ جملے جذبات پائے جاتے۔ اس ماحول میں پرورش پانے والوں نے دونوں گروہوں سے کچھ عادتیں اور اخلاق اپنائے، صحیح شکلیں ان کے سامنے نہ رہیں اس طرح نہ صرف اپنے لئے بلکہ دوسروں کے لئے بھی یہ پریشانی کا سبب بن گئے اور ان کی درجہ سیاسی معاملات بھی نہایت پیچیدہ بن گئے تھے جنہوں نے امر و عقال کو عجیب و غریب مشکلات میں ڈال دیا تھا، وہ اگر معاملات کے ایک سرے کو سلجھاتے تھے تو دوسرا سرا پھر الجھ جاتا تھا۔

اس ستم کی کچھ باتیں سعید نے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں لکھ بھیجیں تاکہ انہیں اپنے غلامہ کی حقیقت حال سے آگاہ کریں۔ حضرت عثمانؓ نے جواباً سعید کو ہدایت کی کہ "جہاں تک ممکن ہو تم امن و عافیت اور بھلائی کو اپنا شعار بنا لو اور حتی الوسع اپنے آپ کو اور عوام کو فتنہ و فساد سے بچائے رکھو۔ نیز یہ بھی ہدایت کی کہ اصحاب سبقت کو اور ان سے ہم رسم رکھنے والوں کو مقدم رکھتے ہوئے باقی جملہ عوام کے ساتھ منصفانہ طور پر درجہ بدرجہ سلوک کرنا کسی کو دوسرے پر ناموجب ترجیح نہ دینے کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرنے کسی پر ستم نہ ڈھانڈنا۔"

تاہم اس وقت سے حضرت عثمانؓ کو یہ محسوس ہونے لگا کہ عوام کے احوال

متغیر ہو چکے ہیں اور فتنہ روزگار ہوتا رہا ہے لہذا اس فتنہ سے بچاؤ کی سبیل

پیدا کرنا لازمی امر ہے۔ چنانچہ انھوں نے **حضرت عثمان کا مخورہ علاج** اپنے مذہبی لوگوں کے سامنے تقریر

کرتے ہوئے یہ سب امور بیان فرما دیے۔ فتنہ کے نتائج سے متنبہ کیا اور اس

روش پر گامزن ہونے کی انھوں نے سعید کو ہدایت کی تھی اس کے بارے میں

مشورہ طلب کیا۔ لوگوں نے ان کی فرستادہ ہدایات کی تائید کی لیکن حضرت

عثمانؓ نے ایک اور اہم تجویز پیش کی جسے سن کر اہل بیان مدینہ کی اکثریت نے

بہت زیادہ مسرت کا اظہار کیا۔ حضرت عثمانؓ کا خیال تھا کہ اس طرح بگڑی

ہوئی حالت کو سنوارا جاسکے گا اور منتشر اجزائی شیرازہ بندی ہونے لگی۔

لیکن نتیجہ حضرت عثمانؓ کی مرضی کے بالکل برعکس نکلا، ان کی پیش کردہ تجویز

یہ تھی کہ لوگ عرب میں جہاں بھی اقامت کر لیں انھیں جگہوں پر ان کے

مال غنیمت کے حصے منتقل ہو جائیں، مطلب یہ تھا کہ فوجی خدمت کے علاوہ

ہونا گزیرے کو نہ مصر اور مصر میں صرف وہی افراد ہیں جن کا وہاں رہنا

ضروری ہو۔ اہل مدینہ حضرت عثمانؓ کی اس نئی تجویز کو سن کر حیرت و تعجب

میں پڑ گئے، انھوں نے حضرت عثمانؓ سے دریافت کیا کہ آخر آپ ہمارے

وہ زمینیں جو مال غنیمت میں ملی ہیں ہماری طرف کیوں نہ منتقل فرمائیں گے

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا — اور یہی اس نئی تجویز کا لب لباب ہے

اسلام کی نئی ملکیتوں اور جاگیر دارانہ  
نظام کا امتداد۔ ایک عظیم اقتصادی  
انقلاب

جو چاہے گا ہم اس کی زمین اس  
کی جائیداد کے بدلے ہیں جو وہ  
حجاز میں لینا چاہے بکوائیں گے  
لوگ یہ سن کر بہت خوش ہوئے

اس طرح اللہ نے ان پر ایک مسئلہ آسان کر دیا جو ان کے خواب و خیال میں بھی تھا۔  
چنانچہ وہ خدا کی طرف سے ان کا کشش کی خبر سن کر اپنے اپنے گھروں کی طرف  
چلے گئے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت عثمان غنی نے اولاً اہل حجاز کے لئے اور ازاں بعد  
تمام اہل عرب کے لئے یہ پیش کش کی کہ وہ اپنی ان زمینوں کی بجائے جو عراق یا  
دوسرے علاقوں میں ہیں، حجاز یا عرب کے دوسرے اقطار میں جہاں چاہیں  
زمینیں خرید سکتے ہیں۔ اس صورت میں وہ اپنے اپنے علاقوں میں رہیں گے اور انہیں  
وہاں سے ادھر ادھر نہیں جانا پڑے گا۔ ان کے ساتھ ان کے کنبہ، قبیلہ والے  
اور متعلقین بھی مقیم رہیں گے۔ لہذا صوبہ حیات میں آبادی کا دباؤ ہلکا ہو جائے گا اور  
ان علاقوں کی طرف اہل عرب کی ہجرت گھٹ جائے گی۔ علاوہ ازیں یہ بھی مد نظر تھا  
کہ جو لوگ صوبہ حیات میں واقع املاک کے عرصہ عرب کے اضلاع میں یا حجاز میں  
زمین خریدیں گے انہیں بہت سے مزدوروں کی بھی ضرورت ہوگی تاکہ ان زمینوں  
کی اصلاح ہو اور ان میں فصلیں کاشت کی جائیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ غلام و موالی  
زیادہ تعداد میں اقطار عرب کی جانب کھینچ آئیں گے اور اس طرح صوبائی علاقوں



میں قیدیوں کی سلسل آبد کے باعث آبادی پر جو دباؤ پڑ گیا تھا وہ بھی ہلکا ہوا۔ اس تجویز پر لوگوں کی مسرت و شادمانی کوئی تعجب خیز امر نہ تھا، ظاہر ہے کہ حجازیوں کے لیے سرزمین حجاز عراق کے مقابلے میں زیادہ عزیز تھی۔ اسی طرح یمنیوں کو سرزمین یمن سے بصرہ و شام سے زیادہ پیاری تھی، وہ زمینیں ان کے وطنوں میں ہونے کی وجہ سے ان سے قریب ہوں گی، انہیں اس کی دیکھ بھال میں زیادہ مشقت و کلفت بھی نہ کرنا پڑے گی۔ نہ کوئی چھوٹا بڑا سفر کرنا پڑے گا اور نہ اپنے آباء و اجداد کی قبروں سے ہجرت کرنی پڑے گی۔ حضرت عثمانؓ نے اس اجازت کی عام شہیر کی اور لوگوں کے لئے وہ عظیم راہ کھول دی جس کا لوگوں کی سیاسی۔ اجتماعی۔ اقتصادی اور عقلی زندگی پر بہت گہرا اثر پڑا۔ اس اثر کو بتانے کے لئے ہم کچھ مثالیں پیش کرتے ہیں۔ ہوا یوں کہ حجاز میں کئی صحابہ کبار بڑی بڑی منقولہ و غیر منقولہ املاک رکھتے تھے۔ جلد ہی انہوں نے دیگر صوبہ جات میں زمینیں خریدنے کے لئے تمام مال خرچ کر دیا، انہیں علم تھا کہ منقولہ علاقوں کی زمینیں حجاز کی زمینوں سے زیادہ مثلاً اب اور زرخیز ہیں اور وہاں کاشتکاری بھی کم محنت طلب ہے۔ طلحہ بن عبید اللہؓ نے بڑی عہد صرف کر کے خیبر کے تقریباً تمام حصے ان لوگوں سے یا ان کی اولاد سے خرید لئے تھے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں خیبر میں شریک ہوئے تھے۔ مگر جب حضرت عثمانؓ نے یہ ورکھوں دیا تو انھوں نے خیبر کے حصے ان اہل حجاز کے ہاتھوں بیچ دیئے جو فتح عراق میں شریک تھے اور

بن ان لوگوں کی عراق کی زمینیں لے لیں۔ حضرت طلحہؓ کے پاس خیبر کی زمینوں کے  
 وہ بھی بہت مال و متاع تھا۔ لہذا انہوں نے چند ادراہل حجاز سے بھی ان کی عراق  
 واقع زمینیں خرید لیں۔ بلکہ خود حضرت عثمانؓ کو اپنی حجاز والی زمین دے کر اس کے  
 بن ان کی عراق والی زمین لے لی۔ دوسرے لوگوں نے بھی یہی سلسلہ جاری رکھا،  
 ان کو بھی حجاز سے ہجرت ناگوار گذری اسی لئے مفتوحہ علاقوں والی زمین بیچ کر  
 اپنے وطن سے قریب کی زمین خرید لی۔ اس کا نتیجہ ایک تو یہ نکلا کہ عراق اور دوسرے  
 ممالک میں بڑی بڑی جاگیریں ظہور میں آ گئیں۔ کیونکہ اس جدید تجویز سے  
 لڑے اٹھا سکے والے وہی لوگ تھے جن کے پاس بڑا سرمایہ تھا۔ اور جو چھوٹی چھوٹی  
 مالکوں کے مالکوں سے ان کی جاگیریں خرید سکتے تھے۔ لہذا حضرت طلحہؓ نے خریدی۔  
 حضرت زبیرؓ نے خریدی۔ مروان بن الحکم نے خریدی۔ اور اس سال زمین کی خرید و  
 فروخت قرضہ جات اور تبادلوں کی وجہ سے دولت خوب مختلف ہاتھوں میں بکھرتی  
 پھرتی رہی۔ پھر یہ سلسلہ صرف حجاز و عراق تک محدود نہ رہا۔ بلکہ یہ ایک طرف تمام  
 ملک عرب اور دوسری طرف تمام ممالک مفتوحہ میں عام ہو گیا۔ ایک طرف بڑی  
 بڑی زمینداریاں اور جاگیریں نظر آتی تھیں تو دوسری طرف ان کی دیکھ بھال کر  
 والے مزدور بھی نظر آتے تھے۔ جن میں غلام۔ موالی اور آزاد بھی شامل تھے۔ بایں  
 صورت اسلام میں وہ طبقہ جدید ظہور میں آ گیا جسے مالداروں کی حکومت  
 (PLUTOCRACY) کہتے ہیں جس کا امتیازی نشان و دارستقراطیت ہے

ہے جو نسلی سیادت کے علاوہ جاہداد کی کثرت۔ دولت کی فراوانی اور خدمت کی افراط رکھتی ہے۔

ثانیاً اس کا جو نتیجہ برآمد ہوا وہ یہ کہ جن لوگوں نے ملک عرب میں اور حجاز میں زمینیں خرید لی تھیں وہ انہیں زرخیز بھی بنانا چاہتے تھے لہذا انہوں نے زیادہ سے زیادہ غلام فراہم کر لئے۔ چنانچہ کچھ ہی مدت بعد حجاز کا دنیا کے گلزاروں میں شمار ہونے لگا۔ ایسے باغات جو سب سے زیادہ شاداب و زرخیزائی سے لدے ہوئے، اپنے مالکوں کے لئے بڑی آمدنیوں کا باعث جس کا نتیجہ خیر و فارع البالی ہو۔ نتیجہ جلد ہی خود مکہ۔ مدینہ اور طائف میں فارع البالی وہ طبقہ پیدا ہو گیا جو خود کسی کام کو ہاتھ نہ لگاتا جس کا تمام کام غلاموں کے سرانجام پاتا۔ اور جس کا اپنا وقت لہو و لعب، عشرت کوئی اور ہنسی مذاق میں اتناں بعد ایک صورت یہ رونما ہوئی کہ حجاز اور اس کے علاوہ تمام اعراب عرب میں تمدن بسرعت تمام کھینچ آیا چنانچہ خوش حالی و آرام پرستی کا دور وہاں وہ فنون بھی پیدا ہو گئے جو خوش حالی اور آرام پرستی کا ثمرہ ہوتے ہیں یعنی نہ رقص و شاعری کی وہ قسمیں جو سنجیدگی اور قوت عمل پیدا نہیں کرتیں بلکہ سادی و آرام پرستی، اور ان کی لذت کے لئے مرثیے کی عکاسی کرتی ہیں یا ان کے لئے اپنے آپ میں کھوئے رہنے اور اپنے نفس کی فکر و مشاغل سے رہنے کی ترقی کرتی ہیں۔ اس خوش حال و آرام پرست طبقہ کے جلو میں غلاموں کا وہ طبقہ



رہا تھا جو اپنے آقاؤں کا مالک تھا اور ان کی زندگیوں کے پروگرام مرتب کرتا  
 ان کے لئے ان کی باطل سرگرمیوں اور ہوس پرستیوں کا انصرام و اہتمام کرتا  
 علاوہ ازیں ان غلام سرداروں یا سردار غلاموں کے پہلو میں ایک اور طبقہ بھی  
 بیسر کر رہا تھا اور وہ تھا محروم صحرائین عربوں کا جو عراق میں کسی زمین کے  
 نہ ہونے کی وجہ سے حجاز میں کوئی قطعہ اراضی نہ خرید سکے اور اسی طرح  
 ہیں ان کے قبضہ میں کوئی زمین نہ تھی جسے بیچ کر عراق میں جلاؤ خرید سکتے۔  
 جب حضرت عثمانؓ اور ان کے مشیران و خواص اس نئی تجویز پر غور و فکر  
 کرتے تو ان میں سے کسی کی نگاہ ان دور رس نتائج تک نہیں پہنچتی تھی،  
 عثمانؓ نے تو ایک خرابی کا ازالہ اور ایک بد عنوانی کا استیصال کیا تھا،  
 کامطلب تو یہ تھا کہ عربوں کو ان کے علاقوں میں ہی رہنے دیا جائے اور ان کی  
 ت کا زور کم ہو جائے۔ نیز قیدیوں اور غلاموں کو ملک عرب میں لے آیا جائے۔  
 ان نے تو اہل حجاز کو اجازت دی تھی کہ وہ مقبوضہ علاقوں میں واقع اپنے چھوٹے  
 بٹے اور بیچ کر ان کے عوض اپنے قریبی علاقوں میں زمین خریدیں اور قریب رہ  
 کی نگہداشت کریں۔ لیکن حضرت عثمانؓ کا مقصد حاصل نہ ہوا بلکہ اس نے  
 ق پر تیل کا کام کیا اور معاملہ کو مزید خطرناک کر دیا۔ ہمیں معلوم کہ حضرت عثمانؓ  
 لیں کو مالک مفتوحہ کی طرف جانے سے روکنے یا وقتی طور پر اس ہجرت کے  
 لیے کو بند کرنے میں کامیاب ہوئے یا نہیں۔ کیونکہ تاریخ نہیں اس بارے میں کچھ

نہیں بتاتی۔ بلکہ مجھے تو اس میں بھی شک ہے کہ تاریخ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ  
 اور ان کے مشیرانِ کار کی اس اہم تجویز کو سمجھ بھی سکی جس کے ذریعہ انھوں نے اسلام  
 کی اقتصادی زندگی میں یہ انقلابِ عظیم برپا کرنا چاہا تھا۔ اس میں شک نہیں  
 حضرت عثمانؓ ان مفتوحہ علاقوں سے ان روز افزوں غلاموں اور قیدیوں کو  
 کم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس لئے کہ عہدِ عثمانؓ میں فتوحات کی رونمائی  
 بلکہ فتوحات کا ریلہ بدستور بڑی شدت اور تندی کے ساتھ بڑھتا ہی چلا  
 تھا جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے۔ پھر یہ کہ مالِ غنیمت کے پانچ حصوں  
 چار حصے (یعنی) فاتحین میں تقسیم ہو رہے تھے۔ یہ فاتحین مفتوحہ شہروں  
 ہی اقامت گزریں تھے۔ سرحد کی طرف انھیں چار سال کے بعد ایک بار جانے  
 تھا اور جب جاتے تھے تو صرف چھ ماہ کے لگ بھگ وہاں بھیرائے  
 تھے۔ بہر حال یہ اموالِ غنیمت اور یہ غلام اپنے آقاؤں کے ساتھ صوبائی  
 میں سے بڑھتے چلے آ رہے تھے اور غلاموں کی تعداد مسلسل بڑھ رہی تھی۔ اس  
 چارہ کار تھا اور وہ یہ کہ فتح کا سلسلہ رُک جاتا اور سلطنت اس دہشت کے  
 میں زندگی بسر کرتی اور یہ چیز حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں میسر نہ آئی۔

لے حیرت ہے کہ اسیرانِ جنگ کے متعلق قرآن کے صریح حکم کے خلاف انہیں غلام بنائے  
 تھا۔ کیا ہم تاریخ کے بیان کو صحیح مانیں؟ (معلومِ اسلام)

اس وقت تو دایان صوبہ جات کا ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ملائے فتح کرنے میں مقابلہ  
 ٹکنا ہوا تھا۔ اسی طرح پہ سالاران سرحد کے مابین شدید مقابلہ تھا کہ کون کس رزا میں سب سے پہلے  
 دشمن کے سامنے سینہ سپر ہوتا ہے اور کون سب سے پہلے کس شہر پر قابض ہوتا ہے۔ کون سب سے  
 زیادہ غنیمت سمیٹ کر اولاً خود کو اور اپنے لشکر کو اسودہ دل شاد کرتا ہے۔ ثانیاً  
 حاکم صوبہ کی خوشنودی حاصل کرتا ہے اور ثالثاً خلیفہ و صحابہ رسول کی مسرت  
 کا باعث ہوتا ہے۔ بہر حال حضرت عثمانؓ مستحربین اور مغلوبین کا دباؤ مفتوحہ  
 شہروں بالخصوص بصرہ و کوفہ سے کم نہ کر سکے۔ اور نہ حجاز میں زمینیں خریدنے  
 والوں کو یہ موقع مل سکا کہ وہ اپنے معاملات کو منظم و منضبط کر کے مطلوبہ  
 کارکنوں کو اس انداز سے درآمد کرتے کہ مفتوحہ شہروں میں غلاموں کی تعداد  
 کم ہو جاتی۔ حضرت عثمانؓ نے اس اقتصادی انقلاب کی بنیاد سنہ ۳۳ھ میں  
 ڈالی اور سنہ ۳۵ھ میں وہ شہید ہو گئے۔ ابتدائی دو سالوں کے اندر ہی بیچ  
 گڑ بڑ شروع ہو گئی تھی۔ لہذا اس مختصر سے وقت میں یہ انقلاب متوقع نتائج  
 تو پیدا نہ کر سکا بلکہ حد درجہ مختصر سے وقت میں وہ انتہائی ناگوار پھل لایا کیونکہ  
 حجاز کے سرمایہ داروں اس موقع کے بہ غایت اشتیاق منتظر تھے ہی۔  
 حضرت عمرؓ نے جب قریش کو مدینہ کا پابند کیا تھا تو صرف افراد کو پابند  
 نہیں کیا تھا بلکہ بڑی حد تک ان کی دولت کو بھی وہاں سے باہر نہ جانے دیا  
 تھا وہ حجاز اور مالک مفتوحہ کے درمیان پیر سے پیمانہ پر تجارت کرتے تھے۔



جس نے اس وقت بڑی مقدار میں منافع حاصل ہوتا تھا۔ لیکن وہ اس دولت سے  
 سین بے پناہ کو ہماری آج کل کی اصطلاح کے مطابق کسی بڑے نفع بخش کام  
 میں نہ لگا سکتے تھے۔ مال پر مال اور نقدی پر نقدی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ فقر  
 اور متوسط درجے کے لوگ اس دولت کو دیکھتے تو حیرت و تعجب کا اظہار کرتے  
 کبھی اس کے خلاف زبانیں بھی کھولتے جس سے مجبور ہو کر اصحاب ثروت اپنی  
 دولت کا کفارہ بخش خیرات اور عطیوں کی شکل میں ادا کرتے رہتے تھے۔ نیک  
 دل اغنیاء اس سخاوت و بخشش سے خوشنودی مولیٰ اور عوام کی دل جوئی کے  
 طالب ہوتے تھے اور دوسرے لوگ اس عمل سے بعض لوگوں کے دلوں میں  
 پیدا ہونے والے حسد و کینہ سے بچنے کی کوشش کرتے تھے۔  
 حضرت عمرؓ نے قریش کو اکتسابِ زر سے منع نہ کیا تھا کیونکہ ان کے  
 پابن اس سلسلہ کو بند کرنے کے لئے کوئی صورت نہ تھی تاہم ان کے دل میں  
 یہ بات پوری طرح جاگزیں ہو چکی تھی کہ سرمایہ دار مبنی چاہیے اس سے زیادہ  
 کمار ہے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں فقر  
 منشا۔ جو بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی اگر ابتداء میں معلوم ہو جاتی تو میں  
 زرداروں سے تمام فالتو دولت چھین کر فقرا میں تقسیم کر دیتا۔ بیان کیا  
 جاتا ہے کہ ایک روز جب اہل مدینہ خواب سے بیدار ہوئے تو ایک ہنگامہ  
 شور سنائی دیا۔ حضرت عائشہؓ کو دریافت کرنے پر بتایا گیا کہ حضرت عبد

بن عوفؓ کا کاروان تجارت وارد ہوا ہے۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے کہا: میں نے رسول خدا کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا: مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ جیسے عبدالرحمن بن عوفؓ پل صراط پر ہوں وہ کبھی ایک طرف کھکتے ہیں کبھی دوسری طرف وہ بچ کر توکل آتے ہیں مگر بڑی مشکل سے۔ یہ حدیث حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے سنی تو کہا میری طرف سے اس قاتلہ کے تمام اونٹ مع لدے ہوئے ساز و سامان کے راہ خدا میں خیرات ہیں: راویوں کا بیان ہے کہ اس پر جو سامان تھا وہ اونٹوں سے زیادہ قیمتی تھا۔ اور کاروان تجارت پانچ سو اونٹوں پر مشتمل تھا۔

ابن سعد کی ایک روایت: بواسطہ سلیمان بن عبدالرحمن دمشقی۔ خالد بن یزید بن ابی مالک۔ اپنے والد سے۔ عطاء بن ابی رباح۔ ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف اپنے والد حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبدالرحمنؓ تو زرداروں میں سے ہے۔ تو جنت میں کوٹھوں کے بل جلتے ہوئے داخل ہو گا۔ خدا کی راہ میں خیرات کر کہ تیرے قدم کھل جائیں حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے کہا: یا رسول اللہ! کونسی چیز خیرات کروں؟ فرمایا: جو کچھ کل تک تیرے پاس تھا اسے خیرات کر دے۔ ابن عوفؓ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا وہ سارا کچھ دے دوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! ابراہیم بن عبدالرحمن

بن عوف کہتے ہیں کہ یہ سن کر میرے والد وہاں سے تعمیل ارشاد کرنے کے ارادہ سے چلے آئے کہ رسول خدا نے پیغام بھجوایا کہ جبریل نے کہا ہے "عبدالرحمن کو حکم دو کہ وہ ہمان نوازی کر مکینوں کو کھانا کھلائے۔ سائل کو خیرات دے اور اس خیرات کی ابتدا اپنے اہل و عیال سے کرے، اگر وہ ایسا کرے گا تو یہ اس کے زرد مال کا ترکہ ہو جائے گا۔"

غرض عہد نبوی میں حضرت عبدالرحمن کی دولت کا یہ عالم تھا آپ کے بعد ایک تجارت کی توسیع اور اس کے نفع کی بدولت دوسرے ان اموال قیمت کی وجہ سے جو خدا مسلمانوں پر رزانی کر رہا تھا اس دولت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے پچاس لاکھ دینار (سونے کے) راہ خدا میں خیرات کرنے کی وصیت کی تھی۔ انھوں نے بہت بڑی میراث چھوڑی تھی، ان کے پاس ایک ہزار اونٹ اور تین ہزار بھڑ بکریاں تھیں۔ ان کی زراعت شاداب زیریں زمینوں میں بھی تھیں۔ بیس اونٹ میراب کرتے تھے۔ ان کی چار بیوگان میں سے ہر ایک کا حصہ اتنی ہزار سے لیکر ایک لاکھ تک بنتا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمن نے جو سونا چھوڑا تھا اسے کلہاڑیوں سے توڑا گیا تھا اور اسے کاٹنے والوں کے ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے۔ ساتھ ہی یہ بھی ذہن نشین رہے کہ حضرت عبدالرحمن ہی واحد شخصیت تھے جو اس قدر عظیم سرمایہ کے مالک تھے۔ تمام صحابہ کبار اور دوسرے قریب

لہ صاف نظر آتا ہے کہ روایت کا یہ حصہ وضعی ہے کیونکہ پہلا حکم قرآن کے ارشاد کے بالکل مطابق تھا جس میں (قل العفو) اپنی ضروریات سے زائد تمام دولت کو فی سبیل اللہ دینے کیے کہا گیا ہے (طلوع اسلام)



کامیابی حاصل تھا۔ چنانچہ جب حضرت عثمانؓ نے یہ جدید اقتصادی انقلاب پیدا کیا تو ان زرداروں کو اپنا وہ پیہ منافع کے کاروبار میں لگانے کا موقع مل گیا لہذا وہ مالک ہونے کے ساتھ ساتھ کاروبار والے بھی ہو گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے بڑی بڑی جاگیریں پیدا ہو گئیں جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں اور آغاز اسلام میں ہی وہ بڑی جاگیرداریاں (لائیفونڈیا) رونما ہو گئی جو رومن جمہوریت کے آخری ایام میں نمودار ہو کر اس کی بربادی کا باعث ہوئی تھی۔ وہی جاگیردارانہ نظام جس نے رومن جمہوریت کو تباہ کیا تھا بعینہ اس نے اسلامی خلافت کو بھی برباد کر دیا۔ اہل ہندو کی مسیحی بھر اقلیت اٹلی کی تمام زمینوں کی مالک بن گئی۔ چنانچہ لوگ ان سے وابستہ ہو کر گروہوں اور جماعتوں میں تقسیم ہو گئے تھے بعینہ مسلمانوں کی بھی ایک قلیل تعداد ملک کی زمینوں کی مالک بن گئی۔ اور لوگ ان کے دامن سے وابستہ ہو کر گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ اس نظام نوکے نتائج جسے حضرت عثمانؓ نے خواہ اپنی رائے سے اختراع کیا خواہ اپنے مشیران کار کے مشورہ سے صرف سیاسی ہی نہ تھے کہ دولت مند طبقہ پیدا ہو گیا اور ان کی افراط زرنے لوگوں کو اپنی جانب کھینچ کر گروہوں میں بانٹ دیا اور پھر اس تفرقہ کی وجہ سے ان میں باہم حکمرانی کے لئے کشمکش پیدا ہو گئی بلکہ اس کے اجتماعی نتائج بھی تھے۔ یوں کہ اس انقلاب نے طبقاتی نظام کو اس کی انتہا تک پہنچا دیا۔ ایک طرف رئیسوں کا اونچا طبقہ تھا جو وسیع پیداوار والے بڑے شمار دولت اور بے حساب قوت کا

مالک تھا دوسری طرف ان بد نصیبوں کا طبقہ تھا جو زراعت کرتے تھے اور ان  
 روسا کے کاروبار کی نگرانی کرتے تھے۔ ان دو طبقوں کے درمیان عرب  
 عوام کا متوسط طبقہ تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو صوبائی علاقوں میں اقامت گزین  
 تھے۔ دشمنوں پر لیغا کرتے تھے۔ سرحدوں کی محافظت کرتے تھے اور اہل  
 ملک کے جان و مال کی مدافعت کرتے تھے۔ یہی وہ متوسط طبقہ ہے جس کے  
 ساتھ انبیلے ٹکری اور انھیں گروہوں اور ٹولہوں میں تقسیم کر دیا۔ جو شخص  
 بھی مسلمانوں کی تاریخ کا بغور مطالعہ کرے گا وہ دیکھے گا کہ مسلمانوں کا پہلا نکل  
 زرداروں کے مابین اور پھر اص زرداروں اور متوسط طبقہ کے مابین قائم ہوا تھا۔  
 مگر جہاں تک تیسرے طبقہ کا تعلق ہے یعنی مزارعین اور مختلف مصالح کی نگہداشت  
 کرنے والا طبقہ تو انھوں نے اگر زور پکڑا تو اس ونگل کے بعد اور وہ ایک الگ  
 دہستان ہے۔

در اصل یہ فتنہ خالص سرزمین عرب کی پیداوار تھا، جو زرداروں  
فتنہ کی ابتدا کی ہو س دہلا ندوزی و اقتدار پرستی کی جنگ کے باعث نیز عربی عوام  
 کے دلوں میں ان زرداروں کے خلاف حسد و عداوت کے جذبات کے سبب رونما ہوا تھا  
 اور جو نبی حضرت عثمان کا بھوزہ نظام پھیلا اور زرداروں نے تیزی سے اس سے فائدہ  
 اٹھانے کی کوشش کی یہ فتنہ ظاہر ہو گیا، اور دوسرے علاقوں سے پہلے یہ فتنہ کوفہ  
 سے اٹھا اور خود سعید ہی کی محفل سے۔ یہ واقعہ ۳۳ھ کا ہے۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں

کہ سعید رؤسا مبلغین اور صالح لوگوں میں سے بعض چندہ اشخاص کے ساتھ مجلس خصوصی منعقد کرتے جو رات کو دن کا وقتہ کوئی کے فرائض بھی انجام دیتی تھی کسی روز یا کسی رات کا واقعہ ہے کہ اس نے کہا "سواد یعنی سرزمین کوفہ تو قریش کا چشتان ہے۔" یہ سن کر بہت سے لوگ لاں پیلے ہو گئے کیونکہ ان میں سے اکثر یہی تھے۔ انہوں نے سعید کی اس بات کا نہایت تلخ جواب دیا اور کہا کہ کوفہ کی یہ سرزمین تو مال غنیمت ہے جو خدا نے ہم مسلمانوں کو عطا کی ہے قریش کا بھی اس میں اتنا ہی حصہ ہے جتنا دوسرے مسلمانوں کا۔ لوگوں کی اس برہمی اور سخت جوابی پر سعید کے حفاظتی دستے کا افسر طلش میں آگیا اور اس نے لوگوں کو ڈانٹا جس پر سب اس کے خلاف ہو گئے اور اسے مارنا شروع کر دیا۔ اور مارتے مارتے بیہوش کر دیا۔ سعید مجلس سے اٹھ کر اندر چلے گئے لیکن لوگوں نے اپنے مشورے مجاہد اور مٹھیں قائم رکھیں۔ اور سعید نیز حضرت عثمانؓ اور قریش کے خلاف دل کھول کر زبانیں چلائیں، جب یہ چرچے پھیلے تو بہت سے لوگ ان مخالفین میں شامل ہو گئے۔ سعید نے ان افراد کا ماحول حضرت عثمانؓ کو لکھ بھیجا اور لکھا "مجھے خبر ہے کہ یہ لوگ دوسروں کو بھی آمادہ فساد کریں گے" حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ انہیں شام بھیج دو، اور حضرت مناد یہ کو لکھا کہ: "ہ ان لوگوں سے مل کر ان کی اصلاح کریں۔ راویوں کی ایک اور جماعت اس حادثہ کو یوں بیان کرتی ہے کہ سعید مجلس نام میں بیٹھے تھے جس میں مذکورہ رؤسا اور مبلغین بھی تھے۔ باتوں باتوں میں لوگوں نے حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ کا ذکر چھیڑا۔ سعید نے کہا ہر وہ شخص جس کے پاس حضرت طلحہؓ



جتنی نقدی اور جائداد ہوگی لازماً سخی ہوگا۔ اگر میرے پاس بھی اتنی دولت ہوتی تھی  
حضرت طلحہؓ کے پاس ہے تو تم سب کو عیش کراتا۔ یہ سن کر قبیلہ مضر کے ایک نوجوان  
نے جو بنی اسد سے تعلق رکھتا تھا کہا۔ کیا اچھا ہو کہ امیر (سعید) فرات کی ساحلی زمین  
لے لیں، یہ زمین حکومت کی ملکیت تھی اور اس لئے تمام مشترکہ مسلمانوں کی جاگیر تھی۔  
لہذا اس نوجوان کی یہ تجویز سن کر حاضرین بکڑ گئے اور اس نوجوان کو ڈانٹا، لوگوں میں  
باہم لے دے ہوئی، یہ لوگ لٹے اور اس نوجوان کو ہی نہیں اس کے باپ کو بھی لٹا  
مارا کہ دونوں بیہوش ہو گئے۔ یہ حال دیکھ کر بنو اسد کو بھی طیش آگیا۔ سعید نے چاہا  
کہ معاملے کو امن و آشتی سے رفع دفع کر کے صلح کرادیں مگر کامیاب نہ ہو سکے۔  
پھر کوفہ والوں نے سعید پر زور ڈالا کہ وہ ان اشخاص کو کوفہ سے نکال دیں۔ چنانچہ  
انہوں نے حضرت عثمانؓ کے حکم سے انہیں شام کی طرف جلا وطن کر دیا۔

غور طلب امر یہ ہے کہ سعید نے ان افراد کو ان کے  
**جلا وطنی کی سزا** وطن سے نکال دیا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ حاکم کو کس

حد تک یہ حق پہنچتا تھا کہ وہ مسلمانوں کو جلا وطن کر دے خواہ یہ جلا وطنی خود حاکم  
کی مرضی سے عمل میں آئے۔ یا خلیفہ کے حکم سے مسلمانوں کی جلا وطنی صرف اسی صورت  
میں جائز تھی جب ان کے خلاف واضح طور پر ثبوت مل جاتا کہ انہوں نے خدا و رسول کے  
احکام کی خلاف ورزی کی ہے اور ملک میں فساد برپا کرنا چاہا۔ میں اسی شکل میں  
امام کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ انہیں یا تو قتل کر دے یا پھانسی دے یا ان کے ہاتھ

پاؤں مخالف سمتوں سے کھڑا دے یا انہیں جلا وطن کر دے۔

لیکن ان مبلغ صالح اور کارزار فتح میں جانیں لڑانے والے اشخاص کے خلاف کوئی محکم ثبوت نہ تھا کہ وہ خدا اور رسول سے آمادہ پیکار ہوئے یا انہوں نے ملک میں فساد پھیلانا چاہا۔ حتیٰ کہ انہوں نے طاعت سے بھی سرتابی نہ کی تھی۔ حضرت عثمانؓ یا ان کے کسی مقررہ والی کا بھی انہوں نے انکار نہ کیا تھا۔ وہ نماز اسی والی کے پیچھے پڑھ رہے تھے اور اپنے واجبات ادا کر رہے تھے۔ ان کا جرم صرف یہ تھا کہ انہوں نے امیر کے طرز عمل یا کسی قول پر تنقید کی تھی اور اپنی حد سے بڑھ کر اس نوجوان کو یا امیر کے حفاظتی دستہ کے سالار کو مارا پٹیا تھا۔ جہاں تک امیر کے طرز عمل یا کسی قول پر تنقید کرنے کا سوال ہے تو یہ عوام کا حق ہے جسے پھینا نہیں جاسکتا۔ بلکہ حضرت عثمانؓ سے قبل حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ تو خود لوگوں سے اپنے ادب پر تنقید کرنے کا مطالبہ کرتے تھے۔ ہذا ان افراد کو جرم تنقید میں مرادینا یقیناً غیر واجب تھا۔ رہا یہ کہ انہوں نے نوجوان یا حفاظتی دستہ کے سالار کو مارا پٹیا تھا تو اس کے لئے مادی کارروائی اور دہی مرادی جاسکتی تھی۔ جو یا تو ہتھیار و سرزنش کی شکل میں ہوتی یا تنقید کے ذریعہ یا پھر قتل کیا جاسکتا تھا، لیکن ایک دم جلا وطن کر دینا تو بہت بڑا ظلم تھا۔ اس ضمن میں بعض قدامتے توجیہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے نصر بن حجاج کو مدینہ سے شہر بدر کر دیا تھا کیونکہ انہیں اس کی طرف سے عورتوں کے حق میں فتنہ اور خرابی پیدا کر دینے کا اندیشہ تھا۔ اس اعتبار سے حضرت عثمانؓ یا ان کے امیر کو بھی حق پہنچتا تھا

کہ وہ ان اشخاص کو کوفہ سے جلا وطن کر دیتے جن کی طرف سے مسلمانوں کو مٹلا دینا  
 فساد ہونے کا خطرہ لاحق تھا۔ لیکن نصر بن حجاج کی جلا وطنی درحقیقت پورے مہینوں  
 میں جلا وطنی نہ تھی وہ سزا بھی نہ تھی کیونکہ نصر بن حجاج نے کسی گناہ کا ارتکاب  
 نہیں کیا تھا۔ اسے خدا کی طرف سے نوزوں جسم حسین چہرہ عطا ہوا تھا۔ وہ عورتوں  
 کو پھسلانے، اپنی جانب مائل کر کے دائم محبت میں گرفتار کرنے کے لئے حربے  
 اختیار نہ کرتا تھا۔ میرے خیال میں حضرت عمرؓ نے اسے مدینہ چھوڑنے کی ترغیب  
 دی تھی اور اس قسم کا خیال اس پر ظاہر کیا تھا نیز اس مسئلہ میں اسے مالی امداد بھی دی  
 تھی۔ اس ضمن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے رہائشی تندر لہجہ میں جو  
 دراصل سخت نہ ہوتا تھا کچھ تلقین کی ہوگی۔ تاہم حضرت عمرؓ کے اس اقدام کو بھی سب  
 لوگوں نے پسند نہ کیا تھا۔ میں پھر اپنے قول کو دہرا کر کہتا ہوں کہ حضرت عمرؓ نے اس نوجوان  
 کو نہ جلا وطن کیا تھا اور نہ اسے کوئی سزا دی تھی۔ انھوں نے تو صرف اسے مدینہ سے  
 چلے جانے کی ترغیب دی تھی اور اس ضمن میں اسے مالی امداد کی پیش کش بھی کی تھی  
 لیکن جہاں تک سعید کا تعلق ہے اس نے ان اشخاص کو کوفہ سے چلے جانے  
 پر نہ رضامند کیا اور نہ اس ضمن میں ان کی مالی اعانت کی بلکہ انھیں بزور اقتدار  
 جلا وطن کر کے ایسے پردیس میں بھیج دیا۔ جہاں نہ انھیں اطمینان حاصل ہو سکتا  
 تھا اور نہ وہاں کے باشندوں سے انھیں سکون مل سکتا تھا۔ سعید نے خود  
 عثمانؓ نے انھیں حضرت معاویہؓ کے حوالہ کر دیا تا کہ وہ ان کی آزادی ختم کرنے کے حربے



مناسب سمجھیں ان کی اصلاح کریں۔ گویا سعید نے انھیں شہر بدر کیا۔ گھر بار سے دور پھینک دیا، مقررہ وظائف سے محروم کیا اور ان کی آزادی ختم کر دی۔ حالانکہ ان سزاؤں میں سے انھیں کسی سزا دینے کا کوئی حق نہ پہنچتا تھا۔ سعید کی بدعت میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ان افراد کو حقیقی معنوں میں جلا وطن نہ کیا تھا۔ اس لئے انھوں نے ان لوگوں کو ایک اسلامی علاقہ سے دوسرے اسلامی علاقہ میں بھیج دیا تھا اور تمام اسلامی سرزمین مسلمانوں کا گھر ہے۔

لیکن حضرت عثمانؓ کے ہم عصر صحابہ و تابعین نے اس جلا وطنی کو بہر حال پسند کیا اور اسے ناجائز جلا وطنی قرار دیا۔ کہنے والے کچھ ہی کہیں یہ صورت امام و سزا دینے کا حق حاصل ہے لیکن اسے سزا دینے میں مروجہ اور معروف حدود کے تجاوز کا کوئی حق نہیں۔ ہم آگے دیکھیں گے کہ حضرت عثمانؓ کے عمال نے جلا وطنی لی سزا دیکر خود اپنے اوپر اور اپنے امام پر نیز لوگوں پر ظلم کیا۔

حضرت معاویہؓ نے ان جلا وطنوں کو اپنی نگرانی میں لے لیا انھیں ایک لکھنؤ میں ٹھہرا کر ان کے لئے حسب ضرورت خرچ مقرر کر دیا۔ اس کے بعد پھر حضرت معاویہؓ نے انھیں مختلف طریقوں سے سدھارنے کی کوششیں کیں، ان کے ساتھ مناظرے اور بحثیں کیں، مشورے اور تبادلہ خیالات کئے نصیحتیں کیں مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ حضرت معاویہؓ نے عرب کے مقابلے میں قریش کی فضیلت کے بارے میں بھی مباحثہ کیا لیکن وہ اسے بھی تسلیم نہ کرتے تھے کیونکہ اسلام

قریش کو عربوں پر یا دوسرے بنی نوع انسان پر کوئی فضیلت نہ دیتا تھا اگر  
 کوئی فضیلت تھی تو یہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان میں پیدا ہوئے تھے۔  
 مگر رسول خدا کے قریش میں پیدا ہو جانے سے قریش کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ لوگوں  
 پر تسلط جما کر ان کے حاکم بن بیٹھیں یا دوسروں کے مقابلے میں اپنے آپ کو  
 امتیازی حیثیت اختیار کر لیں، جیسا کہ وہ عہد عثمان میں کر رہے ہیں۔ اور بنا پر  
 کسی صورت میں بھی ایک قرشی امیر کے لئے یہ کہنا جائز نہ تھا کہ سواد کو ذیہ قریش کا چھٹا  
 ہے۔ اس کے بعد حضرت معاویہؓ نے ان کے ساتھ امام اور اس کے عمال کی اطاعت کے  
 مسئلہ پر بحث کی اس کا بھی ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ کیونکہ ان کے خیال میں امام کی اطاعت  
 اس وقت تک روا تھی جب تک کہ امام بدل پر قائم رہے۔ اس کے فیصلے حق پر مبنی  
 وہ سنت کو رواج دے اور بدعت کا قلع قمع کرے۔ وہ اس بات کے قابل تھے کہ اگر  
 امام اور اس کے عمال بدل گسٹری سے انحراف کریں اور شاہراہ سے ہٹ جائیں  
 پھر ان کی اطاعت واجب نہیں ہوتی۔ ازاں بعد معاویہؓ نے خود اپنے بارے میں اس  
 متبادل خیال کیا جب بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ان لوگوں نے حضرت معاویہؓ کی نامی  
 اور حاکمانہ روش پر بھی اظہارِ ناپسندیدگی کیا۔ اور مطالبہ کیا کہ وہ حکومت سے  
 ہوجائیں تاکہ اس عہدہ پر کوئی ایسا آدمی نہ ہو جو ان سے پہلے اسلام لایا ہو  
 جس کا والد ان کے والد سے زیادہ محترم ہو اور جو شرع و آئین اسلام کو زیادہ  
 طریقہ پر ناپسند کر سکتا ہو۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ ان لوگوں سے فقط مایوس ہی نہ ہوئے بلکہ  
 میں خوف لاحق ہوا کہ کہیں یہ فتنہ اہل شام میں نہ پھیل جائے۔ حضرت معاویہؓ اہل  
 یہ بیت خائف رہتے تھے۔ بعد ازاں انھوں نے حضرت عثمانؓ کو لکھا کہ مجھے ان جلاوطنوں  
 اپنے پاس رکھنے سے معاف رکھا جائے۔ اور حضرت عثمانؓ نے ان کی معذرت  
 دل کر لی اور ہدایت بھیجی کہ انھیں ان کے وطن کو واپس بھیج دیا جائے۔ لیکن  
 ہی وہ کو فہ پہنچے انھوں نے سعیدؓ۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ کے خلاف  
 برا کھنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ان کی اس فتنہ کرنے کی حد تک عوام کے  
 میں راہ پیدا کر لی۔ سعیدؓ نے حضرت عثمانؓ کو دوبارہ خط لکھا کہ مجھے ان لوگوں  
 نے علاقہ میں رکھنے سے معذور فرمایا جائے۔ حضرت عثمانؓ نے ان کی معذرت  
 دل کر لی اور حکم دیا کہ انھیں دوبارہ جلاوطن کر کے جزیرہ میں عبدالرحمن بن  
 لدین ولید کے پاس بھیج دیا جائے جو حمص و جزیرہ پر حضرت معاویہؓ کی جانب  
 حکومت کرتے تھے۔ چنانچہ انھیں عبدالرحمن کے پاس بھیج دیا گیا۔ عبدالرحمن  
 ان کے ساتھ نہایت سخت اور درشت طرز عمل اختیار کیا۔ انھیں ذلیل و  
 ارکڑنا شروع کیا، ان کے سامنے اپنی اپنے والد کی اور قریش کی عظمت و  
 رکت کی بے نیکیاں مارنا شروع کر دیں۔ وہ ایسی باتیں بحث و تھیں اور ہتھال  
 رنگ میں نہیں بلکہ حکمانہ تلخ کلامی کی صورت میں کرتا تھا اور عملاً ان باتوں  
 بھی زیادہ سختی کا سلوک کرتا تھا۔ جب وہ سوار ہو کر نکلتا تو انھیں اپنے



پیچھے پیدل چلاتا۔ انھیں ڈانٹتا۔ جھڑکتا ذلیل کرتا اور لوگوں کے سامنے قابلِ عیب  
 نمونہ بنا کر پیش کرتا۔ جب یہ پسلو کی برداشت کی حد سے بڑھ گئی تو انھوں نے بار  
 مان کر اطاعت و توبہ کا اعلان کر دیا اور اپنی لغزش پر خواستگار معافی ہوئے عبد الرحمن  
 نے ان کا قصور معاف کر دیا اور ان کی طرف سے تنہا اشتراک کو نمائندہ بنا کر حضرت  
 عثمانؓ کے پاس توبہ و اطاعت کی خبر دینے کے لئے بھیج دیا۔ اشتراک حضرت عثمانؓ  
 خدمت میں حاضر ہوا کچھ اپنی کہی کچھ ان کی سنی۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے اسے  
 اجازت دیدی کہ وہ اسلامی ملکات میں جہاں چاہے مقیم ہو جائے اس نے  
 ساتھیوں کے پاس واپس جانے اور عبد الرحمنؓ کے ہاں اقامت گزریں ہونا  
 کیا۔ لیکن یہ اقامت زیادہ دیر نہ رہی۔ کیونکہ ادھر سعید اپنی جگہ کسی اور  
 شخص کو نائب بنا کر حضرت عثمانؓ سے ملنے کے لئے گئے اور ادھر تمام جلال  
 اور علاقہ بدر لوگوں کے گھر والوں نے متحد ہو کر فیصلہ کر لیا کہ اب سعید کو واپس  
 کوفہ میں نہ آنے دیا جائے۔ پھر ان لوگوں نے اپنے شہر بدر اعزہ کو بھی کوہ  
 بلو الیا اور یہ لوگ تیزی سے کوفہ پہنچ گئے، ان سب نے فستیں کھائیں کہ  
 میں چل سکے گا، سعید کو کوفہ میں داخل نہ ہونے دیں گے ازاں بعد وہ سب  
 ہو کر اشتراک کی قیادت میں کوفہ سے نکلے اور مقام جرعہ پر پہنچ کر سعید کا انہر  
 کرنے لگے تاکہ اسے واپس کر دیں۔ اور حضرت عثمانؓ کو مجبور کر دیں کہ اسے  
 معزول کر کے کسی دوسرے شخص کو ان کا حاکم مقرر کریں۔ ان کی مرضی تھی

کہ ابو موسیٰ اشعری کو ان کا والی مقرر کیا جائے۔ آخر حضرت عثمانؓ نے مجبوراً سعید کو کوفہ کی حکومت سے معزول کر دیا۔ یہ تھے وہ حالات جس کے تحت حضرت عثمانؓ کو بارہ مجبوری دوبارہ کوفہ کا عامل بدلنا پڑا۔ ولید کو اس لئے کہ ہو و لعب، شراب نوشی میں پڑ گئے، تاجر کرنے لگے، سعید کو اس لئے کہ انہوں نے سختی اختیار کی اور قریشی غیر قریشی میں بجا امتیاز روا رکھا، ولید کی معزولی کے وقت اہل کوفہ نے کوئی نام اپنے نئے حاکم کے لئے تجویز نہ کیا لہذا حضرت عثمانؓ نے سعید کو والی مقرر کر دیا، اب کوفہ والوں نے نئے والی کا انتخاب حضرت عثمانؓ پر نہ چھوڑا بلکہ خود ایک صحابی کا نام پیش کر دیا جو یہی تھے، چنانچہ حضرت عثمانؓ نے ان پر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو والی بنا کر بھیج دیا۔ جس سے وہاں لرزے سکون نظر آیا لیکن یہ سکون زیادہ مدت قائم نہ رہا۔



# باب نہم

بصرہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی مزار

اور عبداللہ بن عمرؓ کی تقریر

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ حضرت عمرؓ کی طرف سے بصرہ کے عامل تھے  
عثمانؓ نے انہیں کئی سال تک اس منصب پر برقرار رکھا۔ بعض راویوں کا بیان  
کہ یہ عرصہ تین برس تھا لیکن اکثریت چھ برس بتاتی ہے۔ بصرہ کے باشندوں میں  
کی کثرت تھی اور ان میں زیادہ تعداد بنی ربیعہ کی تھی۔ یہی قبائل کے لوگ اقلیت  
تھے۔ مگر حضرت عمرؓ نے کسی مصالحت کی بنا پر ایک یہودی شخص کو بصرہ کا حاکم کیا  
جہاں کے باشندوں کی کثرت مصری قبائل سے تعلق رکھتی تھی اور ایک یہودی  
(مغیرہ بن شعبہؓ) کو کونہ کا والی مقرر کیا جہاں کے باشندوں کی زیادہ تعداد تھی  
اسی طرح دو قرشی مصریوں کو شام و مصر کا حاکم مقرر کر دیا جبکہ ان علاقوں میں  
ہونے والے عربوں کی کثرت یہودی تھی۔ گمان غالب ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہی



اس لئے اختیار کیا تھا کہ وہ عصیت کا مقابلہ کر سکیں اور اسے ٹھاسکیں یہی سبب ہے کہ وہ رعایا اور حاکم کے درمیان قومی تعصب کا اختلاف برقرار رکھتے تھے۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں حضرت ابو موسیٰؓ کے بصرہ میں کئی سال تک حالات درست رہے اور انتظامات ٹھیک چلتے رہے نہ رعایا نے اپنے حاکم کے خلاف کوئی شکایت کی اور نہ امیر کو اپنی رعایا سے کوئی شکوہ ہوا۔ حضرت ابو موسیٰؓ کا اصحاب رسول اللہؐ میں بڑا بلند مقام تھا وہ نہایت نیک سیرت منظم اور فاضل مرد میدان تھے لیکن حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں تعصب پرستی نے اپنے جلوسے دکھانے شروع کر دیئے اور قبائل عرب میں سے ہر قبیلہ خود غرض اور مطلبی ہو گیا تھا۔ اس ضمن میں قریش اور خصوصاً حضرت عثمانؓ کے قرابت دار پیش پیش تھے۔ آپ دیکھیں گے کہ اس وقت کے چار بڑے صوبوں میں سے تین قریشیوں کے قبضے میں تھے۔ ولید بن عقبہ اور ان کے بعد سعید کو فہم، حضرت معاذ بن ابی سفیان شام میں حضرت عمر بن عاص اور پھر ان کے بعد عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح مصر میں۔ بڑے صوبوں میں سے صرف ایک صوبہ بصرہ ایسا تھا جس کی حکومت کسی اموی کے ہاتھ میں تھی اور نہ کسی قریشی یا مضر کے قبضے میں بلکہ وہاں اہل یمن کے ہیں سے ایک شخص امیر تھا۔ ابو موسیٰؓ کا وجود ان والیوں کے درمیان ایک عجیب مکانہ حیثیت رکھتا تھا۔ وہ واحد مبنی تھے جو اتنے بڑے اہم علاقے پر حاکم تھے کہ ملاقاتہ جس میں رعایا کی اکثریت مضر کے تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قریشیوں

کی نگاہ میں یہ تیز کھٹک رہی تھی۔ حضرت عثمانؓ کے قرابت دار اس چیز کو دیکھ رہے  
 تھے۔ نیز خود بصرہ کے مضرى باشندے اس بات کو محسوس کر رہے تھے۔ ایک  
 راوی کا بیان ہے کہ ایک مضرى جو بنی ضبہ سے تھا اور جس کا نام غیلان بن  
 الضبی تھا حضرت عثمانؓ کے پاس گیا اور کہا "کیا آپ لوگوں کے پاس کوئی اور  
 نہیں جسے حوصلہ دلا کر بصرہ کا حاکم مقرر کر سکیں؟ یہ بوڑھا کب تک بصرہ پر قائم  
 رہے گا؟" پورے سے مراد حضرت ابو موسیٰ اشعرىؓ کی ذات تھی اور انھیں حضرت  
 کے بعد دیاں چھ برس ہو رہے تھے۔ غیلان کی بات سن کر حضرت عثمانؓ نے حضرت  
 ابو موسیٰ اشعرىؓ کو معزول کر دیا۔ بعض دوسرے مضرى خین کا بیان ہے کہ کچھ مضرى  
 اصلاح کے باشندوں نے حضرت ابو موسیٰؓ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا جنہ  
 حضرت ابو موسیٰؓ نے لوگوں میں تقریر کے ذریعہ جوش بہاد پیدا کیا اور دشمن کی  
 پیادہ پا کوچ کرنے کی ترغیب دلائی۔ چنانچہ کچھ لوگ پیدل ہی چل دیئے۔ لیکن  
 کچھ یہ دیکھنے کے لئے پیچھے کھڑے انتظار کرنے لگے کہ ان کا حاکم اس موقع پر  
 اقدام کرتا ہے۔ جب حضرت ابو موسیٰ اشعرىؓ روانہ ہوئے تو لوگوں نے دیکھا  
 وہ سوار تھے اور اپنا سامان چالیس خیمروں پر لا کر رکھا تھا۔ چنانچہ انھوں نے  
 حضرت ابو موسیٰؓ سے کہا کہ ان فالتو خیمروں پر ہمیں سوار کر کے لئے چلئے تو اس  
 لوگوں کو ڈانٹا اور وہ ان کے پاس واپس ہو گئے۔ بعد میں انھوں نے ایک  
 حضرت عثمانؓ کے پاس بھیجا کہ حضرت ابو موسیٰؓ کو بصرہ سے ہٹالیں۔ جب حضرت

عثمانؓ نے ان سے پوچھا کہ وہ ان کی جگہ کسے چاہتے ہیں تو انہوں نے کوئی نام تجویز نہ کیا اور اتنا کہا کہ جسے بھی آپ چاہیں مقرر کر دیں۔ آپ جسے بھی منتخب کریں گے وہ ابو موسیٰ کا نعم البدل ہوگا۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ جو کچھ ہمیں معلوم ہے وہ سب کی سب باتیں ہم آپ سے کہنا نہیں چاہتے تاہم انہوں نے الزام لگایا کہ حضرت ابو موسیٰؓ ان کے علاقہ کی پیداوار خورد ویرد کر رہے ہیں اور اپنے اشعری قبیلہ کو پال رہے ہیں چنانچہ حضرت عثمانؓ نے حضرت ابو موسیٰؓ کو معزول کر دیا اور بصرہ کی حکومت کے لئے اپنے ماموں زاوہبائی عبداللہ بن عامر بن کریم کو منتخب کیا۔ عبداللہ والی بن کریم بصرہ میں پہنچے تو اس وقت ان کی عمر پچیس برس تھی۔

جب اس نوجوان کے والی مقرر ہونے کی اطلاع ابو موسیٰؓ کو ملی تو انہوں نے کسی قسم کی تنگدلی کا اظہار نہ کیا بلکہ لوگوں سے کہا: تمہارے پاس ایک شہیار اور معاملات سے پوری طرح عہدہ برآ ہونے والا نوجوان آ رہا ہے جو نجیب الطریق ہے اور جس کے زیر فرمان درووں فریق متحد رہیں گے۔

حضرت ابو موسیٰؓ اشعریؓ نے جو کچھ کہا تھا وہ غلط نہ تھا۔ عبداللہ بن عامر واقعی بڑے ہوشیار اور منتظم قریشی نوجوان تھے وہ بڑے دورانہدیش، اولوالعزم طاقت ور، صاحب دیدہ، اور مشکلات کو حل کرنے والا انسان تھا انہوں نے

۱۰ الطبری سلسلہ کے واقعات دیکھئے۔



اپنے آپ کو اور لوگوں کو فتوحات میں مشغول رکھا، اس ضمن میں سعید بن عامر کے  
 ساتھ ان کا مقابلہ ہوا اور وہ اس سے بہت سے گئے۔ انھوں نے اپنی رعایا پر بیدار  
 مغزی سنجیدگی، فیاضی اور لہو العزیز فرمانہ دہائی کی، انھیں بصرہ میں وہ دشواریاں  
 پیش نہ آئیں جو کوفہ میں ولید اور سعید کو پیش آئی تھیں۔ یا جو دشواریاں اہل مصر کی  
 جانب سے عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کو پیش آئی تھیں۔ گمان غالب یہ ہے  
 کہ ان کی اس کامیابی کا باعث ایک طرف تو ان کا یہ محتاط طرز عمل، دور اندیشی  
 اور بالغ نظری تھا۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ ان کی رعایا کی اکثریت مصر قبیلہ کی تھی  
 اور حاکم بھی مصری تھا۔ لہذا انہ انھوں نے اسے ناپسند کیا اور نہ اس کے خلاف  
 کوئی آواز اٹھائی لیکن ان سب باتوں کے باوجود عبد اللہ بن عامر کا علاقہ فساد  
 سے مکمل طور پر محفوظ رہ سکا جس کی دلیل یہ ہے کہ اہل بصرہ میں اسے ایک گروہ  
 بنائے خواہ وہ دوسرے گروہوں کے مقابلہ میں سب سے چھوٹا ہی کیوں نہ ہو  
 حضرت عثمان کی مخالفت میں باقاعدہ جھڑپ نہ لیا، گویا اس علاقہ کے تمام لوگ  
 حضرت عثمان یا ان کے والی سے راضی نہ تھے، اور بصرہ بھی ان مشکلات  
 سے بالکل خالی نہ تھا جن کی شکایت کوفہ کو تھی۔ بصرہ سے بھی کچھ لوگ  
 جلاوطن کر کے ایسے ہی شام کی طرف بھیجے گئے جیسے بعض اہل کوفہ کو بھیجا گیا  
 لیکن حقیقت یہ ہے کہ اہل بصرہ میں سے جو لوگ جلاوطن کئے گئے تھے وہ علام  
 جو رستم اور محسن بدگمانی کی بنا پر پکڑے گئے تھے اور ان کی مظلومیت

امیر معاویہ پر پاسبانی واضح ہو گئی تھی۔ ہوا یہ کہ ملک چلن خور نے عبداللہ بن عامر کے پاس شکایت کی کہ عامر بن عبد القیس خدا کی طرف سے حلال کردہ امور میں مسلمانوں کے ساتھ متفق نہیں، وہ گوشت نہیں کھاتے، شادی کو ضروری قرار نہیں دیتے، نماز جمعہ میں بھی شریک جماعت نہیں ہوتے، یہ سن کر عبداللہ بن عامر نے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں خط لکھا۔ بعض راویوں کا بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ نے عامر کو مدینہ میں طلب کیا لیکن جب یہ چلا کہ ان کے عامل کردہ الزام بے بنیاد ہیں تو انھیں بڑی عزت کے ساتھ ان کے وطن واپس بھیج دیا۔ مورخوں کی ایک اور جماعت کا بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ نے عامل بصرہ کو لکھا تھا کہ عامر کو حضرت معاویہؓ کے پاس بھیج دیا جائے جب وہ امیر کے سامنے لائے گئے تو اس وقت امیر معاویہؓ کے سامنے دسترخوان بچھا تھا، اور جب ان کی صلاح کی گئی تو وہ دسترخوان کے کھانے میں شریک ہو گئے۔ امیر معاویہؓ نے دیکھا کہ وہ گوشت کھاتے ہیں چنانچہ تمام مددغ ان پر واضح ہو گیا دوسرے الزامات کے بارہ میں بھی امیر معاویہؓ نے ان سے استفسار کیا جس کے جواب میں عامر نے کہا کہ انھوں نے تصابون کے ذبح کئے ہوئے جانوروں کا گوشت اس لئے کھانا چھوڑ دیا تھا کہ ایک بار انھوں نے ایک تصاب کو دیکھا کہ ذبح کرتے وقت بھیر کے ساتھ نہایت سختی برت رہا تھا۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ وہ نماز جمعہ پڑھتے ہیں مگر مسجد کے سب سے پائیں حصہ

میں شریک نماز ہوتے ہیں اور سب لوگوں سے پہلے نکل جاتے ہیں۔ رہا شادی کا معاملہ تو جب وہ بصرہ سے نکلے گئے ہیں ان کی شادی کے لئے سلسلہ جنبانی ہو رہی تھی یہ سن کر امیر معاویہؓ نے چاہا کہ انہیں ان کے شہر داپس بھیج دیں لیکن انہوں نے ایسے شہر کی طرف داپس جانے سے انکار کر دیا جہاں کے باشندے غیبت خلی اور لوگوں کی جلا وطنی کو حلال سمجھتے ہوں۔ چنانچہ وہ شام ہی میں مقیم رہے اور اپنے طریق زہد و عبادت پر کار بند رہے۔ امیر معاویہؓ انہیں بہت چاہتے تھے۔ جب بھی وہ ملتے ان سے پوچھتے "کسی چیز کی ضرورت نہیں" عامر بن عبد القیس کا جواب ہمیشہ یہی ہوتا کہ "مجھے کچھ نہیں چاہیے" جب امیر معاویہؓ نے بہت مرتبہ ان سے یہی سوال پوچھا تو عامر نے ان سے کہا۔ "مجھے یہاں بصرہ کی کچھ گرمی منگوا دیجئے کیونکہ آپ کے اس علاقہ میں مجھے روزہ رکھنا بہت آسان معلوم ہوتا ہے" تاہم میری رائے یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کو بصرہ کے والی عبد اللہ بن عامر اور شام کے والی امیر معاویہؓ کے سوا اور کوئی والی ایسا میسر نہ آیا جو ان کی جانب سے رعیت کا انتظام بطرز احسن کر سکتا۔

ہم عراق کے دونوں صوبوں کو دیکھ چکے آئیے اب یہ معلوم کر لینے کے بعد ہم شام کا جائزہ لیں۔ ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ عبد اللہ بن عامر سے لوگوں کو اس کے سوا کوئی شکایت نہ تھی کہ وہ حضرت عثمانؓ کے قرابت داروں میں سے تھے اور نو عمر تھے جو حضرت ابوموسیٰؓ جیسے بزرگ کے بعد آئے تھے۔ پھر یہ



کہ لوگوں کے ساتھ ان کا طرز عمل قریش نوازی لئے ہوئے تھا جو شاید اصحاب رسول اللہ کے طرز عمل سے مطابقت نہ رکھتا ہو۔ لیکن مضر یوں کے تعصب، فتوحات میں ان کی بلند نگاہی اور مال غنیمت سے متعلق ان کی شدید حرص سے وہ ضرور مطابقت رکھتا تھا۔

شاید عبداللہ بن عامر جانتے تھے کہ لوگ ان کی گورنری پر کیوں خفا ہیں اور اسی لئے وہ مخالفین پر یہ ظاہر کرنے کی امکانی کوششیں کرتے تھے کہ چوکت کی ان ذمہ داریوں کو اٹھانے کے اہل اور قابل ہیں۔ اس کوشش میں بعض اوقات وہ دین کی حدود بھی بچا نہ جاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک بار وہ علاقہ فتح کرتے ہوئے دور اپنے مطلوبہ مقام تک نکل گئے اس پر ان سے کہا گیا کہ آپ کے برابر وسیع پہلے نے پر اب تک کسی نے فتح نہیں کی تو انھوں نے کہا، واقعہ یہ بالکل صحیح ہے اور میں نے طے کر لیا ہے کہ جہاں پہنچ کر رکونگا وہیں سے خدا کا شکر ادا کرنے کے لئے عمرہ کا احرام باندھ لوں گا۔ چنانچہ اس بات پر کہ انھوں نے نارس کے دور دراز علاقوں سے ہی احرام باندھ لیا تھا حضرت عثمانؓ نے انہیں ملامت بھی کی تھی، کیونکہ احرام باندھنے کے لئے مختلف علاقوں سے آنے والوں کے لئے مختلف مقامات متعین ہیں اور ان مقامات پر پہنچنے سے پہلے جو آدمی احرام باندھ لے وہ اپنے آپ پر زیادتی کرتا ہے، یہ واقعہ خود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عبداللہ بن عامر دنیا اور دین دونوں

اعتبار سے لوگوں کو اپنا مزاج بنانے کے لئے کوشاں رہتے

تھے۔

————— ❦ —————

پہلے ایک قصہ

میں یہ کہہ دیا کہ میں نے ایک بار ایک

میں نے ایک بار ایک

میں نے ایک بار ایک

میں نے ایک بار ایک

میں نے ایک بار ایک

میں نے ایک بار ایک

میں نے ایک بار ایک

میں نے ایک بار ایک

میں نے ایک بار ایک

میں نے ایک بار ایک

میں نے ایک بار ایک

میں نے ایک بار ایک

میں نے ایک بار ایک

# باب دہم

## شاک کے وسیع علاقہ پر

## حضرت سید رضی اللہ عنہ کا اقتدار

عہد عثمان کے تمام والیوں میں ہر اعتبار سے امیر معاویہ سب سے خوش نصیب والی تھے حضرت عمرؓ نے انھیں دمشق کا والی مقرر کیا تھا۔ جب ان کا بھائی یزید بن ابی سفیان حواریوں کا والی تھا تو حضرت عمرؓ نے اس کا علاقہ بھی امیر معاویہؓ کے سپرد کر دیا۔ اس پر ابو سفیان نے حضرت عمرؓ کا شکریہ ادا کیا۔ لیکن حضرت عمرؓ کے بد نظریہ تو امیر معاویہؓ کی طرف نہ تھی نہ وہ ابو سفیان کے ایک بیٹے کے مرنے پر اس کا علاقہ دوسرے بیٹے کو دے کر اس کی تعزیت و تسلی کا سامان کر رہے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ جنتِ نبویہ کے طریق کار سے خوش تھے۔ ان کا خیال تھا کہ حضرت معاویہؓ قایم اور محاط و دورانہ لیش میں چنانچہ محض اس خیال سے انھوں نے حضرت معاویہؓ سے اردن کا انتظام سنبھالنے کے لئے کہا اور حضرت



معاویہؓ نے بخوبی وہاں کا انتظام سنبھال لیا۔ جب حضرت عمرؓ کی وفات ہوئی تو امیر  
 معاویہؓ ان دونوں صوبوں کے والی تھے۔ اور حضرت عثمانؓ نے ان دونوں  
 علاقوں پر بحال رکھا جیسا کہ اپنی خلافت کے پہلے سال میں انھوں نے حضرت عمرؓ  
 کے مقرر کردہ تمام عمال کو بحال رکھا تھا۔ بعد میں جب عبدالرحمن بن ملجم کنانی  
 جو حضرت عمرؓ کی جانب سے فلسطین کے والی تھے فوت ہوئے تو حضرت عثمانؓ  
 نے فلسطین کا علاقہ بھی امیر معاویہؓ کے حوالے کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت عمرؓ کے  
 مقرر کردہ والی حمص بیمار ہو گئے اور انھوں نے حضرت عثمانؓ سے سبکدوشی کی  
 درخواست کی۔ انھوں نے وہ درخواست قبول کر کے حمص بھی امیر معاویہؓ کے حوالے  
 کر دیا۔ اس طرح سارا ملک شام امیر معاویہؓ کے زیر نگین آ گیا۔ اور وہ عبدالرحمن  
 کے تمام عمال میں سب سے زیادہ اہمیت اور بلند مرتبہ والے عامل بن گئے کیونکہ  
 ان کے زیر اقتدار چار صوبے جمع ہو گئے تھے اور اپنے جغرافیائی مرکز کے نقطہ نظر  
 سے وہ غیر معمولی طور پر طاقتور بن گئے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی مملکت حجاز  
 اور مصر کے درمیان واقع تھی۔ حجاز میں آستانہ امیر المومنین و مرکز خلافت  
 تھا اور مصر وہ مملکت تھی جو قوت و دبہ کے اعتبار سے شام کا مقابلہ کر سکتی  
 تھی۔ ویسے شادابی و زرخیزی میں تو شام سے بڑھی ہوئی تھی ہی۔ مزید آگے  
 شام کی مملکت ساحل بحر روم اور رومن حکومت کی سرحد پر واقع تھی۔ لہذا  
 امیر معاویہؓ خلیفہ سے مدد لے بھی سکتے تھے۔ اور دوسرے بھی سکتے تھے۔ اسی طرح

وہ مصر کو مدد دینے اور وہاں سے مدد لینے پر بھی تیار تھے۔ پھر ان کے سامنے بھاؤ کے دو بڑے دروازے دلتے تھے۔ ایک طرف سمندر اور دوسری طرف خشکی میں روہن جگہ کی سرحد۔ چنانچہ وہ سلطنت کی شان بھی بڑھا سکتے تھے اور اپنی بھی۔ سلام کا بول بھی بلند کر سکتے تھے اور اپنے لئے بھی ایک ایسی مجد و عظمت کی بنیاد ڈال سکتے تھے جس کا مقابلہ اور کوئی عامل نہ کر سکتا تھا۔

امیر معاویہ کا وہ حکومت مدت دراز تک شام پر رہا۔ انھوں نے تمام عہد فاروقی وہیں گزارا اور عہد عثمان میں بھی مملکت شام کا بخوبی حیا سزا لیا۔ انھیں شام سے اور اہل شام کو ان سے محبت ہو گئی تھی۔ دونوں خلیفہ بھی ان سے راضی تھے۔ مدت دراز تک حکومت کرتے رہنے اور رعیت کے دلوں میں اثر و رسوخ پیدا کر لینے کی وجہ سے امیر معاویہ گورنر سے زیادہ بادشاہ معلوم ہوتے تھے۔ تاریخ خلافت میں کوئی دالی ایسا نظر نہیں آتا جو اتنی طویل مدت تک مسلسل اتنے وسیع علاقہ کی حکومت پر قائم رہا ہو اور جس کا علاقہ اس طرح بتدریج پھیلتا رہا ہو جیسے کہ حضرت معاویہ کا علاقہ پھیلتا رہا۔ لہذا اگر حضرت معاویہ کو اپنی طرف سے اطمینان اور اپنے اوپر ناز تھا تو کوئی تعجب کی بات نہ کہتی جبکہ وہ آسے دن اپنے ارد گرد کے صوبوں کے والیوں کو عہد فاروقی و عثمانی میں دشمنان وقت شام عز دل ہوتے دیکھ رہے تھے۔ لیکن خود کو اپنی جگہ برتر اور بحال پاتے تھے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ وہ بعض دوسرے علاقے بھی اپنے علاقہ میں

شامل ہوتا دیکھ رہے تھے۔ اگر حضرت معاویہؓ اپنے فرائض منصبی میں کوتاہی کرے  
 یا رعایا پر ستم ڈھالتے تو حضرت عمرؓ انہیں کبھی بحال نہ رکھتے اور اگر کوئی تائب  
 عقوبت فعل ان سے سرزد ہوتا تو سزا سے بھی باز نہ رہتے، گمان غالب یہ ہے کہ ان  
 معاویہؓ نے حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد عہد عثمانی میں بھی اہل شام کے ساتھ  
 طرز عمل میں کوئی تبدیلی نہ کی تھی۔ جب سخت گیر اور محتاط خلیفہ ان کے طرز عمل سے  
 تھا تو نرم خو، عافیت پسند اور درگزر کرنے والے خلیفہ کے عہد میں اسی طرز عمل  
 کو برقرار رکھنے میں انہیں کوئی حرج محسوس نہ ہوا۔ یہی باعث ہے کہ اہل شام  
 دوسرے صوبوں کے باشندوں کے ساتھ مال کے خلاف اہتمام ترائی  
 تشہیر میں شریک نہ ہوئے اور نہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف کسی کو  
 میں جھٹ لیا۔ وہ لوگ صحفوں نے حضرت عثمانؓ کا محاصرہ کیا تھا وہ کو ذبصرہ اور  
 آئے تھے ان میں شامی ایک بھی شامل نہ تھا۔ نیز یہی سبب تھا کہ حضرت عثمانؓ  
 جب بھی اپنے مخالفوں یا اپنے عمال کے دشمنوں کو علاقہ بدر کرتے تو ہمیشہ  
 شام ہی میں بھیجتے۔ اس حکمت علی سے خود اہل مدینہ بھی مستثنیٰ نہ تھے۔  
 دیکھیں گے کہ جب حضرت عثمانؓ حضرت ابوذر غفاریؓ سے تنگ آگئے تو انہیں  
 دیا کہ وہ خود کو دیوان شام کے ساتھ وابستہ رکھیں کیونکہ حضرت ابوذرؓ جب غاصب  
 حیثیت سے شام کی جانب گئے تھے تو اس وقت ان کا نام دیوان شام  
 حرج کر لیا گیا تھا۔ اسی لئے حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوذرؓ کی دعوت و تبلیغ سے



مدینہ والوں میں خطرہ محسوس کرتے ہوئے انھیں شام کی جانب ہی لوٹا دیا تھا۔  
گو یا حضرت معاویہ کا دورانِ دیشانہ طرزِ عمل ہی ایسا واحد ملجا تھا جس کا حضرت  
عثمانؓ کو اپنے اور اپنے عمال کے شدید مخالفوں کی تاویب کے وقت آسرا ہوتا  
تھا۔ ہیں یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ امیر معاویہؓ بہت ہی دورانِ دیشانہ و محتاط تھے حتیٰ کہ  
خود حضرت عثمانؓ کے بارے میں بھی۔ چنانچہ جب حضرت عثمانؓ کے فرستادہ سرکش  
جلاوطنوں کی اصلاح و دوستی سے وہ مایوس ہو جاتے تو حضرت عثمانؓ کو لکھ دیتے  
کہ میں ان لوگوں کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتا لہذا مجھے معاف فرمایا جائے۔ اور  
حضرت عثمانؓ ان کی کسی درخواست کو رد نہ کرتے تھے۔

امیر معاویہؓ نے اپنی خوش نصیبی سے فائدہ اٹھانے میں کبھی کوتاہی نہ کی۔ انھوں  
نے شام میں اپنے آپ کو آرام سے محض انتظامِ سلطنت تک محدود کرنا پسند نہ کیا  
ان کا نفسِ شدت سے انھیں فتوحات بڑھانے پر مائل کرتا تھا۔ عہدِ عمرؓ میں ان  
کی حیثیت اس گھوڑے کی سی تھی جو شوقِ ترک تاز کے جذبہٴ بے اختیار کی وجہ سے  
اپنی لگام چاربا ہو۔ مگر حضرت عمرؓ نے انھیں تھامے رکھا۔ اور آگے بڑھنے نہ دیا  
سمندر انھیں باصرار اپنی طرف بلاتا تھا انھوں نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں کہی با  
بھری لڑائی کے لئے اجازت طلب کی۔ لیکن حضرت عمرؓ نے بڑی سختی سے انھیں  
روک دیا اور ایک بار تو بقیہ کے ساتھ انھیں آمیزہ سمندر کی بابت کچھ لکھنے سے  
منع کر دیا۔ جب حضرت عثمانؓ مسندِ فرزندِ خلافت ہوئے تو امیر معاویہؓ نے ان کے بھی

وہی درخواست کی جو وہ حضرت عمرؓ سے کیا کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے انہیں اس شرط پر اجازت دیدی کہ غازیوں کا انتخاب امیر معاویہؓ خود نہ کریں اور نہ شکر کے لئے قرعہ اندازی کریں، بلکہ لوگوں کو آزاد و خود مختار چھوڑ دیا جائے جو آدمی بحری ہمہیں شریک ہونے پر رضامند ہو اسے لے جایا جائے اور جو رضامند نہ ہو اس سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ تھوڑی ہی مدت گزری گئی کہ امیر معاویہؓ نے ایک بحری بیڑہ تیار کر لیا اور پھر سچاس یا شاید اس سے بھی زیادہ بحری جنگیں لڑیں۔ یہ دیکھ کر دہلی مصر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی رگ جیت بھی پھڑکی چنانچہ وہ بھی امیر معاویہؓ کی تقلید کرنے لگ گئے۔ یہاں تک کہ مورخین کے بیان کے مطابق شام سے امیر معاویہؓ سائپرس پر حملہ آور ہوئے اور مصر سے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح۔ غرض دونوں شکروں کا اس جزیرہ میں اتصال ہوا۔ شام سے ملی ہوئی رومن حکومت کی بری سرحدوں کی حفاظت امیر معاویہؓ کے سپرد تھی۔ چنانچہ وہ گرمادسرا میں دشمنوں پر حملے کرتے رہتے تھے۔ انہیں ان لوگوں سے اتنا مال غنیمت و پناہ میسر آ جاتا تھا کہ شکریوں کے دل سرور ہو جاتے اور بیت المال معمور ہو جاتا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ہی امیر معاویہؓ کے لئے راستہ ہموار کیا کہ وہ ایک دن خلافت کو آل ابی سفیان میں منتقل کرنے کے لئے بنی امیہ میں مجاہدینے پر تیار ہو گئے۔ کیونکہ حضرت عثمانؓ ہی تھے جنہوں

حضرت امیر معاویہؓ کی مملکت کو فلسطین و حمص کے انضمام سے وسعت دے کر ان کے لئے شامی وحدت پیدا کر دی جس کی حدود و ثغور دور دراز تک پھیلی ہوئی تھیں۔ انہی نے چار ولایتوں کو امیر معاویہ کے زیر اقتدار جمع کر دیا تھا جس کی وجہ سے ان کے عساکر جملہ مسلم عساکر سے قوی تر ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد خلافت میں امیر معاویہؓ کی مدت ولایت میں اسی طرح دھیل دی جس طرح حضرت عمرؓ نے دی تھی اور شام میں انہیں اس قدر آزادی دیدی جو حضرت عمرؓ نے نہ دی تھی۔ جب ظہور فتنہ ہوا تو امیر معاویہؓ نے دیکھا کہ سب سے پرانے والی وہی ہیں سب سے قوی لشکر انہی کے پاس ہیں اور رعیت کے دلوں پر سب سے زیادہ قبضہ انہی کا ہے۔ حضرت عثمانؓ اگر چاہتے تو حضرت عمرؓ کے طریق کار پر کار بند رہ سکتے تھے یعنی امیر معاویہؓ کو دمشق و اردن پر بحال رہنے دیتے اور حمص و فلسطین کی دونوں ولایتوں کو براہ راست مدینہ منورہ کے ماتحت رکھتے اگر وہ ایسا کرتے تو ایک طرح حضرت عمرؓ کے طریق کار کو بحال رکھتے اور دوسری طرف عمرؓ سیدہ صحابیوں اور عرب نوجوانوں میں سے جو منصب حکمرانی کے خواہشمند ہوتے ان کے لئے منصب پیدا کر سکتے اور اس طرح ان لوگوں کی بیکاری۔ ناراضگی کا ازالہ ہوتا اور بغاوت و انقلاب برپا کرنے والوں کو موقع نہ ملتا۔ علاوہ ازیں اس کا فائدہ یہ بھی ہوتا کہ ظہور فتنہ کے وقت امیر معاویہؓ اس خود بینی و خود پرستی کا اقدام نہ کرتے جو ان سے ہوا، اور مسلمانوں کو اصولاً باہمی مشورہ سے اپنے مسائل کے حل کرنے کا موقع ملتا۔



آجاتا۔ لیکن اس عظیم وسیع مملکت نے امیر معاویہ کو وہ مضبوطی عطا کی کہ انہوں نے  
 بڑی آسانی سے شکر بھیج کر مصر کو دار الخلافہ سے الگ کر دیا، اور پھر حجاز اور  
 ازاں دیگر بلاد عرب میں ایسے لوگوں کو روانہ کر دیا جو وہاں حکومت کرنے لگیں اور  
 اس طرح حضرت علیؓ کی راہیں مسدود کر دیں۔ اور آخر ایک روز حضرت علیؓ نے  
 دیکھا کہ امیر معاویہؓ نے سلطنت کے بہترین علاقوں کو اپنے زیر اقتدار کر لیا ہے  
 اس تمام صورت حال کی صرف دو چیزیں ذمہ دار تھیں اولاً حضرت معاویہؓ کی بہادری  
 و نچہ کاری ثانیاً ان کی عملداری کی عظمت و وسعت۔

# گیارہواں باب

## مصر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عہد میں

حضرت عمرو بن العاصؓ کی معزولی اور عبد اللہ بن سعد کا تقرر

شام کو چھوڑ کر مغرب کی طرف  
برسبیں تو مصر آ جانا ہے۔ حضرت  
عمروؓ کی وفات کے وقت وہاں

حضرت عمرو بن العاصؓ والی تھے۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت عمروؓ کے دو حکمے شمال  
کی طرح انھیں بھی اپنے عہدہ پر برقرار رکھا لیکن ابھی ایک برس بھی گزرنے نہ پایا  
تھا کہ حضرت عثمانؓ کے قرابتداروں نے مصر کی طرف حریص اور قہر آلود نگاہوں  
سے دیکھنا شروع کر دیا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کی مصر سے معزولی اور عبد اللہ  
بن سعد بن ابی سرح کی تقرری کے مسئلہ پر مورخین مختلف الزامات ہیں۔ ایک  
جماعت کا بیان ہے کہ مصریوں نے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حضرت عمرو

بن العاصؓ کی شکایت کی تھی اس لئے انہیں معزول کر دیا گیا۔ دوسروں کا خیال ہے کہ انہیں مصریوں کی ناراضگی اور بیزاری کی وجہ سے معزول نہیں کیا گیا تھا۔ بلکہ حضرت عثمانؓ نے ایک پوشیدہ مقصد کے تحت ایک حاکم کو معزول کر کے اس کی جگہ دوسرے مقرر کر دیا تھا لیکن واضح امر یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو کسی عظیم فتنہ کی انجام دہی کے لئے عرصہ سے تیار کر رہے تھے۔ مورخین کا بیان ہے کہ حضرت عمرو بن عاصؓ نے افریقہ پر یورش کی اور کچھ مال غنیمت لے کر لوٹ آئے۔ مگر لازم تھا کہ حضرت عثمانؓ کی طرف سے ان کے والی کو ہر سرحدی علاقوں میں یورش کرنے کی آزادانہ اجازت ہوتی۔ تاکہ ان یورشوں سے اولاً وہاں کے حالات کا جائزہ لیا جاتا اور پھر مکمل فتح حاصل کی جاتی۔ یہی وہ طریقہ تھا جس پر والیان کو فد و بصرہ و شام چل رہے تھے۔ لیکن ہوا یہ کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرو بن عاصؓ کو ایسی مہموں سے روک دیا اور افریقہ میں ایک ایسے لشکر بھیجا جو والی مصر کے زیر اقتدار نہ تھا بلکہ اس کا تعلق خلافت معمول تھا۔ عمرو بن العاصؓ سے بالابالا براہ راست مدینہ کی مرکزی حکومت سے تھا۔ حضرت عثمانؓ اس لشکر کا سردار عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مقرر کر کے ان سے کہا: ”تم افریقہ فتح کرو تو غنیمت کے خمس (پانچ) میں سے خمس تمہارا ہے۔“

یہاں اس بات سے حضرت عمرو بن عاصؓ کا ناراض ہونا طبعی امر ہے۔ کیونکہ حضرت عثمانؓ نے اپنے اس عمل سے حضرت عمرو کو ان کے ہم مرتبہ دوسرے



والیوں سے کمتر درجہ دیا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے سرحدوں کی طرف براہ راست کبھی لشکر روانہ نہ کئے تھے۔ یہ کام عمال کا تھا۔ حضرت معاویہؓ رومیوں کے خلاف اور عامل بصرہ و کوفہ بلا فارس کے خلاف برسرِ پیکار رہتے تھے۔ خلیفہ سے مشورہ ضرور لیتے تھے لیکن سربراہی و نگرانی انہیں کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ کوئی کام بھی ان سے بالا بالا اور ان کی رائے لئے بغیر نہیں کیا جاتا تھا۔

حضرت عثمانؓ نے فتح افریقہ کی نیت سے لشکر جمع کیا۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو اس کا سپہ سالار مقرر کر کے صحابہ کرامؓ میں سے چند بزرگ، نوجوانانِ قریش کی ایک جماعت اور بیت سے انصار کو ان کے ہمراہ کر دیا۔ نیز انہیں حکم دیا کہ جب وہ فتح افریقہ سے فارغ ہو چکیں تو بحری راستے سے لشکر کو اُنڈس کی ہم پر بھیج دیں۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے افریقہ فتح کر لیا۔ وہاں انہیں بڑی عنایت ملی جو انہوں نے لوگوں میں تقسیم کر دی۔ خمس کا خمس انہوں نے اپنے لئے رکھ لیا اور باقی حضرت عثمانؓ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ کہا گیا ہے کہ ان کے حصہ کا یہ خمس کا پانچواں حصہ مران بن حکم نے ایک لاکھ یا دو لاکھ دینار میں خرید لیا جس میں سے کچھ قیمت اس نے ادا کی اور باقی قیمت حضرت عثمانؓ نے انہیں ہدیہ دیدی۔ راویوں کا بیان ہے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے اس تیرجھی سلوک کی وجہ سے اہل لشکر بگڑ بیٹھے اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کے پاس ایک وفد

بھیجا کہ وہ اس معاملہ پر ان سے تبادلوہ خیال کریں۔ حضرت عثمانؓ نے اہل وند سے  
 کہا کہ عبداللہؓ نے جو کچھ زیادہ لیا ہے میں نے انھیں اس کی اجازت دے رکھی  
 تھی اگر آپ اسے منظور کریں تو ٹھیک ہے بصورت دیگر وہ سب کچھ واپس لے لیا  
 جائے گا۔ اہل وند نے کہا ہم راضی نہیں ہیں۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا "و  
 وہ مال واپس ہو جائے گا۔" اہل وند نے کہا آپ اسے ہماری سپہ سالاری کے  
 معزول کر دیں کیونکہ اس واقعہ کے بعد ہمارے باہمی تعلقات اچھے نہیں رہ سکتے  
 حضرت عثمانؓ نے ان کی استدعا قبول کر لی اور عبداللہؓ کو مال غنیمت کی واپسی  
 اور سپہ سالاری افریقہ سے معزولی کا خط لکھ دیا۔ اس کے بعد عبداللہؓ مصر کی  
 طرف دل میں کچھ افسوس و نامرادی کے جذبات لئے ہوئے پوٹ آئے خدا تعالیٰ  
 نے ان کے ہاتھوں ایک بہت بڑا ملک فتح کرایا تھا لیکن انھیں اپنے اس مقصود  
 ملک سے دست بردار ہونا پڑا۔ یہی نہیں بلکہ انھیں حضرت عثمانؓ کی طرف سے دیا  
 ہوا عطیہ بھی اپنے پاس محفوظ رکھنے کا موقع نہ مل سکا۔ اس میں شک نہیں کہ  
 حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار اس واقعہ پر عبداللہؓ کی حمایت میں  
 برا فردختہ ہوئے اور انھوں نے اس چھنے ہوئے مال سے بہتر معاوضہ دلانے کی  
 چین سے بیٹھنا اپنے لئے حرام کر لیا، وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑ گئے  
 حتیٰ کہ حضرت عثمانؓ نے انھیں مصر کا والی خراج مقرر کر دیا اور حضرت عمرو بن  
 عاصؓ کو صلاۃ و حرب کا والی رہنے دیا۔ دونوں والیوں کے مابین اختلاف

رونما ہونا لایمی امر تھا۔ ہو سکتا ہے حضرت عمر بن عاصؓ نے لوگوں کو عبداللہ بن  
 سعد کے خلاف بھڑکایا ہو جس کی ذمہ سے حضرت عثمانؓ نے ان سے اپنا عطیہ بھی  
 واپس لے لیا تھا انھیں افریقہ کی سپہ سالاری سے بھی معزول کر دیا تھا۔ بہر حال  
 دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف جذبات بھڑک گئے۔ عبداللہ  
 نے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں تحریر کیا کہ عمرؓ نے میرے خراج کے معاملہ میں  
 رخصہ اندازی کی ہے اور حضرت عمرؓ نے یہ لکھا کہ عبداللہ نے میری جنگی تیاریوں  
 کو نقصان پہنچا لیا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ عبداللہ کو مدینہ شریف واپس  
 بلا لیتے اور حکومت مصر عمرؓ کے ہاتھوں میں رہنے دیتے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ آخری  
 دم تک حضرت عمرؓ کی حکومت سے خوش تھے اور اگر تغیر و تبدل کے بغیر اور  
 کوئی چارہ کار نہ تھا تو حضرت عثمانؓ پر فرما تھا کہ دونوں کو معزول کر دیتے اور کسی  
 دوسرے شخص کو خواہ وہ کوئی قرشی ہو یا غیر قرشی مصر کا حاکم مقرر کر دیتے ہیں  
 طریقہ جسے عمرؓ کے دل میں آتش غیرت شعلہ زن نہ ہوتی اور قریش کی باہمی نسبت  
 بھی کچھ مدت کے لئے ٹل جاتی۔ لیکن ہوا یہ کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کو  
 معزول کر کے عبداللہ کو دالی خراج کے علاوہ دالی صلوة و حرب بھی بنا دیا۔  
 اور اس طرح انھوں نے حضرت عمرؓ کو اپنا دشمن بنا لیا۔

حضرت عمرؓ کے ساتھ حضرت عثمانؓ کا سلوک یہیں تک محدود نہ رہا۔  
 بلکہ انھوں نے کبھی اشارۃً اور کبھی صراحتاً ان پر بددیانتی کا الزام بھی لگایا۔



ایک دن حضرت عمرو بن لوی دار جتہ پہنے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے پوچھا اس جتہ میں کیا ہے۔ حضرت عمروؓ نے جواب دیا۔ "عمرو" حضرت عثمانؓ نے کہا میں نے یہ نہیں پوچھا یہ تو میں جانتا ہوں کہ اس جتہ میں آپ ہیں میں نے یہ دریافت کیا تھا کہ جتہ میں روئی بھری ہوئی ہے یا کوئی اور چیز؟

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے حضرت عثمانؓ کو مصر سے بیت سامال بھیجا اسی اثنا میں حضرت عمروؓ بھی آنکلیے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا "عمرو! کیا آپ کو علم ہے کہ آپ کے بعد اس اونٹنی نے خوب دودھ دینا شروع کر دیا ہے؟" حضرت عمروؓ نے کہا "ہاں، لیکن اس کے بچوں کی حالت تباہ ہو رہی ہے" حضرت عثمانؓ کا مطلب یہ تھا کہ حضرت عمروؓ ان سے بالابالا کچھ ماں روک رکھتے تھے اور حضرت عمروؓ کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کا عامل اہل مصر پر نافرمانی برداشت نہ کر سکتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ عبداللہ بن سعد کھرے آدمی نہ تھے۔ مسلمان ان سے خوش نہ تھے وہ ان آدمیوں میں سے تھے جنہوں نے رسول خدا کو سخت اذیت پہنچائی تھی اور آپ کا بیت تخریب کیا تھا۔ خود قرآن نے ان کے کفر کی شہادت دی ہے اور ان کی مذمت کی ہے۔ عبداللہ قرآن کا بھی مذاق اڑایا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ عنقریب میں بھی خدا کے قرآن کا سا ایک قرآن نازل کرنے والے ہوں۔ رسول خداؐ نے فتح مکہ کے دن ان کا خون مبارک کر دیا تھا لیکن حضرت

عثمانؓ انھیں مسلمان بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مصر میں عبداللہ کا طرز عمل اہل مصر کے لئے خوش کن تھا اور جیسا کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے کنایتاً کہا تھا وہ مصری عوام کو ان کی طاقت سے زیادہ زیر بار کرتے تھے، لگنان اغلب یہ ہے کہ وہ غیر قریشی مصری عربوں سے معزورانہ و متکبرانہ انداز میں پیش آتے تھے جس کے باعث وہ لوگ ان سے برہم و دل برداشتہ تھے۔ حتیٰ کہ انھوں نے حضرت عثمانؓ سے ان کی شکایت کی جس پر حضرت عثمانؓ نے ایک خط میں انھیں بڑی سخت ڈانٹ پلائی اور حکم دیا کہ وہ ایسی حرکت سے باز رہیں جس سے رعیت کا دل دکھتا ہو لیکن انھوں نے اس تنبیہ کی کوئی پرواہ نہ کی بلکہ شکایت کرنے والوں کو سزا دی یہاں تک کہ ایک شخص کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ دیکھ کر مصریوں کے علاوہ اصحاب رسولؐ بھی آگ بجولا ہو گئے۔ اور انھوں نے حضرت عثمانؓ پر اتنا شدید و باد و ڈالا کہ آخر انھوں نے عبداللہ کو معزول کر کے محمد بن ابی بکرؓ کو مصر کا والی مقرر کر دیا۔ تیزان کے ہمراہ ہاجرین و انصار کی ایک جماعت بھیجی کہ وہ مصریوں اور عبداللہ کے باہمی مناکشات کی تحقیق کریں۔ اصل میں اس چیز کا مطالبہ حضرت علیؓ نے کیا تھا کہ عبداللہ کو معزول کر کے ان کے غلات جائز کردہ الزامات قتل کی تحقیقات کی جائے۔ اگر وہ مجرم ثابت ہوں تو ان سے قصاص لیا جائے۔ حضرت عثمانؓ کی طرف سے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کا والی مقرر ہونا مسلمان قوم کی بہت

بہت بڑی بد نصیبی تھی کیونکہ حضرت عثمانؓ کے خلاف باغیوں کا پہلا گروہ مصر  
 ہی سے پہنچا تھا، ازاں بعد کوفہ و بصرہ کے باغی ان میں شامل ہو گئے۔ باغی  
 عبداللہ بن سعد بڑے بہادور، جری اور فہمید مرد میدان تھے۔ انہوں نے  
 رومیوں سے افریقہ خالی کرایا۔ ساپرس کی جنگوں میں شرکت کی۔ اور رومی  
 بڑے کو بمقام ذات الصواری شکست فاش دی۔ مگر ان سب باتوں کے  
 باوجود وہ دنیا دار تھے، دیندار نہ تھے،





# بارہواں باب

## دو نوجوان

دوست ریشی نوجوان مصر میں | حضرت عثمانؓ اور ان کے مصری گورنر کی سیاست کا قلعہ اس وقت تک ختم نہیں ہوا جب تک کہ ہم ان دوست ریشی نوجوانوں کا ذکر نہ کریں جن کا اس سیاست کو بغاوت کے انجام تک پہنچانے میں برابر ہاتھ تھا۔ نوجوان محمد بن ابی حذیفہ اور محمد بن ابی بکرؓ ہیں۔ محمد بن ابی حذیفہ معزز باپ کا معزز بیٹا تھا۔ اس کے والد قبیلہ قریش میں عالی نسب اور قریشی سرداروں میں بلند رتبہ سردار تھے۔ ابو حذیفہ کا باپ متبہ بن ربیعہ ہند کا باپ تھا جو ابوسفیان کی بیوی اور امیر معاویہؓ کی ماں تھی۔ ابو حذیفہ ان افراد میں سے تھے جو پہلے پہل نبی اکرمؐ کے دارالارقم میں داخل ہو کر دعوت اسلام دینے سے قبل مسلمان ہو چکے تھے۔ انہوں نے اپنی اہلیہ سہیلہ بنت سہیل بن

عمر کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور وہاں سے دوسرے مہاجرین کے ہمراہ مدینہ شریف پہنچے۔ پہلے پہل اسلام لانے، حبشہ اور پھر وہاں سے مدینہ شریف کی جانب ہجرت کرنے کے باعث وہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اسلام کی راہ میں سخت آزمائشوں کا نہایت ثابت قدمی اور خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا۔ وہ جنگ بدر میں شریک ہوئے اور بڑی ہرمانگی یقین و ایمان کے ساتھ صف آرا ہوئے۔ حتیٰ کہ انہوں نے اس کارزار میں خود اپنے والد کو دعوت مبارزت دی۔ اسی طرح مابعد کی تمام جنگوں میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن بدوش شریک رہے۔ آخر انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں پیامہ کی جنگ لڑتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔ ان کا یہ لڑکا محمد حبشہ میں پیدا ہوا تھا اور ابھی یہ نو عمر ہی تھا یعنی بمشکل چودہ پندرہ برس کا سن ہو گا کہ والد کا سایہ ہر سے اٹھ گیا۔

باپ کی وفات کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کے کفیل مقرر ہو گئے جو انی میں بھی محمد حضرت عثمانؓ کی زیر نگرانی رہے۔ جب حضرت عثمانؓ نے خلافت ہوئے تو اسے گمان تھا کہ دوسرے قریشی نوجوانوں کی طرح ان کی تربیت داروں کی طرح اسے بھی جلد ہی چھوٹے بڑے حکومت کے کسی منصب پر متعین کر دیا جائے گا۔ لیکن یہ نوجوان جو کہ راویوں کا بیان ہے دین پر سختی سے کار بند نہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس

شراب پی کھتی اور حضرت عثمانؓ نے اسے شراب نوشی پر سزا دی تھی۔ یہ بات  
 مبنی بر حقیقت ہو یا نہ ہو پھر حال اہم امر یہ ہے کہ ایک روز اس نے حضرت عثمانؓ  
 سے مطالبہ کیا کہ اسے کسی منصب پر متعین کیا جائے۔ حضرت عثمانؓ نے انکار کر دیا۔  
 اور کہا کہ اگر مجھے تم میں اہلیت نظر آتی تو کہیں عالم مقرر کر دیتا لیکن تم اس معیار  
 پر پورے نہیں اترتے۔ اس پر نوجوان نے حضرت عثمانؓ سے بیروسیاحت پر جانے  
 کے لئے مدد مانگی۔ حضرت عثمانؓ نے اعانتاً کچھ مال دیدیا اور اجازت دی کہ دوسرے  
 کی طرح جہاں چاہے چلا جائے یہ نوجوان مصر چلا گیا اور اس میں شک نہیں کہ  
 حضرت عثمانؓ کے پاس سے ناراض ہو کر نکلا تھا۔ یا تو اس نے اسے کہ انہوں نے اسے  
 شراب نوشی کی سزا دی تھی یا اس وجہ سے کہ انہوں نے اسے حکومت کے ہند  
 دینے میں نخل کیا۔ جبکہ یہ نخل ولید، سعید اور عبداللہ بن عامر کے میلے میں روا  
 نہ رکھا تھا۔ مصر پہنچتے ہی اس نے سیاست عثمانی کی مخالفت شروع کر دی اور  
 عبداللہ بن سعد بن سرح کے خلاف اودھم مچا دیا۔  
 دوسرا نوجوان محمد بن ابی بکرؓ ہے، اس کی بزرگی و شرافت کے لئے  
 اتنا کافی ہے کہ وہ صدیق اکبرؓ کا فرزند اور ام المومنین حضرت عائشہؓ کا بھائی  
 تھا اور ان سب باتوں کے علاوہ وہ قریشی نوجوان تھا اور اس عورت کا مالک  
 تھا جو قریش کو ماحصل تھی۔ اسے اپنے والد بزرگوار کی منزلت پر ناز تھا کیونکہ  
 انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مردوں سے زیادہ چاہتے تھے اپنی



ہمشیرہ پر بھی نخر تھا کہ وہ آنحضورؐ کو جلد خواتین سے زیادہ عزیز تھیں۔ بیشک  
 اسے توقع تھی کہ حضرت عثمانؓ اس کے رتبہ کا لحاظ کریں گے اور اس کے والد بزرگوارؓ  
 اور ہمشیرہ مکرّمہ کی عظمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسے ہی اسے بھی کہیں کی حکومت  
 دیدیں گے جیسے وہ اپنے ان قرابت داروں کو دے رہے تھے۔ جو کسی انفرادی  
 شخصیت یا کارکردگی کے لحاظ سے اس سے فائق نہ تھے۔ لیکن حضرت عثمانؓ  
 نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی نہ اُسے کسی گنتی میں شمار کیا، حضرت عثمانؓ  
 کے لئے ممکن نہ تھا کہ وہ تمام قریشی نوجوانوں کو یا قریشی نوجوانوں کی اکثریت  
 کو والی بنادیں۔ اسامیاں محدود تھیں۔ طلبگاروں کی کثرت تھی۔ البتہ حضرت  
 عثمانؓ ایک فرق کو دوسرے فرق پر ترجیح دے کر ان نوجوانوں کے دلوں  
 میں مختلف قسم کے غم و غصہ اور غیرت و حسد کے جذبات کو برانگیختہ کر دیا  
 چنانچہ محمد بن ابی حذیفہ کی طرح محمد بن ابی بکرؓ نے بھی مصر کا رخ کیا۔ یہ دونوں  
 دوسرے سے پاؤں راستہ میں مل گئے یا پھر مصر میں ملے۔ جو یہی یہ دونوں مصر  
 پہنچے عبداللہ بن سعد نے تار لیا کہ یہ کسی نیک جذبہ کے تحت نہیں آئے ہر  
 چنانچہ انہوں نے ان دونوں کو ڈرایا و ڈھمکایا۔ لیکن یہ دھمکیوں اور ڈراؤ  
 سے مرعوب نہ ہوئے۔ دونوں میں سے خلیفہ دوالی کے خلافت زیادہ کھل کر  
 تنقید کرنے والا اور سخت مخالفت کرنے والا محمد بن ابی حذیفہ تھا۔ اس  
 تو یہ حال تھا کہ وہ دوالی کے مُنہ پر بھی اس کی ناپسندیدہ بات کہنے میں تردد نہ کیا

ما۔ راویوں کا بیان ہے کہ جب والی مصر نماز سے فارغ ہو چکے : تو محمد بن حذیفہ نعرہ تکبیر بلند کرتا۔ تاکہ اس طرح ایک طرف تو وہ لوگوں کو اپنی جانب ملتفت لے اور دوسری طرف والی کو مقابلہ کی دعوت دے، کہا جاتا ہے کہ عبد اللہ بن محمد نے اسے بلا کر اس طرز عمل سے منع کیا۔ مگر وہ باز نہ آیا، اس پر عبد اللہ بن محمد نے اسے سخت سست کہا اور پیروں میں بیڑیاں ڈالنے کی دھمکی دی۔ اس نے اپنی پرواہ نہ کی۔ اسی اثنا میں عبد اللہ کورد میوں کے مقابلہ کے لئے ذات السواری کی ہم پر حسانا پڑا۔ محمد بن ابی حذیفہ اور محمد بن ابی بکر کھنجر ہمراہ چل پڑے۔ عبد اللہ کو خوف دامنگیر ہوا کہ یہ دونوں لشکر کو بہکا میں گئے۔ لہذا اس نے دونوں کو ایک ایسی کشتی میں سفر کرنے پر مجبور کیا جس میں ان کے علاوہ نہ کوئی مسلمان موجود نہ تھا۔ ان کے ہمراہ صرف قبطنی باشندے تھے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ محمد بن ابی بکر بیمار ہو گیا لہذا مصر میں مقیم رہا اور ہم کے ہمراہ قط محمد بن ابی حذیفہ گیا تھا گمان اغلب یہ ہے کہ ان میں ایک اس لئے بھڑکیا ہو گا کہ عبد اللہ کے پس پشت لوگوں کو بہکائے اور ایک اس لئے بھڑکیا ہو گا کہ وہ شکر میں اپنے خیالات کو نشر کرتے۔

اس ہم میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور عبد اللہ رومی بیڑے پر غالب ہو کر فاتحانہ شان سے مصر کی طرف لوٹا۔ لیکن اس وقت تک محمد بن ابی حذیفہ اہل شکر کے دلوں کو اس کے اور حذیفہ کے خلاف تنقید اور



اعتراضات سے زیر آلود کر چکا تھا۔ وہ فوجیوں سے کہا کرتا تھا کہ تم یہاں مصر  
 جہاد ہو حالانکہ میدان جہاد تو تمہارے پیچھے مدینہ شریف میں ہے۔ جہاں حضرت  
 پیغمبر ﷺ خلافت قرآن و سنت اور حضرات صدیق و فاروق کے طرز عمل سے ہٹ  
 کسی اور قسم کی سیاست پر کاربند ہیں، جو اصحاب رسول اللہ صوان اللہ علیہ  
 منعزل کر کے ان کی جگہوں پر فاسقوں اور مسخروں کو مسلمانوں کے امور پر  
 کر رہے ہیں۔ ذرا اپنے حاکم اور ذات جہاد کو دیکھو۔ یہ وہ آدمی ہے جس کے  
 بقرآن شاہد ہے۔ جس کا خون سی اکرم نے مباح قرار دیا تھا لیکن حضرت  
 نے اس کو تمہارا حاکم مقرر کر دیا ہے کیونکہ وہ ان کا رضاعی بھائی ہے۔ ذرا  
 تمہارے بارے میں اس کا کیا طرز عمل ہے۔ کیا آپ کے خیال میں وہ آپ  
 پر گامزن ہے جس پر بی اور ان کے دونوں سابق گامزن رہے؟ کیا آپ  
 اس کی بدلی ہوئی سیاست نہیں دیکھتے اور کیا آپ کو احساس نہیں ہو رہا کہ  
 کی طرف سے عائد کردہ عملی اور مالی پابندیاں آپ کے لئے ناقابل برداشت  
 ابن ابی حذیفہ ان خیالات کو شکریں اور ابن ابی بکر شہر میں پھیلاتے  
 حینانچہ مصریوں نے اس لشکر کی واپسی کے بعد ان دونوں کے پاس جمع  
 ان کی باتوں پر کان دھنا شروع کر دیا۔ عید اللہ بن سعد کو ان دونوں  
 سے خدشہ لاحق ہوا اور حضرت عثمان سے شکایت کر کے ان کے خلاف  
 کارروائی کرنے کی اجازت چاہی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان نے علی



رہی جاتا کہ وہ ان دونوں کے حالات سے آگاہی کے بعد انہیں مطلع کریں، ان  
 دنوں کو سمجھا بھجا کر نرم روی پر مائل کریں ساتھ ہی عبداللہ بن سعد کے حالات کا بھی  
 تذکرہ لیں۔ لیکن بقول راویوں کے عمار بن یاسر مصر پہنچتے ہی ان دونوں کے  
 مل گئے اور انہوں نے ہردو کی معیت میں لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے خلاف  
 فتنہ کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ عبداللہ بن سعد تنگ آ گئے اور ان تینوں  
 حضرات کے بارے میں حضرت عثمانؓ کو لکھا، حضرت عثمانؓ نے جواب میں انہیں تنبیہ  
 فرماتے ہوئے حکم دیا کہ عمار کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا جائے اور انہیں  
 بے احترام و عزت کے ساتھ واپس مدینہ بھیج دیا جائے۔ محمد بن ابی بکرؓ سے اس کے  
 اور ہشیرہؓ کی خاطر درگزر کیا جائے۔ اسی طرح محمد بن ابی حذیفہؓ سے بھی تعرض  
 کیا جائے کہ وہ ان کا (حضرت عثمانؓ) منہ بولا بیٹا، ان کا پروردہ اور فخری  
 ہے۔

میں پورے ذوق سے کہہ سکتا ہوں کہ عمار کو مصر نہیں بھیجا گیا۔ نہ وہ ان  
 کے ساتھ لوگوں کو حکومت کے خلاف برا بیگفتہ کرنے میں شریک ہوئے  
 نہ محض حضرت عثمانؓ کی طرف سے معذرت کرنے والے بزرگوں کی احترام  
 تاکہ ان کے اور عمار کے مابین اس واقعہ سے قبل یا بعد ظہور پذیر ہونے والی  
 صورت حال پر پردہ ڈالا جاسکے جسے ہم ابھی تھوڑی دیر بعد ملاحظہ کریں  
 یہ حال یہ ایک اہل حقیقت ہے کہ محمد بن ابی حذیفہؓ اور محمد بن ابی بکرؓ نے

دار و مصر ہو کر لوگوں کو خلیفہ اور ان کے والی کے خلاف ابھارا تھا اور حضرت محمد  
نے ان دونوں کو نرمی اور خوش اسلوبی سے راضی کرنا چاہا تھا۔ چنانچہ کہا جاتا  
کہ انھوں نے محمد بن ابی حذیفہ کو دولت و خلعت بھیجے جسے لے کر وہ مسجد  
پہنچا اور لوگوں کے سامنے اسے پیش کر کے کہا: "اسلامنا حضرت عثمان کی کار  
دیکھو وہ رشوت دے کر مجھے میرے دین سے ہٹانا چاہتے ہیں۔"

یہ دونوں بدستور مصریوں میں حکومت کے خلاف پرواگندہ کرتے  
تھا۔ انکے بہت سے عوگ ان کے ہم خیال ہو گئے۔ اور بالآخر مصری حضرت  
کی مخالفت و نافرمانی میں تمام لوگوں سے زیادہ سخت ہو گئے۔ ان دونوں  
رسمیں کا سرچشمہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے وہی بات تھی جس نے بیت سے  
اور غیر قریشی نوجوانوں کے دلوں میں غم و غصہ کے جذبات پیدا کر دیے۔  
حضرت عثمان کا ایک فریق کے نوجوانوں کو دوسروں پر ترجیح دینا، صاحب  
قابل اور آزمودہ کار اشخاص کو اعلیٰ عہدوں اور مناصب حکمرانی سے  
رکھ کر ایسے لوگوں کو ان مناصب کے لئے مخصوص کرنا جو خواہ کیسے  
یا کیسی ہی اہلیت کے مالک کیوں نہ ہوں دوسروں سے فائق نہ تھے۔  
کوئی امتیازی حیثیت حاصل تھی اور نہ مستقل طور پر ان کا طرز عمل قابل  
حضرت عثمان کے خط کے جواب میں اسے اس کا خط لکھا

جسے اشتر نے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بھیجا تھا اس صورت حال پر روشنی ڈالنے کے لئے کافی ہے۔ یہ خط حضرت عثمانؓ کے اس خط کا جواب ہے جو انہوں نے اہل کوذ کو نصیحت و ہدایت کے لئے بھیجا تھا نیز اس کے ذریعہ ان سے ان کی مرضی معلوم کرنا چاہی تھی، یہ وہ موقع تھا جب اہل کوذ نے سعید بن عاص کو اپنا حاکم تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اشتر کے اس خط کا مطالعہ یہ جاننے کے لئے کافی ہے کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف عوام بالخصوص نوجوان طبقے کا غم و غصہ کس حد پر پہنچ چکا تھا، اس لئے کہ انہوں نے (عثمانؓ) امور عامہ کی انجام دہی کے لئے اپنے قریب کے ایک فریق کو مخصوص کر رکھا تھا۔ حالانکہ اس فریق کے لوگ دوسروں کے مقابلے میں ذرہ بھرا امتیاز نہ رکھتے تھے۔

اشتر نے حضرت عثمانؓ کو جو خط لکھا اس کی عبارت یہ ہے:-

”من جانب مالک بن عمارت بخدمت آزمائش میں پڑے ہوئے، خطاکار و منت رسول سے گریزاں اور حکم قرآنی کو پس پشت ڈال دینے والے خلیفۃ المسلمین۔“

اما بعد۔ ہم نے آپ کا خط پڑھا۔ آپ اپنے آپ کو اور اپنے حکام کو ظلم و زیادتی سے باز رکھیں اور نیک سیرت افراد کی جلا وطنی سے رک جائیں تو ہم آپ کے تابع فرمان بن جائیں گے، آپ نے کہا ہے کہ ہم نے اپنے نفوس پر زیادتی کی ہے یہ آپ کی وہ خوش خیالی ہے جس نے آپ کو کہیں کا نہیں چھوڑا۔



اسی کی وجہ سے آپ کو جو رعدل اور باطل حق دکھا دیتا ہے۔ اگر آپ ہماری نجات  
 چاہتے ہیں تو وہ اسی شکل میں ممکن ہے کہ آپ اپنے طرز عمل سے ہانا جائیں، تاہم  
 ہوں، اور آپ نے ہمارے جن نیک چلن افراد پر ظلم و زیادتی کی ہے اور ہمارے  
 جن نیک اشخاص کو بے گھر کر کے جلا وطن کیا ہے اس پر خدا کے سامنے معافی  
 کے طلبگار ہوں، ہم پر کل کے لونڈوں کو حاکم نہ بنائیں۔ ہمارے علاقہ کو انصاف  
 حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہؓ کے سپرد کر دیں کہ ہم ان دونوں سے  
 راضی ہیں۔ یہیں اپنے دلید، سعید اور اپنے غامدان کے دیگر محبوب نظر افراد  
 بچائیے۔ آگے جو خدا کی مرضی ہے۔ والسلام علیکم وعلیٰ آئینہ اسلام

آپ نے دیکھ لیا کہ اشتر نے حضرت عثمانؓ کی اطاعت سے رد کردانی  
 کی۔ ان کی امامت سے اتکار کیا۔ البتہ اس نے جو دستور سنت سے انحراف  
 احکام قرآنی سے اعراض۔ مناصب حکومت پر نو خیزوں کی تقرری اور مسلمانوں کی جلا  
 کا الزام لگائے ان سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اس طرز عمل سے باز آجائیں اور یہ استدلال  
 کی ہے کہ ابوموسیٰ اشعریؓ کو والی صلاۃ و حرب اور حذیفہ بن یمانؓ کو والی خراج  
 کر دیں۔ اور بتایا ہے کہ اگر یہ مطالبات مان لئے جائیں تو اہل کوفہ ان کی اطاعت  
 میں آئیں گے۔

لے انساب الاشراف از بلاذری صفحہ ۱۰۴ مطبوعہ قدس۔

اشترکے ان الفاظ کو دیکھئے۔ ہمیں اپنے ولید و سعید اور اپنے خاندان کے دیگر محبوب نظر افراد سے بچائیے۔ آگے جو خدا کی مرضی۔ ان الفاظ میں اس نے اس حقیقت کی تصویر کشی کی ہے جس نے اہل کوفہ کی رگ حیات کھمڑا کر انہیں غضناک کر دیا تھا۔ یہ حقیقت کیا تھی؟ حضرت عثمانؓ کی کنبہ پروری اور حضرات ابو موسیٰؓ اور حذیفہؓ جیسے عالی قدر اشخاص کی نامداری۔ رادیوں کا بیان ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے یہ خط پڑھا تو کہا۔ اے خدا میں توبہ کرتا ہوں۔ اور اس کے بعد حضرات ابو موسیٰؓ اور حذیفہؓ رضی اللہ عنہما کو لکھا۔ تم دونوں کو اہل کوفہ کی خوشنودی اور ہمارا اعتماد حاصل ہے۔ لہذا آپ دونوں حضرات دہاں کی عنان حکومت سنبھال لیں۔ خدا ہمیں اور آپ کو بخشے۔ مزید برآں حضرت عثمانؓ کو عتبہ بن نوفل کا یہ شعر بھی پہنچا تھا۔

تَصَدَّقْ عَلَيْنَا يَا ابْنَ عَمَّانَ وَاحْتَسِبْ

وَأَمْرُ عَلَيْنَا أَوْ شِعْرِي لَيْسَ لِيَا

اے عثمان بن عفان! ہمیں خیرات دیجئے اور محض وجہ اللہ صرف چند روز کے لئے ہی ابو موسیٰؓ شعری کو ہمارا والی مقرر کر دیجئے۔ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے یہ شعر سن کر فرمایا۔ ضرور چند روز کے لئے ہی نہیں بلکہ ہمیںوں کے لئے اگر میں زندہ رہا تو۔

منہ اتاب الاشراف از بلاذری مسموعہ مطبوعہ قدس۔



# سیرہوائیات

## عبداللہ بن سبا

### عبداللہ بن سبا کا قصہ

اس ضمن میں ایک مشہور قصہ کا ذکر ضرور

راویوں نے بہت اہمیت دی ہے اور خوب بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے۔ یہاں تک کہ بہت سے قدیم و جدید مؤرخین نے اس قصہ کو حضرت عثمانؓ کے خلاف رد نما ہونے والی بغاوت کا سرچشمہ قرار دے لیا ہے جو مسلمانوں میں ایک ایسے افتراق کا باعث ہوئی کہ تا حال مت نہیں سکا۔ یہ قصہ عبداللہ بن سباؓ کا ہے جو عربی دنیا میں اسودا کے نام سے مشہور ہے۔

راویوں کا بیان ہے کہ عبداللہ بن سباؓ کے یہودیوں میں سے تھا اس کی ماں حبش تھی۔ اس نے حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں اسلام قبول



اور پھر شہر بہ شہر گھوم گھوم کر خلیفہ کے خلاف سازشوں کا حبال پھیلائے اور لوگوں کو براہِ انگیزہ و آمادہ بغاوت کرنے میں مصروف ہو گیا۔ نیز وہ لوگوں میں ایسے انوکھے نظریات اور غیر اسلامی افکار کی اشاعت کرنے لگا جن کے باعث دین و سیاست کے بارے میں لوگوں کے خیالات پراگندہ ہو کر رہ گئے۔ کہتے ہیں کہ وہ بصرہ گیا لیکن ابھی وہاں زیادہ ٹھہرنے نہ پایا تھا کہ عبداللہ بن عامر کو اس کی اطلاع دیدی گئی، چنانچہ ابن عامر نے اسے بصرہ سے نکال باہر کیا۔ پھر وہ شام گیا۔ وہاں حضرت ابوذرؓ سے ملا۔ اور ان کے سامنے امیر معاویہؓ کو مالِ مسلمین کو مالِ حرام کہنے پر برا بھلا کہا، ازاں بعد اس نے حضرت عبادہ بن الصامتؓ سے ملاقات کی اور ان سے بھی ایسی ہی باتیں کرنا چاہیں۔ جیسی وہ حضرت ابوذرؓ سے کر چکا تھا۔ مگر حضرت عبادہؓ اسے بکڑ کر امیر معاویہؓ کے پاس لے گئے اور انہیں بتایا کہ اس شخص کی موجودگی شام کے لئے خطرہ ہے۔ چنانچہ امیر معاویہؓ نے اسے شام بدر کر دیا۔ شام سے نکل کر اس نے مصر کی راہ لی۔ مصر میں اسے اپنی سازش مکاری اور بدعت کی نشوونما کے لئے بڑی شاداب و درخیز زمین میسر آگئی۔ وہ اس بات کا پرچار کیا کرتا تھا کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے مقابلے میں رسولِ خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں دوبارہ آنے کے زیادہ مستحق ہیں اور سند میں یہ آیتیں پیش کیا کرتا تھا۔

إِنَّ الْبَايَ ثُمَّ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ كَرِأْدُكَ

إِلَى مَعَادٍ (۱۱۱)

بیشک جس مذہب نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے وہی آپ کو آپ کے تمام  
عمود کی طرف بھی لوٹائے گا۔

یہ آیت سفرِ ہجرت کے دوران میں اُتری تھی لہذا بعض مفسرین یہ مفہوم لیتے  
ہیں کہ اس سے مکہ کی جانب منع مذاذہ مراجعت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے

وہ یہ بھی کہا کرتا تھا کہ ہر نبی کا ایک وحی رحس کو وحشیں کی جائیں اور ہدایات  
دی جائیں (ہوتا ہے) چنانچہ نبی اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی حضرت  
علیؑ ہیں اور حضرت علیؑ اسی طرح خاتم الاولیاء ہیں جس طرح محمد خاتم الانبیاء  
ہیں۔ ان روایات کے پیش نظر سب لوگ بلادِ اسلامیہ کے خلافت عثمانی میں  
روٹا ہونے والے تمام فسادات و اختلافات کو ابنِ السودا ہی سے منسوب  
کرتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ اس نے اپنی سازش کا نہایت مستحکم پروگرام  
تیار کیا۔ پھر اس کے مطابق اس نے بڑے بڑے شہروں میں خفیہ جاعیں  
قائم کیں جو پوشیدہ طور پر سرگرم رہتی تھیں اور اپنے مقاصد کے تحت لوگوں کو فتنہ  
و جدال کی طرف دعوت دیتی رہتی تھیں۔ اور پھر وہی موافق حالات پیش آئے۔ یہ جاعیں  
خلیفہ کے خلاف اٹھ گئیں اور اسی کے نتیجے میں بغاوت، محاصرہ اور قتلِ امام تک نبوت  
پہنچی۔

میرا خیال ہے کہ جو لوگ ابنِ سبام کے معاملہ کو اس حد تک اہمیت دیتے ہیں

وہ نہ صرف اپنے آپ پر بلکہ تاریخ پر بھی شدید ظلم کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی غور طلب چیز یہ ہے کہ ان تمام اہم ماخذ میں جو حضرت عثمانؓ کے خلاف رونما ہونے والی شورش پر روشنی ڈالتے ہیں ہمیں ابن مبارک کا ذکر ہی نہیں ملتا۔ مثلاً ابن سعد نے جہاں خلافت عثمانؓ اور ان کے خلاف بغاوت کا حال رقم کیا ہے وہاں ابن مبارک کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ اسی طرح بلاذری نے بھی "انساب الاشراف" میں اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ حالانکہ میرے خیال میں حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کے واقعات معلوم کرنے کے لئے "انساب الاشراف" اہم ترین ماخذ ہے اور اس قصہ کی سب سے زیادہ تفصیل اسی کتاب میں ملتی ہے۔۔۔۔۔ ابن مبارک کی یہ داستان طبری نے سیف بن عمر کی روایت سے بیان کی ہے۔ اور معلوم ہی ہوتا ہے کہ مابعد کے جلد مؤرخین نے اس روایت کی طبری ہی سے لیا ہے۔ معلوم نہیں کہ ابن مبارک کو عہد عثمانؓ میں کوئی وقت حاصل ہوئی تھی یا نہیں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر اس کی کچھ وقعت ہوتی بھی تو وہ چنناں معنی نہ رکھتی تھی حضرت عثمانؓ کے عہد کے مسلمان ایسے گئے گزرتے تھے کہ اہل کتاب ہیں ایک نو مسلم جو عہد عثمانؓ ہی میں اسلام لایا ہو یہ مقام حاصل کر لے کہ ان کی عقل و فکر اور حکومت تک سے مذاق کرنے لگے۔ وہ بھی اس طرح کہ ادھر اسلام لائے ادھر فتنہ و فساد پھیلانا شروع کر دے حتیٰ کہ اپنی سلاشوں کو تمام سلطنت میں نشر کر دے اگر اس نو مسلم کو جو محض مسلمانوں میں شراپیزی کی خاطر اسلام لایا تھا عبد اللہ بن ماکہ نے یا امیر معاویہؓ نے پکڑا ہوتا تو اس کے خلاف دونوں میں سے کسی ایک نے یا دونوں



نے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں ضرور تحریر کیا ہوتا ورنہ دونوں یا دونوں میں سے کوئی ایک ضرور اس کی سخت گرفت کرتا، اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے ہاتھ لگ جاتا تو وہ اسے سزا دیے بغیر نہ رہتے وہ سزا جو حضرت عثمانؓ کے خوف سے وہ محمد بن ابی حذیفہ اور محمد بن ابی بکر کو نہ دے سکے تھے۔ بھلا وہ شخص جو حضرت عثمانؓ سے محمد بن ابی حذیفہ اور محمد بن ابی بکر اور بعض روایات کے مطابق عمار بن یاسر کو سزا دینے کی

اجازت کا طلبگار ہو کیسے ممکن ہے کہ وہ اہل کتاب میں سے ایک ایسے آدمی کو سزا دیے بغیر رہ جاتا جس کے نزدیک اسلام محض مسلمانوں کے مابین آتش افروز کوہِ واؤنیے کا ایک ذریعہ تھا جو مسلمانوں کی نگاہوں میں ان کے امام بلکہ سارے دین ہی کو مشتبہ بنا رہا تھا۔ اور پھر ظاہر ہے کہ دالیان مملکت کے لئے اس تو مسلم کے تعاقب گرفتاری اور تعزیر سے زیادہ آسان بات کوئی نہ تھی حالانکہ وہ مخالفین کا تعاقب کرنے کے انھیں گرفتار کرنے یا جلا وطن کر کے انھیں امیر معاویہؓ یا عبدالرحمن بن خالد بن ولید کے پاس بھیج دینے میں کافی مہارت رکھتے تھے۔

عبداللہ بن سبار کے اس قصہ میں **مسلمک بوذری اور عبداللہ بن سبار** جو سب سے زیادہ حیرت انگیز چیز

ہے وہ یہ ہے کہ اس نے حضرت ابوذرؓ کو امیر معاویہؓ کے اس قول پر کہ بیت المال خدا کا مال ہے اعتراض و تنقید کرنے کی تلقین کی۔ اور انھیں یہ سمجھایا کہ صحیح بات یہ ہے کہ امیر معاویہؓ کو یہ مال مسلمانوں کا مال کہنا چاہیے۔ اسی تلقین کی روایت

باعث یہاں تک کہا جانے لگا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا امر ارداعنیار پر تنقید کرنے کا جو طریقہ تھا اور زروسیم کے ذخیرہ کنندگان کو وہ جو عذاب الیم کی بشارت دیتے تھے کہ ان کی پیشانیاں۔ پیلہ اور پشتیں آگ سے داغی جائیں گی تو انھیں یہ سارا مسلک ابن سبار ہی نے پڑھایا تھا، میرا خیال ہے کہ اس سے بڑی زیادتی اور کج فہمی کی مثال ملنی دشوار ہے۔ حضرت ابوذرؓ ہرگز اس امر کے محتاج نہ تھے کہ ایک نووارد انھیں یہ پڑھائے کہ تقرار کے اغنیار پر بیت سے حقوق نہیں اور انھیں یہ بھی سمجھائے کہ زروسیم جمع کر کے راہ خدا میں خرچ نہ کرنے والوں کیلئے عذاب الیم کی بشارت ہے نیز انھیں یہ بات بھی بتلائے کہ غنیمت زکوٰۃ یا خراج کا مال جو مسلمان بیت المال میں داخل کرتے ہیں یا ذی بطور جزئیہ یا حشر ج بیت المال کی نذر کرتے وہ مال مسکین ہے لہذا واجب ہے کہ وہ مال اپنے میں بھی مسکین ہی سے منسوب کیا جائے اور عملاً بھی انہی پر خرچ کیا جائے۔

انصر بن ابوذرؓ اس سے بالاتر تھے کہ ابن سبار انھیں اسلام کے اولین حقائق و مبادیات کا درس دیتا۔ حالانکہ حضرت ابوذرؓ تمام انصار اور بیت سے ہاجرین سے قبل اسلام لائے تھے۔ وہ حضرت اکرمؐ کی محبت میں تادیر رہے تھے۔ انھوں نے بطریق احسن قرآن مجید حفظ کیا تھا وہ سنت پر سختی سے کاربند رہے تھے۔ انھوں نے اموال و ثلث سے متعلق مسلک نبویؐ اور سیرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو ہمیشہ خود دیکھا تھا۔ وہ اصول حرام و حلال سے اس طرح آگاہ تھے جس طرح دوسرے اصحابؓ رسولؐ آگاہ تھے اور



ان پر بطرز حسن عمل پیرا بھی تھے۔  
 ہر حال جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ابن سبار نے ابوذرؓ سے ملکر اور انھیں اپنے  
 بعض خیالات کی تعلیم دی وہ اپنے آپ بھی ظلم کرتے ہیں اور حضرت ابوذرؓ پر بھی۔  
 ساتھ ہی وہ ابن سبار کو ایسا بلند مقام بخش رہے ہیں جس تک پہنچنے کا اسے  
 خیال بھی نہ آیا ہوگا۔ حالانکہ یہ وہی ابوذرؓ ہیں جن کے متعلق راویوں کا بیان ہے کہ ایک  
 روز شام سے مدینہ شریف واپس آنے کے بعد وہ حضرت عثمانؓ کے دربار میں کہہ رہے  
 تھے زکوٰۃ دینے والے کو یہ نہیں چاہیئے کہ وہ اپنے ذمہ واجب الادا زکوٰۃ ادا کر کے  
 بس کر دے اس کا فرصت ہے کہ سائلوں کو دے بھوکوں کو کھانا کھلاے۔ اور اپنا  
 مال راہ خدا میں خرچ کرتا رہے کعب الاحبارؓ اس گفتگو کے وقت موجود تھے۔ انھوں  
 نے کہا "جس نے اپنا فریضہ ادا کر دیا اس کے لئے اتنا ہی کافی ہے" اس پر حضرت  
 ابوذرؓ کو غصہ آگیا اور کعب الاحبارؓ سے کہا۔ "اے یہودی بچے! تمہیں اس  
 معاملہ میں دخل اندازی کرنے کی کیا مجال ہے؟ کیا تم ہمیں ہمارا دین سکھانے  
 ہوا۔ اور ساتھ ہی انھیں اپنی ٹکڑی کی نوک بھی چھوئی۔ غرض اس  
 وہ شخص میں جو کعب الاحبارؓ تک کو دین سکھانے کی اجازت نہیں دیتے نہ وہ  
 امور مسلمین میں اظہار رائے کی حد تک دخل انداز ہونے دیتے حالانکہ کعب الاحبارؓ  
 ابن سبار سے بہت پہلے اسلام لائے تھے اور وہ مدینہ کے پُر دس میں رہ رہے  
 تھے جہاں سے صبح و شام اصحابِ رسولؐ کے پاس آتے رہتے تھے۔ مزید یہ کہ



وہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے رہتے تھے۔ انہیں حالات  
 یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ابوذرؓ عبد اللہ بن سبار سے اسلام کے بنیادی اصول اور احکام  
 قرآنی میں سے کسی حکم کا سبق لینا گوارا کر لیتے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے  
 صحابی کے لئے یہ کس قدر مقام تعجب ہے کہ وہ ایک صاحب رسولؐ کو کعبہ کو  
 تو دین پر بحث بھی نہ کرنے دے اور پھر وہی دین عبد اللہ بن سبار سے سیکھے۔  
 عبد اللہ بن سبار کے متعلق جو روایات ہیں انہیں درست بھی مان لیا  
 جائے تب بھی گمان غالب یہی ہے کہ اس کی تعلیم و تبلیغ اور دعوت فتنہ کے  
 پروانہ ہونے اور مخالفت و بغاوت کی آگ بھڑکنے کے بعد شروع ہوئی ہے  
 لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس نے فتنہ سے ناجائز فائدہ اٹھایا لیکن یہ غلط  
 ہے کہ وہ اس فتنہ کو برا نیچھتہ کرنے والا ہے، اس طرح گمان اغلب ہے کہ  
 شیعہ دشمن عناصر نے عہد امتیہ و عباسیہ میں عبد اللہ بن سبار کے معاملہ  
 کو اس لئے مبالغہ کارنگ دیدیا کہ ایک طرف تو کچھ ایسے واقعات جو حضرت  
 عثمانؓ اور ان کے دایوں سے منسوب ہیں وہ مشکوک ہو جائیں اور دوسری طرف  
 حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں پر زد پڑے اور یہ ظاہر کیا جائے کہ شیعہ ایک  
 یہودی کے جھلنے میں آئے ہوئے تھے جو محض علم دشمنی کی خاطر اسلام لایا تھا  
 ظاہر ہے کہ مخالفین شیعہ نے شیعہ پر اور جو اباشیعہ نے اپنے مخالفین پر جو  
 اتہام و الزام عائد کئے ہیں وہ عدد حساب سے باہر ہیں۔ اس طرح وہ اتہامات

بھی بہت زیادہ ہیں جو شیعہ حضرت عثمانؓ اور دیگر حضرات کے بارے میں ایسے مخالفین پر عائد کرتے ہیں۔ اس لئے ہیں ان تمام حالات کا جائزہ نہایت تدبیر اور احتیاط سے لینا چاہیئے۔ ہمیں صدر اسلام کے مسلمانوں کو اس سے بالاتر چاہیئے کہ ان کے دین و سیاست اور عقل و حکومت کو ایک ایسا شخص کھلوانے بنائے جو منعمار کا ہو، جس کا باپ یہودی اور ماں حبش ہو، اور جو خود بھی یہودی ہو، جسے اسلام لائے ابھی زیادہ دن نہ گزرے ہوں۔ مزید برآں یہ کہ اس اسلام بھی بر غبت یا بخوف قبول نہ کیا ہو بلکہ محض مکرمہ سازش اور فریب دہی کی خاطر یہ روپ دھارا ہو۔ پھر اسے حسب درخواست کامیابی ہو گئی۔ چنانچہ اس مسلمانوں کو ان کے امام کے خلاف شورش بپا کرنے پر تیار کر لیا یہاں تک کہ انہیں خلیفہ کو تہ تیغ کر ڈالا۔ علاوہ ازیں اس نے مسلمانوں کو اس واقعہ سے قبل بعد منتشر کر کے فرقہ فرقہ اور گروہ گروہ کر دیا۔

یہ تمام باتیں ایسی ہیں جو عقل کی کسوٹی پر ثابت نہیں ہوتیں نہ تنقید کی تاب لاسکتی ہیں، لہذا ان باتوں پر تاریخی امور کی بنیاد استوار کرنا درست نہیں، دراصل واضح بات جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں یہ ہے کہ اس دور کی اسلامی زندگی کے حالات طبعی طور پر اختلاف آراء، افتراق اور گونا گوں سیاسی مذاہب کے ظہور کی طرف مائل تھے۔ ایک طرف تو وہ تھے جو قرآن و سنن نبویؐ اور سیرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے وابستہ

اور وہ ایسے نئے امور وقوع پذیر ہوتے دیکھ رہے تھے جن سے ان کا سابقہ نہیں  
پڑا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ ان حالات کا اس طرح حزم و احتیاط۔ قوت و شدت۔  
بیغرمی اور خوش انتظامی کے ساتھ مقابلہ کیا جائے۔ جس طرح حضرت عمرؓ کیا کرتے  
تھے۔ دوسری طرف قریش اور دوسرے عرب قبائل کے نوجوان تھے جو نئی صورت  
حال سے نئے جذبات کے ساتھ دوچار ہو رہے تھے ایسے جذبات جن میں طمع، ہراس  
عالمیہ کا حصول، خود غرمنی و خود پرستی۔ خوش رنگ امیدیں، کسی حد پر نہ ٹھہرنے والی  
خواہشیں، غلیظ تھیں۔ ان سب باتوں کی وجہ سے ان جذبات میں رشک و رقابت  
اور ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی تمنا بھی شامل تھی۔ یہ باہمی مفتابہ محض  
بلند مناصب کے حصول ہی کے لئے نہ تھا بلکہ ماحول کی ہر شے کو حاصل کرنے کے  
لئے موجود تھا۔ یہ نئی صورت حال فی نفسہ اس قابل تھی کہ برناؤ پیر کو اس دھڑے  
پر لگا دے جس کی جانب وہ چل پڑے تھے، ذرا غور کیجئے کہ وسیع علاقے  
فتح ہو رہے تھے۔ ان علاقوں سے بے حساب دولت خراج کی شکل میں ان کے  
پاس وصول ہو کر پہنچ رہی تھی، اس صورت حال کے پیش نظر اگر ان علاقوں میں  
نظم حکومت چلائے اور اس طرح شدہ مال سے مستفید ہونے کی غرض سے لوگ  
باہم رشک و رقابت کے جذبات میں مبتلا تھے تو اس میں تعجب کی کوئی بات  
ہے؟ پھر دوسری طرف۔ مالک بھی تھے جو ابھی فتح نہیں ہوئے تھے۔ اور  
صورت حال اس امر کا تقاضا کر رہی تھی کہ مسلمان انہیں بھی دوسرے علاقوں



کی طرح زیر نگین کر لیں۔ تو پھر وہ لوگ فتح کے منہن میں کیوں ایک دوسرے سے سبقت نہ لے جانے کی کوشش نہ کرتے؟ ان میں سے جو لوگ طالب و نیل تھے وہ کیوں فاختہ کی مجد و عزت اور مال غنیمت کے بدلے میں رقیبانہ رویہ اختیار نہ کرتے؟ جو طالب آخرت تھے وہ کیوں اجر و ثواب آخرت کے طلبگار نہ ہوتے؟ لہذا اگر طامع و بلند نگاہ نوجوانان قریش ان راہوں سے داخل ہو کر جوان کے سامنے کھلی کھنیں، عظمت، تسلط، اور ثروت حاصل کرنا چاہتے تھے تو یہ کوئی ایچھے کی بات تھی۔ اسی طرح اگر انصار اور دوسرے عرب قبائل کے نوجوانوں میں مقابلہ و مسابقت کی روح بیدار ہو رہی تھی تو اس میں کوئی انوکھی بات نہیں اور پھر جب یہ دیکھ کر کہ خلیفہ اسلام ان کے اس مذہبِ مسابقت میں حامل ہو رہے ہیں یا وہ اہم معاملات میں قریش کو اداس سے زیادہ عظیم الٰہیت، امور میں بنی امیہ کو ترجیح دے رہے ہیں ان کے دلوں میں دردِ محرومی اور غیرت و غصہ کی آگ بھڑکے تو اس میں کوئی عجب ہے۔

بلاشبہ حضرت عثمانؓ نے حضرت سعد کو کوث کی حکومت سے معزول کر کے ان کی جگہ ولید اور سعید کو والی مقرر کیا۔ ابوموسیٰؓ کو بصرہ سے معزول کر کے بنی عامر کو ان کا جانشین مقرر کیا۔ تمام ملک شام متحد کر کے امیر معاویہؓ کے زیرِ کر کے ان کے تسلط کی حتی الاسکان توسیع کی حالانکہ قبل ازیں شام کسی صوبہ میں منقسم تھا اور اس کی حکومت میں قریش کے ساتھ دوسرے عرب قبائل کی

شریک تھے۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ نے مصر سے عمر دین العاصؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کا تقرر کیا۔ اور یہ سب والی حضرت عثمانؓ کے اقربائیں سے تھے۔ کوئی ماں کی طرف سے بھائی تھے اور کوئی رضاعی بھائی۔ کوئی باپ تھے اور کوئی بنو عبد شمس سے نسبت قریب رکھنے کی وجہ سے ان کے ہم نسب تھے۔ یہ سب وہ حقائق ہیں جن سے مجال انکار نہیں ہے۔ یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے جن لوگوں کو مقرر یا معزول کیا تھا ابن سبار کے ایما سے نہیں کیا تھا۔ سب سے بات ہے کہ جب بھی شاہوں، قیصروں، والیوں اور امراء نے امور حکومت میں اپنے اقرباء کو ترجیح دی ہے لوگوں نے اسے ہمیشہ ناپسند کیا ہے اس اعتبار سے حضرت عثمانؓ کی مسلم رعایا نے عامۃ الناس سے ہٹ کر کوئی انوکھی بات نہ کی تھی۔ چنانچہ انہوں نے بھی ہر زمانہ کے عام انسانوں کی طرح بعض معاملات کو ناپسند کیا اور بعض کو تسلیم کر لیا۔

آخر میں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ حقیقتاً ایک اہم سوال اور اس کا جواب حضرت عثمانؓ کو جس مخالفانہ رجحان سے

دچار ہونا پڑا تھا اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور آشتیانہ تھا۔ یہ مخالفت مرکز سے دوسرے علاقوں میں ہو رہی تھی جس کے متعلق پچھلے صفحات میں ہم تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں اسی طرح یہ مخالفت خود مدینہ میں بھی ہو رہی تھی یعنی مرکز میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قریب، جسے اب تک ہم نے نہیں بتایا ہے، اب ملک کے



اہم صوبوں کی سیر کرانے اور حالات کا جائزہ لے چکنے کے بعد آئندہ صفحات میں ہم مرکزی حالات کا جائزہ لیں گے۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے جس کا جواب ہمیں پوری کوشش سے دینا چاہیے اور وہ سوال یہ ہے کہ سیاست عثمانی کی مخالفت شروع کس مقام سے ہوئی؟ کیا اس کی ابتداء دار الخلافہ مدینہ میں ہوئی یا صوبہ دار الحکومتوں میں؟ بالفاظ دقیق تریوں کہا جاسکتا ہے کہ "آیا اس مخالفت کی ابتداء ہاجرو انصار صحابہ رسول کی طرف سے ہوئی اور وہاں سے دیگر شہروں میں منتقل ہو کر کی طرف منتقل ہوئی یا عساکر میں شروع ہو کر یہ مخالفت مدینہ شریف تک پہنچی؟

یہ بخوبی عیاں ہے کہ اس سوال کا جواب دینا بڑا خطرہ مول لینا ہے۔ کیونکہ اگر اس مخالفت کی ابتداء مدینہ میں بتائی جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلے اصحاب رسولؐ نے سیاست عثمانی کے بعض پہلوؤں پر اظہارِ ناپسندیدگی کیا۔ اور پھر دوسروں نے ان کا اتباع کیا پھر اس اتباع میں کسی کارویہ معتدل نہ تھا اور کسی کا شدید۔ اور اگر یہ مخالفت صوبائی شہروں میں شروع ہوئی تھی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس ضمن میں عساکر نے سبقت کی اور پھر اس میں اور اس کے عواقب میں اصحاب رسولؐ بھی شریک ہو گئے دراں حالیکہ ان میں سے بعض اس شرکت سے خوش تھے اور بعض ناخوش۔ ہم اس سوال کے جواب میں درمیانی راہ اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اس مخالفت کی



صرف مدینہ ہی میں نہیں ہوتی بلکہ مدینہ کے ساتھ ساتھ باقی مملکت میں بھی ہوتی ہیں  
 لیکن ہے کہ اس کی طرح مدینہ ہی میں پٹری ہو اور پھر یہاں سے اطراف سلطنت  
 کی ان سرحدوں تک پھیل گئی ہو جہاں مسلمان دشمنوں کے خلاف صف آرا تھے۔  
 اگر یہ بات صحیح ہے۔ اور اس کے غلط ہونے کی کوئی وجہ بھی نہیں۔ تو یہ اس امر  
 کی دلیل ہے کہ یہ مخالفت قطع نظر اس سے کہ اس کی ابتدا مدینہ میں ہوئی یا مفتوحہ  
 ملا قوں میں، یہ ایک طبعی اور لازمی شکل تھی جو اولاً تو اس دور کی اجتماعی زندگی  
 کے حالات اور ثانیا سیاسی زندگی کے حالات سے پیدا ہوئی تھی۔ اور سب سے  
 خرمیں۔۔۔ نئے نئے پیدا ہونے والے تمدنی حالات اور ایک ترقی پذیر تمدن کے  
 طبعی تقاضے تھے جن کو اپنانے اور جن کا حل تلاش کرنے کے لئے مسلمان مجبور  
 تھے کہ وہ انہیں دینی حقائق و اصول سے ہم آہنگ کریں، حضرت عثمان رضی اللہ  
 عنہ یا کسی دوسرے کی یہ طاقت نہ تھی کہ وہ زندگی کے طبعی تقاضوں سے مقابلہ  
 کر سکتے یا ان حالات کو دبا دیتے۔ یہ ناممکن تھا کہ اس قدر عظیم الشان اقتدار  
 جو مسلمانوں کو حاصل تھا وہ حاصل ہو جائے اور اس میں کوئی حکومت اور اس  
 کی مخالفت طاقت پیدا نہ ہو اور پھر اس مخالفت طاقت اور حکومت میں ٹکراؤ نہ ہو  
 یہ ناگزیر امر آخر اس تصادم کی صورت میں رونما ہوا جس میں مبتلا ہو کر مسلمان  
 بھی اسی راہ پر گامزن ہو گئے جس پر ان سے قبل اور بعد کی قومیں گامزن رہیں  
 کیونکہ اس وقت تک سیاسی اور اجتماعی نظام کی ترقی کا سلسلہ مکمل نہیں ہوا

مقام۔ اور وہ تمام بھی تشنہ تکمیل ہے۔ ہذا وہ لوگ جو دور حاضر میں نظام  
سیاسی و اجتماعی کی کشمکش کا تماشا دیکھ رہے ہیں انہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ پہلی  
صدی ہجری یعنی ساتویں صدی عیسوی کی اس کشمکش کو بہ نظر حیرت دیکھیں جو عہد  
عثمانی میں نظام سیاسی و اجتماعی کے مسائل کی وجہ سے برپا تھی۔  
اسلامی مفتوحہ علاقوں کی اس طویل سیاحت کے بعد اب ہم مرکز یعنی مدینہ  
شریف واپس آتے ہیں اور کچھ عرصہ یہاں حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھیوں کے  
درمیان ٹھہر کر یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کا طرز عمل اپنے زقار کے ساتھ کیسا  
ہے، اور ان لوگوں کی حضرت عثمانؓ کے متعلق کیا رائے ہے۔

# پتو دھواں باب

## حضرت عثمانؓ کے ساتھ مرکزین

ت حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سب سے پہلے ہم حضرت عثمانؓ اور ان پانچ  
 حضرات کے باہمی روابط معلوم کرتے ہیں جنہوں  
 نے ان کو خلیفہ منتخب کر کے سب سے پہلے ان کی بیعت کی تھی اور جو حضرت عمرؓ  
 کی ہدایت کے مطابق شوریٰ میں حضرت عثمانؓ کے شریک کار تھے۔ یہ سب کے  
 سب اولین اسلام لانے والوں یعنی السابقون الاولون میں شمار ہوتے  
 تھے۔ ان سب نے راہ خدا میں مردانہ وارتکالیف کا سامنا کیا اور لڑائیوں میں  
 کاربائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ رسول خداؐ ان سب سے تاویم آخریں راضی  
 رہے۔ یہ سب حضرات عشرہ مبشرہ میں سے تھے جن کے جنتی ہونے کی آنحضرت  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی تھی۔ پھر قریش سے درشتہ داری، آنحضرت



صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت، لوگوں میں ان کے مدارج و مراتب اور دنیاوی حالات کے اعتبار سے ان کے درجات مختلف ہیں۔ حضرت عمرؓ عموماً الناس اور خود ان پانچوں کی اپنی رائے کے مطابق حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو ان افراد میں اولیت حاصل تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ مکرمہ کی جانب سے حضرت عبدالرحمنؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار تھے۔ کیونکہ حضرت آمنہ بنت وہب کی طرح یہ بھی نبی زہرہ سے تھے۔ جاہلیت میں ان کا نام عبد عمرو یا عبد الکعبہ تھا۔ آنحضرتؐ نے ان کا نام عبدالرحمن رکھا تھا۔ عہد جاہلیت میں وہ بڑے ماہر اور خوش حال تاجر تھے۔ سلام لانے کے بعد بھی ان کی تجارت کا یہی عالم رہا۔ وہ دولت پیدا کرنے کے بہتر طریق جانتے اور مال کے اچھے منتظم تھے۔ مال کو نفع کے کاموں میں لگانے اور اسے امور خیر میں صرف کرنے کے بھی ماہر تھے۔ جب وہ ہجرت کر کے مدینہ شریف میں پہنچے تو سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ کے یہاں اترے۔ حضرت سعدؓ نے ان سے کہا "میں اہل مدینہ میں سب سے مالدار ہوں۔ میرے مال کا نصف حصہ آپ انتخاب کر لیں، میری دو بیویاں ہیں آپ انھیں دیکھ لیں جو آپ کو پسند ہوگی میں اسے آپ کے لئے طلاق دیدوں گا۔ حضرت عبدالرحمنؓ نے جواب دیا۔ "خدا آپ کو بہت دے۔ مجھے تو آپ صبح اپنے شہر کی منڈی بتا دیجئے گا اور بس۔" صبح کو حضرت عبدالرحمنؓ بازار گئے۔ خرید و فروخت کر کے کچھ کمایا۔ اور مکھن پشیر لئے شام

لوٹ آئے۔ مدینہ میں کچھ مدت قیام کر چکنے کے بعد ایک روز زعفرانی لباس زیب تن کئے رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اس پوشش کا سبب پوچھا۔ عرض کیا "میں نے شادی کر لی ہے" آپ نے فرمایا: "بہر کیا دیا۔ عرض کیا کھجور کی گٹھلی کے ہوزن سونا" اس پر آپ نے فرمایا "تو پھر ولیمہ کیجئے خواہ وہ ایک بکری ہی کا کیوں نہ ہو" حضرت عبدالرحمنؓ کہا کرتے تھے: میں اپنے بارے میں یہ جانتا ہوں کہ اگر مٹی کو ہاتھ لگاتا ہوں تو سونابن جاتی ہے۔ "مطلب یہ کہ وہ حصول زر کی کوشش میں بڑے صاحب توفیق تھے اور اس کی جستجو میں بڑے صاحب نظر واقع ہوئے تھے۔ مدینہ میں ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ان کا شمار انبیاء میں ہونے لگا۔ ان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہم پہلے نقل کر چکے ہیں

لَا تَكْ غَنِيٌّ وَمَا أَمَّاكَ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا نَاحِفًا  
كَأَقْرَبِ مَنْ أَمَّنَا حَسَنًا يُطْلِقُ لَكَ قَدْ مَيِّكَ  
تم غنی ہو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم جنت میں بڑے بوجھل قدموں کے ساتھ داخل ہو رہے ہو۔ خدا کی راہ میں بطریق حسن خرچ کرو تا کہ تمہارے قدم سبک ہو جائیں۔

اسی طرح ہم وہ حدیث بھی جو حضرت عائشہؓ کے بارے میں بیان کی جاتی ہے قبل ازیں نقل کر چکے ہیں۔ کہ کس طرح انہیں (حضرت عائشہؓ کو) یہ اطلاع

دی گئی کہ حضرت عبدالرحمنؓ کا تجارتی قافلہ آیا تھا جو انہوں نے سارے کا سارا سود  
ساز و سامان صدقہ میں دے ڈالا۔ ہم یہ بھی قیل انیں بتا چکے ہیں کہ عبدالرحمنؓ نے  
میش بیاتر کہ چھوڑا تھا جس میں ایک ہزار اونٹ۔ تین ہزار بھیریں بکریاں۔ ایک سو گھوڑے  
اور اتنی زمین بھی شامل تھی۔ جسے میں اونٹ سیراب کرتے تھے۔ ان کی چار بیویوں میں  
سے ہر ایک بیوی کا حصہ جو ترکہ کے ثمن دیا، کا چوتھائی تھا اسی ہزار اور لاکھ کے درمیان  
بنام تھا۔ ان تفصیل سے اگر کسی چیز کی عکاسی ہوتی ہے تو وہ یہی ہے کہ ان کے  
پاس بے شمار دولت تھی جو مسلسل خیرات و صدقات، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازاد  
مطہرات کی خدمت، اپنے خاندان بنی زہرہ کے اقربا کے ساتھ سلوک، نیرعامتہ  
المسلمین کی دیکھ بھال کے باوجود کم نہ ہوتی تھی بلکہ بڑھتی ہی رہتی تھی۔  
یہاں ہمہ حضرت عبدالرحمنؓ دولت کے معاملہ میں انتہا پسند نہ تھے۔ وہ دولت  
کی افزائش کا اہتمام و انتظام کرتے اس کی نگرانی اور پورا پورا خیال رکھتے لیکن  
سب کچھ بطرز احسن ہوتا تھا۔ ابن سعد نے حضرت عمرؓ کے حالات زندگی میں بالآخر  
بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کو کچھ رقم کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ انہوں نے حضرت  
عبدالرحمنؓ کے پاس آدمی بھیجا کہ وہ انہیں یہ رقم قرض دے دیں۔ لیکن حضرت  
عبدالرحمنؓ نے قاصد سے کہا، "ان سے کہو کہ بیت المال سے قرض لے لیں۔"  
اس کے بعد جب حضرت عمرؓ کی ان سے ملاقات ہوئی تو حضرت عمرؓ نے اس سے  
ستم ظریفی پر ملامت کی اور کہا، "میں نے چاہا تھا کہ بیت المال سے قرض لے لوں۔"



پھر خیال آیا کہ اگر میں بیت المال کا قرض ادا کئے بغیر مر گیا تو آپ لوگ کہیں گے کہ اس قرضہ کو عمر اور آل عمر کی خاطر معاف کر دیا جائے۔

حضرت عبدالرحمنؓ خود آزاد نہ تھے۔ خدا نے زندگی کی جن نعمتوں کو مسلمانوں کے لئے مباح کیا تھا وہ ان سے پوری طرح متمتع ہوتے تھے۔ دین کا حق بھی بطریق احسن ادا کرتے تھے۔ مگر آخر وہ قریشی تھے اور زندگی اسی انداز سے بسر کرتے تھے جو قریش کو پسند تھا۔ وہ زہد پر کاربند نہ تھے۔ نہ خشک زندگی کے قائل تھے۔ ایک بار انہیں خاریش کی شکایت ہوئی تو انہوں نے نبی اکرمؐ سے ریشمی لباس پہننے کی اجازت چاہی۔ آپؐ نے اعطائت عطا فرمادی۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمنؓ نے چاہا کہ ریشم کو اپنے اور اپنے لڑکوں کے لئے مباح کر لیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے انہیں اس سے روک دیا۔ اور جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں حضرت عمرؓ نے ریشمی ملبوس پہنا ڈالا تھا جو حضرت عبدالرحمنؓ نے اپنے ایک لڑکے کو پہنا رکھا تھا۔

حضرت عبدالرحمنؓ اپنے دوسرے معاصرین کی طرح کثیر الزواج اور کثیر الاولاد تھے۔ ابن سعد نے دس سے اوپر ان کی بیویوں کے نام گنائے ہیں، جو لونڈیوں کے علاوہ ہیں، جن میں سے ہر ایک سے لڑکے اور لڑکیاں ہوئیں۔ جب حضرت عبدالرحمنؓ فوت ہوئے تو اس وقت بقول بعض چار اور بقول بعض تین بیویاں بقیہ حیات تھیں حضرت عبدالرحمنؓ نے یہ تمام شادیاں ایک قبیلہ

یاد دین قبیلوں میں نہ کی تھیں بلکہ انھوں نے بہت سے قبائل کے ساتھ رشتہ قائم کیا تھا۔ مثلاً انھوں نے قبائل بنی اور قبائل ربیعہ میں سے کئی قبیلوں میں شادی کی تھیں، یہی باعث ہے کہ ان کے بیٹوں بیٹیوں میں سے بعض اپنا انھی قبائل میں بتاتے تھے اور بعض انصار میں۔ بعض اپنا انھی قبائل ان قبائل بنی میں شمار کرتے تھے جو بنی میں مقیم تھے اور بعض ان قبائل میں تہلتے تھے جو شام و عراق میں مقیم تھے۔ اسی طرح بعض مضر کی شاخ تیمم کی طرف اشارہ کرتے تھے اور بعض ربیعہ کی شاخ بکر اور تغلب کی جانب۔

بقول ابن سعد اگر ان جملہ عورتوں کے انساب پر فدا بھی نگاہ ڈالیں جو حضرت عبدالرحمنؓ نے شادیاں کی تھیں تو یہ بات پائے ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ حضرت عبدالرحمنؓ نے ان قبائل سے رشتے قائم کئے تھے جو سب سے قوی اور صاحب دبدبہ تھے۔ اس اعتبار سے اگر حضرت عمرؓ کے بعد وہی اولوالامر ہو جاتے تو وہ ان کے گرد سب عصیتوں کو جمع کر کے ان میں باہم علی قسم کی یکجہتی پیدا کر سکتے تھے۔ اور تھا کہ وہ ان میں سے ان قبائل کو ایک دوسرے سے نزدیک کر دیتے جن کے ساتھ شدید دوری حاصل تھی۔ نیز اگر وہ خلیفہ ہو جاتے تو اموال عامہ کا بھی اسی طرح بندہ کرتے جس طرح اپنے ذاتی اموال کا کرتے تھے۔ یہ بھی ضروری تھا کہ وہ اسے خوش تدبیری سے کام میں لاتے۔ اس کی افزائش کا اہتمام کرتے اور حقدار کے لئے اس میں سے کسی کو کچھ نہ دیتے۔ حضرت عمرؓ نے انھیں رکن شوریٰ مقرر کیا تھا۔

یہ کہہ کر انھیں دوسرے ارکان سے ممتاز کر دیا تھا کہ اگر تین ایک طرف ہوں اور تین دوسری طرف تو پھر جس فرق میں حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ ہوں اس کی رائے قبول کر لی جائے۔ مادی آرا کی صورت میں حضرت عبدالرحمنؓ کی رائے کو فائق قرار دے کر گویا حضرت عمرؓ نے انھیں مجلس شوریٰ میں صدر کی سی حیثیت دی تھی۔ صحابہ کرامؓ میں کئی بزرگ انھیں خلافت کے لئے امیدوار بنانا چاہتے تھے کیونکہ ان کی رائے میں حضرت عبدالرحمنؓ کے خلیفہ بن جانے سے بہت سی خرابیوں سے نجات اور افتراق کی اس خلیج کے پٹے رہنے کی امید تھی جس کا انھیں حضرات علی یا عثمان رضی اللہ عنہما کے خلیفہ ہو جانے پر ظہور میں آنا متوقع نظر آتا تھا۔ بلکہ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ نمودار اکین شوریٰ میں بھی ایسے لوگ تھے جنہیں ان کے خلیفہ ہو جانے پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ اگر حضرت علیؓ کو ان کے اور حضرت عثمانؓ کے انتخاب میں اختیار دیا جاتا تو وہ بنی امیہ کے تعلق کی وجہ سے حضرت عثمانؓ پر حضرت عبدالرحمنؓ کو ترجیح دیتے، اسی طرح اگر حضرت عثمانؓ کو اختیار دیا جاتا تو وہ بھی انھیں حضرت علیؓ پر ترجیح دیتے۔ کیونکہ حضرت علیؓ کا تعلق بنی ہاشم سے تھا۔

حضرت عبدالرحمنؓ اور حضرت عثمانؓ کے مابین نسبتی تعلق تھا۔ کیونکہ حضرت عبدالرحمنؓ ام کلثومؓ کے خاوند تھے جو عقبہ بن ابی معیط کی بیٹی اور ولید بن عقبہ کی بہن تھیں۔ پھر حضرت عبدالرحمنؓ رضی اللہ عنہما کے مابین بھی نسبتی تعلق تھا۔



کیونکہ وہ عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس کے داماد تھے۔ اس اعتبار سے امیر معاویہ کی خالہ ان کے گھر میں تھیں۔ علاوہ ازیں شعیبہ بن ربیعہ بن عبد شمس کے بھی داماد تھے۔ اسی طرح انھوں نے انصاریں بھی شادی کر رکھی تھی۔ ان کی ماں بنی امیہ سے تھیں۔ وہ خود بنی زہرہ سے تھے۔ لہذا حضرت عبدالرحمن اس قابل تھے کہ قریش و انصاری کی عصبتوں کو متحد کر کے انھیں دوسرے قبائل کی عصبتوں کے ہمراہ جن میں انھوں نے شادیاں کر رکھی تھیں ایک نقطہ پر جمع کر دیتے۔ لیکن انھوں نے اپنے آپ کو خلافت کا امیدوار نہ بنایا۔ ایمان لوگوں کی ایک نہ سنی جو انھیں خلیفہ بنانے پر مقرر تھے۔ انھوں نے تیزی سے اپنے آپ کو اس بحث سے خارج کر لیا اور دونوں مخالف گروہوں کے درمیان ثالث بن جانا پسند کیا، اور جب حضرت علیؑ نے ان سے قسم لے لی کہ وہ کسی کی نسبت یا قرابت و تعلق کا لحاظ نہ کریں گے تو پھر سب امیدواروں نے انھیں ثالث مان لیا تھا۔ انھوں نے خوشی سے یہ قسم کھائی اور عقدہ خلافت کو واکبرنے کے لئے وہ طریق کار اختیار کیا جس کا ذکر ہم سابقہ اوراق میں کر چکے ہیں۔ حضرت عبدالرحمنؓ فرما کر تے تھے اس ذمہ داری کو قبول کرنے کے مقابلہ میں مجھے یہ زیادہ عزیز ہے کہ کوئی برہمی میری گروہوں سے یا کر دی جائے۔

پھر حال وہ اپنے آپ کو حکومت اور اس کے ساتھ وابستہ شکوک و شبہات سے الگ کر کے حکومت کی ذمہ داریوں سے دستکش ہو گئے۔ اور اس کے

میں انھوں نے ایک عام آدمی کی طرح زندگی گزارنے کو ترجیح دی جو فارغ البالی کے ساتھ دین و دنیا کے فرائض انجام دیتا رہے، تاکہ ان کی دنیا ان کے دین کا وسیلہ بنے۔ تاہم چونکہ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے خلافت عثمانؓ کے حق میں فیصلہ صادر کیا تھا۔ اپنی نے اراکین شوریٰ اور عامۃ الناس سے ان کی بیعت کرائی تھی۔ لہذا قدرتی طور پر حضرت عبدالرحمنؓ کا فرض تھا کہ وہ نہایت قریب سے حضرت عثمانؓ کے اعمال کا جائزہ لیتے رہتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی ایام میں حضرت عبدالرحمنؓ ان کے مخالف نہ تھے۔ بلکہ وہ ان کی تائید و نگرانی کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ لوگوں نے ان کے خلاف اعتراضات شروع کر دیئے۔ حضرت عبدالرحمنؓ ان کے اعتراضات کو سنتے اور حضرت عثمانؓ کی مزید فتنی سے نگرانی کرنے لگے۔ آخر ایک روز لوگوں نے دیکھا کہ وہ دین و سیاست ہر دو معاملوں میں حضرت عثمانؓ کے مخالف ہو گئے ہیں۔ پھر وہ دن بھی لوگوں نے دیکھا کہ حضرت عبدالرحمنؓ نے صرف مخالفت ہی پر بس نہ کی بلکہ حضرت عثمانؓ سے قطع تعلق بھی کر لیا۔ ان سے ملاقات کا سلسلہ باقی رکھنا نہ بات چیت کا، بعض راویوں نے مبالغہ سے کام لیتے ہوئے یہ خیال کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمنؓ حضرت عثمانؓ کو خلیفہ بنانے پر اظہارِ ندامت کیا کرتے تھے، نیز انھوں نے ایک روز حضرت علیؓ سے کہا: اگر منظور ہے تو آپ اپنی تلوار سنبھالیں اور میں اپنی۔ اور آئیے ہم حضرت عثمانؓ

کے خلاف بہاد کریں، اس راوی نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت عبدالرحمنؓ نے اپنی موت  
 سے ہر پہلے حاضرین سے کہا، حضرت عثمانؓ کو اتنی ہمت نہ دو کہ وہ تم پر اور اپنے  
 آپ پر ستم ڈھاسکیں، لیکن یہ روایات تکلف و تصنع سے خالی نہیں ہو سکتیں۔ حال  
 اس میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ حضرت عبدالرحمنؓ نے اس وقت  
 بھی حضرت عثمانؓ کی مخالفت کی تھی جب انھوں نے اپنے قرابت داروں کو دولت  
 عطا کی تھی۔

✱



# پندرہواں باب

## حضرت سعد بن ابی وقاصؓ

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی طرح حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی بنی زہرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک روز بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ کو آتے دیکھا تو فرمایا: "یہ میرے ماموں ہیں" یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت سعدؓ ان انھما میں سے تھے جو سب سے پہلے اسلام لائے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اسلام لانے والوں میں میرا تیسرا نمبر ہے۔ وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ میں اس وقت اسلام لایا جبکہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے نماز بھی فرض نہ ہوئی تھی۔ اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح انھوں نے بھی راہ خدا میں مردانہ دانتیاں جھیلیں، راہ خدا میں سب سے پہلا تیر آپ ہی تے چلایا۔ جنگ احزاب میں وہ جوہر دکھائے کہ آنحضرتؐ نے

فرمایا "اے سعد! تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں" حضرت سعدؓ اپنے بھائی  
 عمیر بن ابی وقاصؓ کا قہقہہ سنایا کرتے تھے جو کم سنی ہی میں مدینہ ہجرت  
 کر آئے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر میں شریک ہوئے  
 والے مجاہدین کا معائنہ فرما رہے تھے تو حضرت سعدؓ نے دیکھا کہ ان کے بھائی  
 عمیرؓ لوگوں کی آڑ میں چھپنے کی کوشش کر رہے ہیں، حضرت سعدؓ نے اس کا سبب  
 پوچھا تو حضرت عمیرؓ نے جواب دیا کہ مجھے ڈر ہے کہ رسول خداؐ مجھے چھوٹا خیال  
 فرما کر واپس نہ کر دیں۔ میں شریک جنگ ہونا چاہتا ہوں شاید مجھے شہادت  
 نصیب ہو جائے۔ رسول خداؐ نے حضرت عمیرؓ کو دیکھ کر تیار اوزان کی کم سنی  
 کی وجہ سے انہیں واپس کر دیا۔ حضرت عمیرؓ نے رونا شروع کر دیا تو آپؐ نے  
 انہیں جنگ میں شریک ہونے کی اجازت دیدی۔ حضرت عمیرؓ اتنے چھوٹے  
 ایسے تھے کہ ان کی تلوار کا پر تھلا حضرت سعدؓ باندھنا کرتے تھے۔ حضرت عمیرؓ کو  
 شہادت کی تمنا تھی۔ خدائے پورے پوری کر دی۔ چنانچہ شہدائے بدر میں ایک  
 مذہبی تھے چنانچہ ان کا نام تھا سعد بن ابی وقاصؓ۔  
 رسول خداؐ کے دربار میں حضرت سعدؓ کو بڑی برتری حاصل تھی، جب فتح  
 مکہ کے بعد حضرت سعدؓ وہاں نیاز پڑ گئے تو آپؐ نے ان کی عیادت فرمائی  
 اور خدا سے ان کی شفا کے لئے دعا مانگی تاکہ انہیں اس سرزمین میں موت  
 نہ آئے جہاں سے وہ ہجرت کر چکے تھے۔ آپؐ نے حضرت سعدؓ کی اسی بیماری

کے دوران میں وہ وصیت والی حدیث فرمائی تھی جس کی رو سے کوئی آدمی اپنے مال کے تہائی حصہ سے زیادہ وصیت کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ آپ حضرت سعدؓ کو بیماری کی وجہ سے مکہ چھوڑ کر مدینہ تشریف لے گئے۔ مگر جاتے ہوئے ایک صحابی کو ان کی دیکھ بھال کے لئے مقرر کر کے اسے ہدایت فرمائی: "اگر میرے بعد سعدؓ فوت ہو جائیں تو ابھیں" وہاں: "دفن کیا جائے" آپ کا اشارہ مدینہ کے رہتے ہیں ایک مقام کی طرف تھا۔ پھر حضرت سعدؓ کو مخاطب کر کے کہا: "مجھے خدا سے امید ہے کہ وہ تمہیں صحت دے کر تمہارے ہاتھوں سے ایک قوم کو نفع پہنچائے گا اور دوسری کو نقصان پہنچائے گا۔" کہا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے خدا سے یہ التجا کی تھی کہ حضرت سعدؓ جو دعائیں مانگیں وہ قبول فرماتا۔ خدا سے تعالیٰ نے آنحضرتؐ کی دعا قبول فرمائی۔ حضرت سعدؓ اس مرض سے شفا یاب ہو گئے اور وہ اس وقت تک زندہ رہے کہ ان کے ہاتھوں خدا نے ایک قوم کو سخت سزا دی اور دوسری کو فائدہ پہنچایا، یہی جنگ قادسیہ کے ہیرو ہیں جنہوں نے کسریٰ کے عساکر کو شکست فاش دی تھی۔

حضرت عمرؓ نے بن جہل اصحاب کو باہمی مشورے سے مسئلہ خلافت طے کرنے کیلئے مقرر کیا تھا ان میں ایک حضرت سعدؓ بھی تھے۔ گویا حضرت سعدؓ خود بھی خلافت

لے ہوئے یہ حدیث قرآن کے حکم کے خلاف ہے اس لئے صحیح نہیں ہو سکتی۔ (علوم اسلام)



کے امیدوار تھے لیکن حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے اپنی طرح انہیں بھی اس مطالبہ سے دستبردار کر لیا۔

حضرت سعدؓ کی بہت سی بیویاں تھیں لیکن وہ سب عرب کے مختلف قبائل کی تھیں۔ خاندان قریش میں انہوں نے ایک ہی شادی کی تھی جو ان کی طرح قبیلہ زہرہ سے تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ ان کے نسب کو شکوک سمجھتے تھے اور اس سلسلہ میں انہیں بہتاتے رہتے تھے۔ آخر ایک روز پریشان ہو کر حضرت سعدؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور دریافت کیا: یا رسول اللہ! میں کون ہوں؟ آپ نے فرمایا: "تم سعد بن مالک بن وہیب بن عبدمناف بن زہرہ ہو جو اس کے سوا کچھ کہے اس پر خدا کی پھٹکار" میرا خیال ہے کہ اسی وجہ سے حضرت سعدؓ نے قریش میں کم شادیاں کی تھیں۔ بعض راویوں کا خیال ہے کہ مجلس شوریٰ کے دوران میں حضرت سعدؓ حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانے کے حامی تھے، اور اس ضمن میں انہوں نے حضرت عبدالرحمنؓ سے تبادلوہ خیال بھی کیا تھا، اس بات کے غلط یا صحیح ہونے کے امکانات ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے بعد منتخب ہونے والے خلیفہ کے لئے یہ وصیت فرمائی تھی کہ اگر حضرت سعدؓ خلیفہ نہ بن سکیں تو انہیں کسی علاقہ کا والی مقرر کر دیا جائے۔ کیونکہ انہوں نے عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو کسی خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا تھا، حضرت عثمانؓ نے اس وصیت کو عملی جامہ پہنایا اور حضرت سعدؓ کو سال سوا سال کوفہ کا والی مقرر کئے رکھا۔ پھر انہیں معزول کر کے ان کی جگہ ولید کو مقرر کیا۔

کیا۔ ہم پچھلے صفحات میں کہیں اس واقعہ پر اپنی رائے کا اظہار کر چکے ہیں۔ جو حضرت  
 سعدؓ کی معزولی کا سبب بیان کیا جاتا ہے۔ اپنے پچھلے بیان میں ہم صرف اتنا  
 اضافہ اور کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت سعدؓ کے بیت المال سے قرضہ لینے کی وجہ سے  
 ان کے اور حضرت مسعودؓ کے مابین جو جھگڑا پیدا ہوا تھا اس کے متعلق یہ بھی روایت  
 ہے کہ درحقیقت یہ جھگڑا ولید بن عقبہ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے مابین واقع ہوا تھا  
 لہذا ان اغلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس قصہ کو حضرت سعدؓ کی طرف منسوب کیا  
 ہے انہوں نے سہوایا عداوت ولید اور سعد کو باہم خلط ملط کر دیا ہے۔ کچھ بھی ہو بہر حال  
 حضرت سعدؓ نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر جو بیعت کی تھی انہوں نے اسے وناواری  
 کے ساتھ آخر دم تک نبھایا، اپنی معزولی پر وہ غصہ ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں  
 بہر کیف انہوں نے سخت مخالفت کا اظہار نہیں کیا بلکہ ان کی مخالفت اسی حد تک  
 تھی جہاں تک نری خیر خواہی اور امر بالمعروف کا تعلق ہے۔ جب یہ مخالفت شد  
 اختیار کر کے بغاوت کے قریب پہنچنے لگی تو حضرت سعدؓ نے علیحدگی اور غیر جانبداری  
 اختیار کر لی۔ لہذا وہ نہ اس شور میں شریک ہوئے اور نہ اس کے عواقب میں۔ ان  
 سے جب بھی یہ بحث کی گئی کہ وہ کیوں شریک جنگ نہیں ہوتے تو وہ یہی جواب دیا  
 کرتے کہ میں تو صرف اسی وقت شریک جنگ ہو سکوں گا جب تم مجھے کوئی ایسا تلوار  
 لا دو جو بولتی ہو اور بتاتی رہے کہ یہ مومن ہے اور یہ کافر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت  
 سعدؓ اس بحث میں بھی مبتلا تھے کہ اگر وہ حضرت عثمانؓ کے حق میں نفرت و بیزاری کا

اظہار کریں گے تو لوگ ان پر الزام لگائیں گے کہ ان کی مخالفت و برودہ حضرت  
 عثمان کے خلافت انتقامی کارروائی ہے جنہوں نے انہیں کوفہ کی گورنری سے برطرف  
 کر دیا تھا۔ خواہ کچھ بھی ہو حقیقت یہ ہے کہ حضرت سعدؓ اپنے اسی طرز عمل پر کاربند رہے  
 جس پر وہ عہد نبویؐ میں کاربند تھے۔ جب تک انہوں نے جہاد کی روح دیکھی  
 وہ عہد نبویؐ میں اور عہد عمرؓ میں مصروف جہاد رہے۔ لیکن جب ان کی نگاہوں میں عالم  
 مشکوک ہو گیا تو انہوں نے کنارہ کشی اختیار کر لی اور لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔  
 شہدائے یثرب میں جب انہوں نے وفات پائی تو اہل بیت المؤمنینؓ نے درخواست  
 کی کہ ان کا جنازہ ہمارے پاس سے گزار کر لے جایا جائے۔ چنانچہ ان کا جنازہ مسجد  
 نبویؐ میں لے جایا گیا اور ازواج رسولؐ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ حضرت سعدؓ  
 نے اپنے بعد کوئی بڑی دولت نہیں چھوڑی، انہوں نے دو اور تین لاکھ کے درمیان  
 سرمایہ چھوڑا جو ان کے دوسرے ساتھیوں کی نسبت سے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔  
 جس کی کچھ تفصیل آپ معلوم کر چکے ہیں اور کچھ آپ آئندہ صفحات میں معلوم کر لیں گے



# سوطھواں باب

## حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار تھے وہ آپ کی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب کے صاحبزادے تھے۔ اسی طرح ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بھی ان کی قریبی رشتہ داری تھی۔ حضرت زبیر کا شجرہ نسب یہ ہے۔ زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی۔

خویلد حضرت خدیجہ کے والد تھے یعنی حضرت خدیجہ ان کی پھوپھی تھیں، اور وہ حضور کے پھوپھی زاد بھائی تھے، اور حضرت فاطمہ ان کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ حضرت زبیر کی حضرت ابوبکرؓ سے بھی قریبی رشتہ داری تھی وہ حضرت ابوبکرؓ کے داماد تھے کیونکہ ان کی صاحبزادی حضرت اسماء ذات النطاقینؓ ان کے عقد میں تھیں۔

اس طرح رسول خدا سے ان کی قرابت اور بھی بڑھ گئی تھی یعنی وہ ان کے ہمزلف بھی تھے۔  
 کیونکہ ام المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ نہیں تھیں۔ اس لحاظ سے گویا حضرت  
 زبیرؓ آل بیت بنی میں شمار کئے جاسکتے ہیں۔ یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ  
 ایک روز جب حضرت عثمانؓ اور حضرت زبیرؓ باہم جھگڑا ہوا اور حضرت زبیرؓ نے کہا  
 "میں صفیہ کا بیٹا ہوں" تو حضرت عثمانؓ نے جواب دیا "اسی نے تو تمہیں سایہ سے  
 قریب کر دیا ورنہ تم دھوپ میں پڑے ہو تے۔" اس میں کوئی شک نہیں کہ صفیہ  
 نے انہیں سایہ سے قریب کر دیا تھا لیکن اگر وہ نہ ہوتیں تب بھی حضرت زبیرؓ دھوپ  
 میں نہ ہوتے۔

حضرت زبیرؓ بچپن ہی سے قوت و شجاعت، جنگ آزمائی و پیش قدمی میں  
 مشہور تھے۔ وہ پہلے پہل اسلام لانے والوں میں سے تھے، جنگ بدر کے  
 صرف دو گھڑسواروں میں سے ایک وہ تھے۔ بدر کے بعد بھی حضور اکرمؐ کے ہمراہ  
 بدوش ہر محراب میں شریک رہے آنحضورؐ انہیں اپنا حواری کہا کرتے تھے۔ چنانچہ  
 تمام مسلمان آپؐ کو حواری رسولؐ کہنے لگ گئے تھے۔

ہیں نہیں معلوم کہ حضرت زبیرؓ کی دولت مندی کا آغاز کیونکر ہوا۔ البتہ ہم  
 ضرور جانتے ہیں کہ ان کو نئی نئی دولت نہیں ملی تھی، ابھی آپؐ معلوم کر چکے ہیں کہ  
 جنگ بدر میں شریک ہونے والے دو گھڑسواروں میں سے ایک حضرت زبیرؓ تھے۔  
 رسول خداؐ کی وفات کے بعد آپؐ مدینہ ہی کے ہو کر رہ گئے۔ وہ حضرات ابو بکرؓ

کے عہد میں مدینہ سے باہر نہ نکلے اگر نکلے بھی تو حضرت عمرؓ کی اجازت سے یاجج کی خاطر۔ حضرت عمرؓ نے انھیں بھی مجلس شوریٰ کا رکن مقرر کیا تھا۔ چنانچہ وہ بھی خلافت کے امیدوار تھے۔ انھوں نے نہ تو حضرت علیؓ کی جانب سے عکاؤ ظاہر کیا نہ حضرت عثمانؓ کی طرف۔ پھر انھوں نے بلا وقت تمام اختیار حضرت عبدالرحمنؓ کو سونپ دیا۔ حضرت عثمانؓ خلافت ملنے کے بعد انھیں بہت عزیز رکھتے تھے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ نے انھیں چھ لاکھ درہم عطا کئے تو وہ لوگوں سے مشورہ کرتے رہتے تھے کہ کس چیز میں رقم لگانا زیادہ سود مند ہے۔ چنانچہ انھیں بتایا گیا کہ زمین پر۔ لہذا انھوں نے عراق کے دونوں صوبوں (کوفہ و بصرہ) اور مصر میں زمین خرید لی۔ ابن سعد ہی کا بیان ہے کہ حضرت زبیرؓ یہ پسند نہ کرتے تھے کہ لوگ ان کے پاس امانتیں رکھیں۔ جب بھی کوئی آدمی ان کے پاس کوئی مال بطور امانت جمع کرانا چاہتا تو وہ کہتے یہ مال مجھ پر ترس ہو گا۔ ایک طرف تو امانت کے ضائع ہونے کا خوف کھاتے تھے اور دوسری طرف ان رقوم کو قرض لے کر انھیں نفع بخش کاروبار میں لگا کر ان کا نفع اپنے لئے حلال کر لیتے تھے۔ اس طرح ایک تو ان کی دولت اتنی بڑھ گئی کہ امیری میں ضرب المثل بن گئے دوسرے ان پر لوگوں کے بڑے بڑے قرضے بھی بار بن گئے جنگ جمل کے موقع پر انھوں نے اپنے فرزند عبداللہؓ کو وصیت کی کہ وہ ان کے مال سے ان کا تمام قرضہ اٹا دیں۔ اور جب قرضہ سے سبکدوش ہو جائیں تو



باقی میراث کا ایک تہائی اپنے لڑکے کے لئے رکھ لیں اور جو کچھ بچے اسے دیگر  
 وارثوں میں تقسیم کر دیں۔ نیز انھیں یہ ہدایت کی کہ اگر کسی قرضہ کی ادائیگی دشوار  
 معلوم ہو تو خدا سے استعانت کی جائے۔ چنانچہ عبداللہ بن زبیر کو اپنے والد  
 بزرگوار کا قرض ادا کرتے وقت جب بھی مشقت کا سامنا ہوتا وہ مولیٰ سے زبیر  
 یعنی خدائے تعالیٰ سے طالب اعانت ہوتے۔ ~~بہت سے قرضوں کو~~  
 بہت سے قرض خواہوں نے جہاں کہ وارثوں کے حق میں قرض سے  
 دست بردار ہو جائیں۔ مگر حضرت عبداللہ نے اس بات کو قبول کرنے سے انکار  
 کر دیا اور تمام قرض خواہوں کی ساری رقم ادا کر دی۔ یہ رقم پچیس لاکھ درہم تھی  
 عبداللہ بن زبیر چار برس تک موسم حج میں منادی کراتے رہے کہ جن کو حضرت زبیر  
 سے کچھ لینا ہو وہ ہیں اطلاع دے۔ حضرت زبیر کے وارثوں کو میراث میں سے  
 جو رقم ملی تھی اس کے متعلق لوگوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کم سے کم بتانے  
 والوں کا خیال ہے کہ وارثوں نے سارے تین کروڑ درہم باہم تقسیم کئے  
 زیادہ سے زیادہ بتانے والوں کا کہنا ہے کہ یہ رقم سوا پانچ کروڑ درہم تھی۔  
 لیکن اعتدال پسندوں کا بیان یہ ہے کہ یہ رقم کوئی چار کروڑ درہم تھی۔ اس پر  
 اچھے اور حیرانی کی کوئی بات نہیں۔ کیونکہ حضرت زبیر کی ملکیت میں کئی اقطار  
 نسطاط میں تھے کئی اقطار اسکندریہ میں کئی بصرہ میں اور کئی کوفہ میں پھیلے  
 ہوئے تھے۔ اکیس مکان مدینہ شریف میں تھے۔ علاوہ ازیں متعدد ذرائع آمدنی

اور دیگر جاؤں اور سالن سامان بھی تھا۔

یہ عیاں ہے کہ ابتداء حضرت زبیرؓ نے حضرت عثمانؓ کی مخالفت میں کوئی سختی اختیار نہ کی تھی کیونکہ حضرت عثمانؓ اس حیکم سے کے باوجود جو ایک زمانہ تک ان دونوں میں رہا تھا حضرت زبیرؓ کے ساتھ ترجیحی سلوک کرتے تھے اور انہیں انعامات عطا کرتے رہتے تھے۔ حضرت عثمانؓ عبد اللہ بن زبیرؓ سے بھی محبت کرتے تھے اور انہیں دوسروں سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ چنانچہ جب ان کے گھر کا محاصرہ ہوا تو انہوں نے حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کو اپنے گھر کی مدافعت پر مامور کیا۔ نیز اپنا وصیت نامہ بھی حضرت عبد اللہؓ کے حوالہ کیا کہ اپنے والد حضرت زبیرؓ کو پہنچا دیں۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت زبیرؓ کو کچھ وصیتیں بھی کی تھیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ حضرت زبیرؓ بھی دیگر صحابہؓ کے ساتھ حضرت عثمانؓ کی تنقید و نفیحت میں شریک نہ تھے۔ مگر اس مشارکت کے علاوہ اگر انہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف کوئی سخت کارروائی کی ہے تو وہ ہمارے علم میں نہیں ہے۔

# سترھواں باب

## حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ

حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ کا تعلق قبیلہ بنی تیم کی اس شاخ سے تھا جس میں  
حضرت ابوبکرؓ تھے، دور جاہلیت میں وہ تجارت کرتے تھے، یہ حضرت عثمانؓ کے دوست  
میں سے تھے اور ان دونوں اصحاب نے جس سال اسلام قبول کیا۔ اسی سال  
بغرض تجارت اکٹھے شام کی طرف گئے تھے۔ حضرت طلحہؓ اپنے دوسرے ساتھیوں  
کی طرح الت ایقون الاولون میں سے تھے۔ اسلام لانے کے بعد ان کی تجارت  
سرگرمیاں جاری رہیں، وہ تجارت کے سلسلے میں شام جاتے رہتے تھے۔ جب  
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کی معیت میں مدینہ ہجرت کر کے چلے  
تھے تو حضرت طلحہؓ شام سے واپسی میں انھیں راستے میں ملے۔ حضرت طلحہؓ نے



دونوں کی خدمت میں تحفے پیش کئے اور انہیں اطلاع دی کہ مدینہ کے مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں، اس پر آپ نے مدینہ والوں کے زحمت انتظار کو کم کرنے کے لئے اپنی سواری کو تیز کر دیا، حضرت طلحہؓ مکہ چلے گئے۔ پھر وہاں اپنا بندوبست مکمل کر کے مدینہ شریف میں رسول خدا سے آئے۔ اور اپنے باقی بہا برساتیوں کی طرح آپ کے ساتھ رہنے لگے۔ حضرت طلحہؓ بدر و احد اور باقی تمام جنگوں میں بھی رسول خدا کے دوش بدوش شریک رہے۔ اور مردانہ وار کڑیاں جھیلیں۔ جنگ احد میں رسول خدا کی نہایت بہادری سے مدافعت کی۔ ایک تیر کو جو آپ کی طرف آ رہا تھا اپنے ہاتھ سے روکا وہ انہی پر لگا جس سے ایک انہی شل ہو گئی۔ اسی جنگ احد میں حضرت طلحہؓ کے تمام جسم پر زخم لگے تھے۔ حتیٰ کہ آنحضرت فرمایا کرتے تھے "جسے زمین پر ایک پلٹا پھرتا شہید دیکھنا ہو وہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھے" اس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ حضرت طلحہؓ جنگ احد میں موت کے منہ سے نکل کر آئے ہیں۔ لہذا ان کا رتبہ شہداء کا سا ہے گمان اغلب یہ ہے کہ رسول خدا کے اس قول میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے۔

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا  
اللَّهُ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَ مِنْهُمْ  
مَّنْ يَنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا (۳۳)

مسلمانوں میں بیعت سے وہ افراد ہیں جنہوں نے خدا سے کیا ہوا  
 عہد پورا کر دکھایا چنانچہ ان میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے اپنی جانیں  
 دین اور کچھ وہ ہیں جو موقع کے منتظر ہیں تاکہ وہ بھی جان فدا  
 اور انہوں نے اپنے عہد میں کوئی رد و بدل نہیں کیا۔  
 معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا حضرت طلحہؓ کو جنگ احد کے ساتھ جن  
 میں حضرت حمزہؓ اور حضرت مصعب بن عمیرؓ شامل ہیں ملنا چاہتے تھے۔  
 حضرت طلحہؓ بدستور تجارت کرتے رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
 کے ساتھ عزوات میں شرکت کے علاوہ کوئی چیز ان کی تجارتی سرگرمیوں میں  
 نہ ہو سکی۔ حضرت طلحہؓ عہد ابوبکر و عمرؓ میں دوسرے جلیل القدر صحابہ کی طرح  
 مدینہ ہی میں مقیم رہے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں "جلس شوری" کا رکن مقرر کیا  
 تھا مگر وہ اس میں شرکت نہ کر سکے کیونکہ وہ حضرت عمرؓ کی وفات کے وقت  
 بسند تجارت مدینہ شریف سے غیر حاضر تھے۔ ان کے ساتھیوں نے انہیں جلد  
 ہی بلانے کے لئے پیغامات بھیجے۔ چنانچہ حضرت طلحہؓ بہرعت تمام مدینہ شریف  
 پہنچ گئے۔ لیکن اس وقت تک حضرت عثمانؓ کے حق میں بیعت کا فیصلہ ہو  
 چکا تھا۔  
 حضرت طلحہؓ کو یہ بات ناگوار گذری کہ اصحاب شوری نے ان سے  
 بلا ہی مسئلہ خلافت کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ وہ گھر میں بیٹھ رہے۔ اور کہا

میرے جیسے شخص کو یوں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس دوڑے گئے اور ان سے حضرت عثمانؓ کی بیعت کرنے کو کہا اور انہیں مخالفت کے انجام بد سے ڈرایا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خود حضرت عثمانؓ ان کے پاس گئے اور کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں خلافت کو واپس کر دیتا ہوں حضرت طلحہؓ نے کہا کیا آپ اس پر تیار ہیں؟ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا "ہاں" حضرت طلحہؓ نے کہا تو پھر میں اس فیصلہ کی تسبیح نہیں چاہتا۔ اگر آپ چاہیں تو میں اسی مجلس میں آپ کی بیعت کر لیتا ہوں۔ اور اگر چاہیں تو مسجد نبوی میں چلے چلتے ہیں۔ بنو امیہ کو خطرہ تھا کہ حضرت طلحہؓ حضرت عثمانؓ کی بیعت کرنے میں چکچکیاں گئے، لیکن جب انہوں نے بیعت کر لی تو وہ مطمئن ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ حضرت طلحہؓ کی رضا جوئی بطرز احسن کرتے رہے۔ مورخین کا بیان ہے کہ حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ سے چچاس ہزار درہم قرض لئے تھے ایک روز انہوں نے آکر حضرت عثمانؓ سے کہا کہ آپ کا مال حاضر ہے کسی کو بھیجے کہ لے آئے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا "وہ آپ کا ہو چکا، آپ اس مال کو اپنی مروت و سخاوت کے لئے امانت سمجھیں" کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت طلحہؓ کو دو لاکھ درہم دیئے تھے۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت عثمانؓ کے مابین کئی تجارتی سودے طے ہوئے تھے۔ حضرت طلحہؓ اپنا مال حجاز میں بیچتے تھے اور حضرت عثمانؓ خریدتے تھے۔ عراق میں حضرت عثمانؓ اپنا مال بیچتے تھے اور حضرت طلحہؓ اسے خریدتے تھے۔ حضرت طلحہؓ برے



میری دنیا میں تھے۔ اپنے گھر میں نقد مال رکھنا انہیں بھی پسند تھا۔ جب ان کے  
 نقد مال بڑی مقدار میں جمع ہو جاتا تو وہ اس وقت تک چین نہ لیتے تھے جب تک  
 اسے اپنے قیمتی قرابت داروں اور ترشی والا قناری احباب میں تقسیم نہ کر دیتے  
 تھے۔ محتاج کی آمد اور کرنے اور قرض دار کا قرض اٹارنے میں نہایت مستعد  
 پیش پیش رہتے تھے۔ وہ مال اور لیاں بہت زیادہ تقسیم کرتے تھے اور  
 کوکھانا کھلانے میں بھی بڑی سخاوت سے کام لیتے تھے ان تمام اخراجات  
 باوجود ان کے پاس بڑی دولت تھی، اور ان کی دولت و سخاوت ہی کا جرم  
 جس پر بات پڑنے کی وجہ سے کوفہ میں سعید بن العاص کی مجلس میں  
 بیٹھ گیا تھا جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔  
 راویوں کے بیان کے مطابق حضرت طلحہؓ پہلے شخص میں جنہوں نے  
 حجاز میں گندم کی کاشت کرائی، جب وہ فوت ہوئے تو ان کا ترکہ تین کروڑ  
 جس میں بائیس لاکھ درہم اور دو لاکھ دینار نقد تھے باقی دیگر ساز و سامان  
 اور املاک وغیرہ تھیں۔  
 حضرت طلحہؓ جیسا کہ آپ نے دیکھا خلافت عثمانؓ کے پہلے دور کے  
 تھے اس لئے کہ خلافت کا معاملہ ان کی غیر حاضری میں طے کیا گیا تھا لیکن  
 عثمانؓ نے انہیں منالیا تھا۔ اور اس طرح ان کے باہمی تعلقات  
 تھے، پھر حضرت عثمانؓ نے انہیں مال و دولت سے نوازا، تو تعلقات

ہو گئے۔ لیکن کچھ مدت بعد جب حضرت عثمانؓ کے بارے میں مخالفانہ سرگرمیاں ظہور میں  
آنے لگیں تو وہ بھی ان میں شریک ہو گئے۔ جب یہ مخالفت شدت اختیار کر گئی تو حضرت  
طلحہؓ اس کے سرغنوں میں تھے۔ جب حضرت عثمانؓ کا محاصرہ کیا گیا تو حضرت طلحہؓ  
محاصرین میں شامل تھے۔ جب حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تو حضرت طلحہؓ ان لوگوں  
میں سے تھے جو قتل عثمانؓ پر حضرت علیؓ کے رنج و غم کو حیرت و تعجب کی نظر  
سے دیکھتے تھے۔ جب حضرت علیؓ کی بیعت کی گئی تو حضرت طلحہؓ بھی حضرت زبیرؓ  
کے ساتھ بیعت میں شریک تھے۔ مگر بعد میں حضرت علیؓ کی بیعت تو ذکر حضرت  
زبیرؓ کی بیعت میں حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ کرتے ہوئے  
نکل گئے۔ حضرت طلحہؓ جنگ جمل میں کام آئے۔ راویوں کا بیان ہے کہ انھیں  
مردان بن حکم نے قتل کیا تھا۔ مردان نے جب انھیں اپنے تیرے گھائل کر دیا تو  
نے کہا "سجدا طلحہؓ کے بعد اب میں خون عثمانؓ کا دعویٰ کبھی نہ کروں گا"۔ مردان کے  
خیال میں حضرت طلحہؓ قتل عثمانؓ پر اگسٹے والوں کے سرغنہ تھے۔ جب حضرت  
طلحہؓ کو تیر لگا اور ان کا خون بہنا بند نہ ہوا تو انھوں نے کہا یہ تیر خدا کا مرستادہ  
ہے۔ اسے خدا مجھ سے خون عثمانؓ کا ایسا بدلہ لے لے کہ تو راضی ہو جائے  
یہ صورت حضرت طلحہؓ کی دشمنی ایک خاص نوعیت کی مالک تھی۔ جب تک  
ان کی دست و منزلت ہوتی رہی اور انھیں دولت ملتی رہی وہ راضی رہے  
مگر جب طمع کا دامن دراز ہوا تو صداقت اختیار کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دوسروں کو

بھی ہلاک کیا اور خود بھی ہلاک ہو گئے۔





# اٹھارواں باب

## حضرت علی بن ابی طالبؓ

حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت علیؓ کی قرابت محتاج بیان  
 نہیں۔ بلاشبہ حضرت علیؓ کی قدر و منزلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں اتنی بڑی  
 بنیت رکھتی تھی۔ ابوطالبؓ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر بانیاں مشہور ہیں۔  
 انہوں نے آپؐ کی اودا آپؐ کے دین کی قریش کے مقابلہ میں جو مدافعت و حمایت  
 کی تھی وہ سب پر روشن ہے۔ ابوطالبؓ نے رسول خداؐ کی ان کے بچپن میں کھانسی  
 اور جب ابوطالبؓ کثیر الاولاد اور تنگ دست ہو گئے تو آپؐ نے حضرت علیؓ  
 کے بچپن میں کفالت فرمائی۔ جب آپؐ کو نبوت عطا ہوئی اس وقت حضرت علیؓ  
 بچے اودا آپؐ ہی کے گھر میں تھے۔ اس طرح حضرت علیؓ نو برس یا گیارہ برس

کی عمر میں اسلام لے آئے۔ اسلام لانے کے بعد بھی وہ آغوشِ رسول ہی میں رہے۔ چنانچہ انہوں نے آپ کی اور ام المومنین حضرت خدیجہؓ کی نگرانی میں پرورش پائی۔ وہ بتوں کا تصور ہی نہ رکھتے تھے کیونکہ وہ سنِ شہور سے قبل ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ انہیں السابقون الاولون میں یہ امتیاز حاصل تھا کہ ان کی نشوونما اور پرورش خالص اسلامی ماحول میں ہوئی تھی۔ یہ امتیاز بھی حاصل تھا کہ انہوں نے صحیح معنوں میں حنائی وحی میں نشوونما پائی تھی! **ع**

جب رسول خداؐ نے مدینہ ہجرت فرمائی تو اپنے پاس رکھوائی ہوئی انار کے مالکوں کو واپس کر دینے کے لئے حضرت علیؓ کو اپنا قائم مقام بنا گئے۔ حضرت علیؓ تین دن رہے اور پھر رسول خداؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے

مدینہ کے راستے میں مقام قیام پر جا ملے۔ یہاں پر ان کی سیرت کے راوی بیان کرتے ہیں کہ جس رات قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کی سازش کی تھی اس رات حضرت علیؓ آپ کے پاس

پرسوئے رہے۔ جب آنحضرتؐ مدینہ شریف پہنچے اور باہم مہاجرین میں اور مہاجرین و انصار میں مواخات قائم کی تو حضرت علیؓ کی مواخات اپنے ساتھ اناں بعد ہبل بن صیف انصاریؓ کے ساتھ قائم کی۔ **ع**

اسی طرح حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ میں رسول خداؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے چاہنے والے اور آپ کے گھر میں پرورش پائے ہوئے تھے۔ پھر وہ ہجرت میں آپ کے

مائی تھے آپ نے اپنی صاحبزادی فاطمہ الزہرا کی شادی بھی ان سے کر دی تھی۔

انہی دونوں سے آپ کی نسل تاحال موجود ہے۔ حضرت علیؓ ہر جنگ میں رسول  
م کے علمدار رہے۔ وہ بڑے شجاع جنگ میں آگے بڑھنے والے، جری اور غیر معمولی

ت کے مالک تھے۔ جب رسول خداؐ غزوہ تبوک کے لئے نکلے تو اپنے گھروالوں کی

بجائے لے گئے انہیں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا یہ بات حضرت علیؓ کو ناگوار گزری

لوگوں میں اس پر چہ میگوئیاں ہوئیں تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ

فرمایا: اے علی! کیا تم اسے پسند نہیں کرتے کہ تمہاری میرے یہاں وہی منزلت

جو ہارونؑ کی موسیٰؑ کے یہاں تھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد نبی کوئی نہ ہوگا۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا تو آپؐ نے خلافت کے بارے

میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں فرمایا تھا بے شک آپؐ نے اپنی بیماری کے دوران میں

نہ فرمایا تھا ابو بکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ چنانچہ جب لوگوں نے

حضرت ابو بکرؓ کو منتخب کیا انہوں نے کہا تھا کہ رسول خداؐ نے ابو بکرؓ کو ہمارے

بن کے لئے پسند فرمایا۔ ہم انہی کو اپنی دنیا کے لئے کیوں نہ انتخاب کر لیں میں

میں چاہتا کہ شیعہ اور ان کے مخالفین کے مابین بیعت عمرؓ و ابو بکرؓ سے متعلق

وجہ تکرار ہے اس میں دخل اندازی کروں۔ تاہم میں یہ حقیقت صفاً تاریخ

پر ثبت کرتا ہوں کہ حضرت علیؓ نے ان ہر دو بزرگوں کی بیعت بڑے خلوص کے

ساتھ کی تھی اصدق دل سے ان کی خیر خواہی کی اور جب بھی ان دونوں میں سے



کسی کو ان کے مشورہ کی ضرورت پڑی تو انہوں نے اپنا نیک مشورہ دینے میں کبھی دریغ نہ کیا۔ اگر رسول خدا کی وفات کے بعد لوگ یہ کہتے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے قریبی رشتہ دار تھے، وہ آپ کے پرورش یافتہ تھے۔ امانتوں کی ادائیگی کے لئے وہ آپ کے قائم مقام ہوئے تھے، مواخات کی رو سے وہ آپ کے بھائی بنے تھے۔ آپ کے داماد اور آپ کی آئندہ نسل کو جاری رکھنے والے تھے، آپ کے علمدار نیز آپ کے اہل خانہ کی دیکھ بھال کے لئے آپ کے جان بچا تھے۔ اور خود آپ ہی کے فرمودہ کے مطابق ان کی منزلت وہی تھی جو ہارون کی مولائے کے یہاں تھی۔ غرضیکہ اگر مسلمان ان تمام باتوں کے پیش نظر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کر لیتے تو ان کا یہ فعل کسی غلطی یا فرو گذاشت پر محمول نہ کہ عیب آتا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ بیعت کرنی چاہی تھی۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امت میں فرقہ بندی کو ناپسند کیا ہوئے انکار کر دیا۔ چنانچہ حضرات ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ کے دور میں حالات اسی پنج پر چلتے رہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رکن شہ تو مقرر کر دیا مگر ان کے حق میں کوئی خصوصی وصیت نہ کی۔ تاہم انہوں نے یہ ضرور فرمایا تھا، اگر لوگ علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کر لیں تو وہ انہیں راہ راست سے منحرف نہ ہونے دیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو وجوہ کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں وصیت کی تھی

ایک یہ کہ بقول خویش وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ زندگی اور موت دونوں حالتوں میں ان  
 پر مسلمانوں کے معاملات کا بار پڑ جائے۔ دوسرا مطلب یہ تھا کہ قریش کی اکثریت اس  
 خوف سے خلافت کو بنی ہاشم سے دور رکھنا چاہتی تھی کہ کہیں وہ وراثتاً انہی میں  
 منتقل نہ ہوتی جائے اور پھر کبھی بھی وہ قریش کے کسی اور قبیلہ کے حصہ میں نہ آئے۔  
 لہذا بنی ہاشم کو خلافت سے وابستہ طور پر دور رکھا گیا، قریش نے بنو ہاشم  
 کو اس لئے خلافت سے دور رکھا کہ کہیں وہ بنو ہاشم کی رعایا نہ بن جائیں اور  
 اس لئے بھی کہ پھر کبھی قریش کے کسی گھرانہ میں خلافت نہ آ سکے گی۔

ان دو وجوہ کی بنا پر حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کے حق میں بھی وصیت  
 نہ کی تھی، ایک تو یہ کہ وہ مسلمانوں کے معاملات کا بار زندگی اور موت دونوں  
 حالتوں میں اٹھانے سے خائف تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ انہیں حضرت  
 عثمانؓ سے ڈرتھا کہ وہ خلافت کے معاملہ میں بنو امیہ کو دوسرے تمام قریشی  
 قبائل پر ترجیح دیں گے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عباس بن عبد المطلب نے حضرت  
 علیؓ کو اشارہ کیا تھا کہ وہ شوریٰ میں شمولیت نہ کریں اور ذمہ لیا تھا کہ اگر وہ  
 ایسا کریں گے تو لوگ ان کو طیف بنانے میں کوئی مخالفت نہ کریں گے۔ لیکن حضرت  
 علیؓ نے یہ مشورہ قبول نہ کیا اور دیگر مسلمانوں کی طرح حضرت عمرؓ کی وصیت کو  
 قبول کر لیا۔ اس طرح انھوں نے بیعت عمرؓ کا حضرت عمرؓ کی زندگی اور موت  
 دونوں حالتوں میں ایفا کیا۔ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد تمام باتیں حضرت علیؓ



کے حق میں تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی قرابت اسلام لانے میں  
سبقت، مسلمانوں میں ان کی عزت و منزلت، راہ خدا میں مروانہ وار مقابلہ اور  
آزمائشوں میں پورا اترنا، صاف اور سیدھا طرز عمل، معاملات دین میں شدت  
کتاب و سنت کا تقہ اور پیش آمدہ مشکلات میں استقامت رائے، غرض ہر اعتبار  
سے حضرت علیؓ خلافت کے مستحق تھے۔

اگر مسلمانوں کو اس میں باک تھا کہ وہ حضرت علیؓ کو حضرت ابوبکرؓ کے مقابلے میں  
اولیت دیں کیونکہ حضرت ابوبکرؓ کا رتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں عالی تھا۔  
وہ غار کے ثانی آئین تھے۔ اور اس لیے کہ انھوں نے نماز کی امامت میں قائم مقامی  
کی تھی۔ یا اگر اس میں باک تھا کہ وہ حضرت علیؓ کو حضرت عمرؓ کی بلند و بزرگ شخصیت  
پر ترجیح دیں جبکہ حضرت ابوبکرؓ نے بھی ان کی خلافت کے لئے وصیت فرمائی تھی  
تو اب یعنی حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد بے کھنکے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنا سکتے تھے۔  
اس میں کوئی خرابی اور خرج واقع نہ ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو خلافت  
کا امیدوار قرار دیا۔ خود ان کا بلند مرتبہ بھی اس استحقاق کا تقاضا ہی تھا۔ علاوہ ازیں  
ان کو بیت سے قرب قبائل کی باجموم اور قریش کی بالخصوص تائید حاصل تھی جیسے  
حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے کو حاصل تھی، اس لئے کہ حضرت علیؓ نے قریش، مضر  
ربیعہ اور یمن کے قبائل میں شادیاں کی تھیں۔ اور ان سب بیویوں سے اولاد  
تھی۔ لہذا اگر لوگوں میں افتراق ہونے سے قبل وہ خلیفہ بن جاتے تو یقیناً وہ



تھے کہ مختلف اور متباہد عصبیتوں کو باہم قریب کر دیتے، لوگ ان کی اطاعت میں ایک مرکز پر جمع ہو جاتے اور بقول حضرت عمرؓ وہ امت کو راہ راست سے بھٹکنے نہ دیتے۔ لیکن مسلمانوں نے انہیں دو باتوں کی وجہ سے منتخب نہ کیا ایک تو یہ کہ اگر خلافت بنی ہاشم میں کسی کو مل گئی تو پھر وہیں جم جائے گی۔ حالانکہ واقعات سے یہ ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ خلافت کو وراثتاً منتقل کرنے کے خواہشمند نہ تھے۔ ان کا طرز عمل وہی تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ کا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے بعد کسی کی خلافت کے لئے وصیت نہ کی تھی۔

دوسری بات یہ تھی کہ حضرت علیؓ نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی پیش کردہ شرط کہ وہ قرآن، سنت رسول اللہؐ اور طریقہ ابوبکرؓ و عمرؓ سے کسی معاملہ میں بھی انحراف نہ کریں گے قبول نہ کی تھی۔ انہیں خطرہ تھا کہ مبادا حالات انہیں اتنا مجبور کر دیں کہ وہ کاملاً ایفائے عہد نہ کر سکیں۔ لہذا انہوں نے اس اقرار پر بیعت چاہی کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ پر نیز حتی المقدور سیرت شیعین پر کاربند رہیں گے۔ ذمہ داری قبول کرنے میں ان کی یہ احتیاط اس قابل تھی کہ لوگ ان کی طرف مائل ہوتے ان کے بارے میں حسن ظن رکھنے لگے اور ان پر پورا پورا بھروسہ کرتے کیونکہ انہوں نے صرف اتنی ہی ذمہ داری قبول کرنے کا عہد کیا جس سے عہدہ برآ ہونے کی ان میں طاقت تھی۔

لیکن حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ دوسرے مسلمانوں کی طرح خلافت سے

متعلق امور میں نہایت محتاط و دقیق النظر واقع ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید انھیں حضرت علیؓ کی اس صاف گوئی اور احتیاط میں کبر و خود رانی کا شائبہ نظر آیا ہو۔ یہی باعث ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے انھیں قرآن سنت اور طریقہ شیخین پر پوری طرح کار بند رہنے کا عہد دیا تو انھوں نے اطمینان کے ساتھ ان کی بیعت کر لی۔ مگر بعد کے واقعات سے یہ عیاں ہو گیا کہ حضرت عثمانؓ وہ طاقت نہ رکھ سکے جو حضرات شیخین رکھتے تھے۔ لہذا وہ ان بزرگوں کی سیرت کے مطابق عمل پیرا نہ ہو سکے۔ اسی طرح بعد کے واقعات سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضرت علیؓ نے اپنی قلیل المدّت خلافت میں اسی طاقت کا اظہار کیا جو حضرات صدیق و فاروقؓ کو حاصل تھی۔ بلکہ حضرت علیؓ نے اس سے بھی کچھ زیادہ کر دکھایا۔ کیونکہ حضرت علیؓ نے عمرؓ کا طرز عمل اس رعیت کے ساتھ روا رکھا جو حضرت عمرؓ کی رعیت کے مقابلے میں زیادہ سرکش و تند خو اور دنیا دار تھی۔ وہ حضرت عمرؓ کے طریق پر اس وقت کار بند رہے جب امت میں انتشار و افتراق اور نظریات میں اختلاف پیدا ہو چکا تھا فتنہ و فساد کا بازار گرم تھا اور پے پے جنگیں لڑی جا رہی تھیں۔ حضرت علیؓ کا طرز زندگی فتوحات اسلامیہ کے بعد بھی وہی رہا جو اس سے قبل تھا۔ یعنی اسی زندگی جو راحت طلبی اور تن آسانی کی پر نسبت خشونت و جفاکشی سے قریب تر تھی۔ انھوں نے نہ تجارت کی اور نہ مال و دولت کو بڑھایا ہمیشہ اپنے وظیفہ پر گزارہ کیا اس میں سے خود بھی کھایا اور اہل و عیال کے نان نفقہ

کا بھی بند و بست کیا۔ اپنی ضرورت سے زائد رقم وہ اپنی اس جائیداد کو مفید بنانے میں لگا  
تھے جو انھوں نے مقام شیع پر خریدی تھی اور اس سے زیادہ انھوں نے کچھ نہ کیا، جب  
وہ فوت ہوئے تو ان کا ترکہ ہزاروں میں بھی شمار نہ کیا جاسکا چہ جائیکہ لاکھوں یا کروڑوں  
میں محسوب ہوتا۔ ان کا ترکہ جیسا کہ حضرت حنین نے ایک خطبہ میں بیان کیا تھا سات  
سو درہم تھے اور اس رقم سے ایک ملازم حاصل کرنے کا ارادہ تھا۔

اپنی قلیل المدت خلافت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھوٹے اور پیوند لگے ہوئے کپڑے  
پہنتے تھے، کوڑا ہاتھ میں لئے بازاروں میں گھوما کرتے، اور لوگوں کو اسی طرح بنیہ وصیت  
کرتے جس طرح حضرت عمرؓ کیا کرتے تھے اس سے حضرت عمرؓ کی صحیح مردم شنائی  
کی تائید ہوتی ہے جبکہ انھوں نے فرمایا تھا "اگر لوگ علیؓ کو خلیفہ بنالیں تو وہ  
انھیں راہ راست سے ادھر ادھر نہ ہونے دیں گے۔"

یہ بخوبی واضح ہے کہ حضرت علیؓ طبعاً بنی ہاشم کے علاوہ کسی اور قبیلہ میں  
خلافت جانے کے مخالف تھے۔ لیکن وہ ان صحیح معنوں میں جمہوریت پسند تھے جن  
پر آج اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔ کیونکہ خلافت ان کی نظر میں کوئی موروثی جائیداد  
نہ تھی۔ ان کی رائے میں خلافت ایک ایسی ذمہ داری تھی جس کا بار مسلم قوم کے ارباب  
حل و عقد کی باہمی رضامندی کے ساتھ کسی شخص کے کاندھوں پر ڈالا جانا چاہیے۔  
یہی سبب ہے کہ جب قوم کے ارباب حل و عقد نے خلافت ان کے حوالے کرنے  
کی بجائے حضرت ابوبکرؓ اور پھر حضرت عمرؓ کو دیدی تو انھوں نے قوم کے اس



فیصلہ کو قبول کر کے شیخین کی بیعت کر لی اور وفاداری کے ساتھ اس بیعت پر قائم رہے اور وہ حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے خیر خواہ رہے۔ اور ہمیشہ جو مشورہ دیا بخلوص خاطر دیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوت ہوئے اور اصحاب شوری باہم مشورہ کرنے لگے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اپنی طرف توجہ دلائی چاہی۔ لیکن اتنا بھی انہوں نے بڑی شرم و حیا کے ساتھ کیا۔ اور پھر علی رضی اللہ عنہ ہی اس سے بھی باز آ گئے اور ایک عام فرد کی حیثیت اختیار کر لی۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے مسلمانوں کی خیر خواہی کا عہد لے کر اپنی طرف سے انہیں تسلیم اطاعت کا یقین دلادیا۔ بعض تصنیع پسند راویوں کا بیان ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے میں پس و پیش سے کام لیا۔ یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو انہیں ڈرانا پڑا۔ لیکن راویوں کی ایک اور جماعت کا قول ہے کہ یہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیرت و اخلاق کے نمایان شان اور مناسب تر ہے کہ جب انہوں نے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کا مطلوبہ عہد سے انکار کر دیا اور وہ عہد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیدیا تو انہوں نے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے کہا "ابو عبد اللہ! حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کو آپ کی مرضی کے مطابق عہد دیدیا۔ اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ اگر انہوں نے بیعت کرنے میں پس و پیش سے کام لیا ہوتا یا با مجبوری بیعت کی ہوتی تو ضروری تھا کہ وہ کچھ عرصہ کے لئے خواہ کر لیا زیادہ اپنے گھر میں بیٹھ رہتے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور اہل شوری سے قطع تعلق فرماتے۔ لیکن انہوں نے خانہ نشینی اختیار نہ کی بلکہ بیعت کے بعد ان کی مجلس میں شرکت

اور انھیں قتل ہر زمان کے متعلق حضرت عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے قصاص لینے کا مشورہ دیا۔

ویسے حضرت علیؓ تینوں خلفاء کے مد مقابل تھے۔ مگر حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کے ہاتھوں کوئی نفل ایسا سرزد نہ ہوا جو سخت تنقید تو ایک طرف رہی مہولی سی تنقید کا بھی متقاضی ہوتا۔ لہذا ان دونوں کے خلاف حضرت علیؓ کی مخالفت ظاہر نہ ہو سکی۔ بلکہ ان کے ساتھ ان کا طرز عمل ہی خواہوں اور شیروں کا سا رہا۔ وہ بھی دیگر مہاجرین و انصار کی طرح ان کے احکامات سنتے اور انھیں بجالاتے رہے۔ حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو اثنائے شوریٰ میں حضرت علیؓ کسی حد تک شدید مخالفت پر اتر آئے تھے مگر پھر وہی طور اختیار کر لیا جو حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کے ساتھ تھا۔ یعنی خلیفہ کی خیر خواہی کرنا اور بہتر مشورہ دینا، حکم سننا اور اس کی اطاعت کرنا، لیکن سیاست عثمانؓ نے انھیں شدید مخالفت پر مجبور کر دیا کیونکہ وہ حضرت عبید اللہ بن عمرؓ کو موات کرنے میں حضرت عثمانؓ کے ہم خیال نہ تھے، پھر برابر اس قسم کے واقعات ہوتے رہے، جنھوں نے ان کی مخالفت کو شدید تر کرنا شروع کر دیا۔ لیکن بہر حال یہ مخالفت سنجیدگی و راستی کی حدود سے متجاوز نہ ہوئی۔ گو کبھی نرم ہو جاتی اور کبھی سخت، تاہم کبھی بھی خیر خواہی، مشورہ اور عتاب الہی سے ڈرانے کے علاوہ انھوں نے کوئی مخالفانہ اقدام نہ کیا۔

واقعات مسلسل شدید اور ہولناک صورت اختیار کرتے چلے گئے۔ یہاں تک



کہ ایک دن حضرت علیؓ کو مجبوراً لوگوں کی ایک جمعیت کے سامنے حضرت عثمانؓ کی مخالفت کرنا پڑی، ایسا اس وقت ہوا جب حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ نے غیر ذمہ دارانہ طور پر یہ اعلان کیا کہ ستر مہینہ جس قدر بھی چاہیں ناک بھوں چڑھتے رہیں وہ اپنی جملہ ضروریات بیت المال ہی سے پوری کریں گے۔ حضرت علیؓ نے پس کر کہا: یہ بات ہے تو پھر آپ کو اس مال سے محروم کر دیا جائے گا: بہر حال حضرت علیؓ کبھی بھی خفیہ مشورہ اور وقتاً فوقتاً سخت تنقید سے آگے نہ بڑھے۔ وہ حضرت عثمانؓ اور ان کے مخالف باغیوں کے مابین واسطہ بن جلتے تھے اور حضرت عثمانؓ کو ہمیشہ حق شناسی کی اور لوگوں کی فتنہ پردازی سے باز رہنے کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ حضرت عثمانؓ اپنے رشتہ داروں کے ہاتھوں مجبور و بے بس ہو چکے ہیں، تو مایوس ہو کر خانہ نشین ہو گئے اور اس کے بعد انھوں نے حضرت عثمانؓ اور عوام کے مابین ثالثی اور صلح صفائی کی کوشش نہ کی۔ مگر بائیں ہمارے وہ دوران محاصرہ بھی حضرت عثمانؓ کی خیر خواہی کرتے رہے۔ انھوں نے حضرت عثمانؓ کے گھریں پانی پہنچایا اور اپنے دو صاحبزادوں کو محاصرین کا مقابلہ کرنے کے لئے بھیجا۔ تاہم اس سے کسی کو بھی مجال انکار نہیں کہ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے مابین تمام دور عثمانی میں برابر کشمکش جاری رہی، اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ حضرت عثمانؓ کے رشتہ داروں نے لگاتار کہہ سن کر حضرت عثمانؓ کو علیؓ سے انتہائی ممکن حد تک خائف کر دیا تھا، اگر حضرت عثمانؓ سیرت عمرؓ پر



رہتے اور ان کے اعزہ ان کے اور رعیت کے درمیان حامل نہ ہوتے تو یقیناً حضرت علیؓ کا برتاؤ ان کے ساتھ بھی وہی ہوتا جو ان سے قبل حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کے ساتھ تھا۔ لیکن اگر حضرت عثمانؓ سیرت عمرؓ پر کار بند رہتے اور ان کے اعزہ و رعیت کے درمیان دیوار نہ بن جاتے تو نہ یہ فتنہ بپا ہوتا اور نہ ہمیں یہ کتاب ملنا کر لےنے کی ضرورت پڑتی۔

اس بات کا ثبوت کہ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے مابین رو نما ہونے والا بگاڑ حضرت عثمانؓ کے اقربا کا پیدا کردہ تھا اور جو بالآخر اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ایک روز حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کو سزا دینے کی ٹھان لی۔ بلاذری کی تصنیف "انساب الاشراف" کا یہ واقعہ ہے کہ حضرت عباسؓ نے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان ثالثی کرتے ہوئے حضرت عثمانؓ سے کہا: "میں آپ کو آپ کے چچا زاد۔ ماموں زاد بھائی اور رسول خدا کی دامادی و صحبت ہیں آپ کے ساتھی کے متعلق آپ کو خدا کا خوف دلاتا ہوں مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ آپ حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں کے خلاف کارروائی کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا: "قبل اس کے کہ میں کچھ اور کہوں اپنے درمیان آپ کو سفارشی اور ثالث بنانا قبول کرتا ہوں۔ حضرت علیؓ اگر چاہتے تو میرے نزدیک ان کا ہم رتبہ کوئی بھی نہ ہوتا مگر وہ من مانی کرتے ہیں۔" اس کے بعد حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ سے بھی ایسی ہی بات کہی جو انھوں نے حضرت عثمانؓ

سے کہی تھی۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے کہا "اگر حضرت عثمانؓ مجھے گھر چھوڑ دینے کا حکم دیں تو میں اپنے گھر سے بھی نکل جاؤں گا۔"

لیکن اس ثالثی کا کوئی فائدہ نہ ہوا حضرت عثمانؓ کی سیاست کا رنگ بدل گیا اور حضرت علیؑ کی مخالفت بدستور قائم رہی، اور حضرت عثمانؓ کے اقربا و حسب معمول و دونوں کے تعلقات کو بگاڑنے میں مصروف رہے۔ یہاں تک کہ معاملہ نازک صورت اختیار کر گیا۔ بلاذریؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے اس صورت حال کو پسینا و بیان کیا ہے کہ "حضرت عثمانؓ نے حضرت عباسؓ سے حضرت علیؑ کے خلاف شکایت کی اور کہا "ماموں جان! علیؑ نے مجھ سے رشتہ داری کے تعلقات قطع کر لئے ہیں اور آپ کے فرزند (عبداللہ بن عباسؓ) لوگوں کو تیرے خلاف ابھار رہے ہیں۔ سچا اے بنی ہاشم! اگر آپ لوگوں نے خلافت کو بنی تیم اور بنی عدی کے ہاتھوں میں گوارا کر لیا تھا تو بنو عبدمنان اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ لوگ ان کے ساتھ دست و گریبان ہو یا ان کا جسد کرنے سے احتراز کریں۔" حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ میں نے میرے والد بزرگوارؑ نے دیر تک سر جھکائے رکھا اور پھر کہا "اے میرے بھانجے! اگر آپ علیؑ کے حق میں کلمہ خیر نہ کہیں تو وہ آپ کی تعریف کس طرح کریں۔ رہا آپ کا استحقاق باعتبار قرابت و امامت تو وہ ایسا حق ہے جسے نہ تو

کہ کیا جاسکتا ہے اور نہ اس سے انکار ممکن ہے۔ اگر علی کی فروگزاشت پر آپ اور  
 آپ کی فروگزاشت پر علی بلند نظری کا ثبوت دیتے رہیں تو زیادہ مناسب اور ایک  
 دوسرے سے زیادہ قرب کا باعث ہو جاتے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا "مجھے یہ معاملہ  
 میں آپ کے حوالے کئے دیتا ہوں، آپ ہماری کشیدگی دور کرادیں۔ حضرت عبداللہ  
 بن عباسؓ کا بیان ہے کہ جوہنی ہم حضرت عثمانؓ کے پاس سے اٹھے مروان  
 بن سے ملا اور انہیں ان کی رائے سے برگشتہ کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی  
 حضرت عثمانؓ کا قاصد میرے والد کو بلانے آیا۔ جب میرے والد حضرت عثمانؓ کے  
 پاس گئے۔ تو حضرت عثمانؓ نے کہا "ماموں جان میں نے جو معاملہ آپ کے سپرد  
 کیا ہے اسے ذرا ملتوی کر دیجئے میں چاہتا ہوں کہ ذرا اطمینان سے اس پر  
 غور و فکر کر کے کسی نتیجہ پر پہنچوں۔ پس کر والد وہاں سے چلے گئے اور میری  
 طرف مڑ کر کہا بیٹا! یہ شخص بے بس ہے۔ پھر کہا "اے خدا مجھے فتنوں کی بیداری  
 سے قبل اٹھالے۔ اور مجھے ان حالات کو دیکھنے کے لئے باقی نہ رکھنا جن میں  
 کوئی خیر نہ ہو۔ اس بات کو ابھی ایک ہفتہ بھی نہ ہو پایا تھا کہ آپ کی وفات  
 ہو گئی۔"

قبل ازیں حضرت عباسؓ نے دونوں کے مابین خیر سگالی کے لئے ثالثی کی



فرار قبض انجام دیتے تھے اور کامیاب رہے تھے۔ لہذا حضرت عثمانؓ نے چاہا  
 تھا کہ وہ دوبارہ ان کے درمیان ثالثی کریں اور ضروری تھا کہ انہیں اس بار  
 بھی پہلے کی طرح کامیابی ہوتی۔ لیکن حضرت عثمانؓ کو مروان نے اس رائے  
 سے منحرف کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ معاملات خراب سے خراب تر ہوتے چلے گئے یہاں تک  
 کہ وہ فتنے جن کی حضرت عباسؓ کو توقع تھی موصیٰ ظہور میں آ گئے۔ یہاں تک کہ  
 آپؓ نے سابقہ صفحات میں پانچ اصحاب شوریٰ کا طرز عمل اور حضرت عثمانؓ  
 کے خلیفہ ہو جانے کے بعد ان سے اختلاف کرنے میں ان کا موقف دیکھ لیا۔ یہ  
 موزوں معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان صفحات کو اس روایت پر ختم کریں جو ان اصحاب کے  
 متعلق حضرت عمرؓ کی رائے پر مشتمل ہے۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ روایت  
 غلط ہو یا صحیح بہر حال یہ رائے ان خیالات کی صحیح عکاسی کرتی ہے جو ان حضرات  
 کے متعلق عوام الناس رواۃ موزنین اور خصوصاً محدثین اپنے دلوں میں رکھتے  
 تھے۔

بلاذری نے ابن عباسؓ کی روایت سے اسناد بیان کی ہے کہ حضرت  
 عمرؓ نے فرمایا کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ امت محمدیہؐ کا کیا بندوبست کروں۔ یہ  
 آپؓ پر قائلانہ حملہ ہونے سے پہلے کی بات ہے۔ اس پر میں نے کہا۔ آپ متفکر  
 کیوں ہیں آپ کے پاس ایسے آدمی موجود ہیں جنہیں آپ مسلمانوں کا خلیفہ بنا سکتے  
 ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کیا تمہارے سامنے کوئی خلیفہ بنا دوں؟ ”یعنی حضرت علیؓ

میں نے کہا: ہاں، کیونکہ رسول خدا کے ساتھ قرابت ان کی دامادی اسلام میں سبقت اور محنت کشتی ہر اعتبار سے وہ اس کے اہل ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا: ان کی طبیعت میں بے کار وقت گزارنا اور خوش طبعی کرنا شامل ہے۔ میں نے کہا: پھر طلحہ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا: ان کے غرور و نخوت کا کیا علاج ہوگا؟ میں نے کہا: عبدالرحمن بن عوفؓ کیسے رہیں گے؟ فرمایا: وہ صالح تو ہیں مگر کمزور ہیں۔ میں نے کہا: پھر سعدؓ کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ فرمایا: وہ سالہ افواج اور مرد میدان ہیں لیکن اگر ایک قصبہ کے بھی والی مقرر ہو گئے تو اسے سنبھال نہ سکیں گے۔ میں نے کہا: پھر حضرت زبیرؓ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ فرمایا: وہ خوش ہوں تو مومن با صفا ہیں اور اگر غضب میں ہوں تو بہت تند تو ہیں۔ یہ خلافت کا معاملہ ہے اس کا اہل فقط وہی شخص ہو سکتا ہے جو قوی ہو مگر تند نہ ہو۔ نرم ہو مگر کمزور نہ ہو۔ سخی ہو مگر مسرف نہ ہو۔ میں نے کہا: تو حضرت عثمانؓ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ فرمایا: اگر وہ خلیفہ ہو گئے تو بنو ابی معیط کو لوگوں کی گردنوں پر سوار کر دیں گے۔ اور اگر انھوں نے ایسا کیا تو لوگ انھیں قتل کر ڈالیں گے۔





اور حضرت ابوبکرؓ ایک دن ان کے پاس آئے اور کچھ پینے کو مانگا۔ لڑکے نے کہا "میں امانت دار ہوں آپ کو کچھ نہیں پلاؤں گا۔" اس پر رسول اکرمؐ نے فرمایا: "تمہارے ریوڑ میں کوئی ایسی بکری ہو جسے نہ نرنے نہ چھوا ہو تو وہ لے آؤ۔" لڑکے نے ایک ایسی بکری آپ کے حوالے کی۔ آپ نے اس کے تھنوں کو ہاتھ لگایا تو وہ دودھ سے بھر آئے۔ حضرت ابوبکرؓ ایک پیالہ نہا پتھر لے آئے۔ آپ نے دودھ دوبا۔ خود بھی پیا اور ابوبکرؓ کو بھی پلایا۔ اس کے بعد آپ نے تھنوں سے کہا "سبکڑھاؤ" چنانچہ وہ اپنی اصلی حالت پر آ گئے۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اسلام قبول کئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دالبستہ رہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے ساتھیوں میں قرآن کے سب سے زیادہ حافظ اس کے سب سے بڑے راوی اور مکہ میں قرآن مجید کو علانیہ سنانے میں سب سے زیادہ جری تھے، عبداللہ بن مسعودؓ نے پہلے حبشہ ہجرت کی اور پھر مدینہ شریف ہجرت کی۔ رسول خداؐ نے ہاجرین میں ان کی مواخاۃ حضرت زبیر بن العوامؓ اور انصار میں حضرت معاذ بن جبلؓ کے ساتھ قائم کی۔ حضرت ابن مسعودؓ بدو اعداء و دیگر تمام جنگوں میں رسول خداؐ کے ساتھ رہے۔ یہی ہیں جنہوں نے جنگ بدر میں زخمی پڑے ہوئے تھا وہیں کاسر کاٹا تھا۔ ابن مسعودؓ سفر و حضر میں ہمیشہ رسول خداؐ کے ساتھ رہے۔ یہاں تک کہ وہ آپ کے اہل بیت میں شمار کئے جانے لگے۔ وہ رسول خداؐ کے دور

قیام میں ہر دم حاضر خدمت رہتے۔ جب آپ کہیں جانے لگتے تو وہ آپ کو پاؤں پر  
 پینٹتے اور عصائے آگے آگے چلتے۔ جب آپ جاگے نشست پر پہنچ جاتے تو وہ  
 آپ کے پاؤں اتار کر بل میں دبلیتے۔ عصا آپ کے حوالے کر دیتے اور منتظر حکم  
 کھڑے رہتے۔ دوران سفر میں رسول خدا کے بستر بچھونے اور وضو کا اہتمام حضرت  
 عبداللہ بن مسعودؓ ہی کے ذمہ ہوتا تھا۔ آنحضرتؐ کو ان سے بہت محبت تھی۔ اور  
 دوسروں کو بھی ان سے محبت کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز اصحاب  
 رسولؐ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو درخت پر چڑھتے دیکھا تو ان کی بتی بتی  
 پنڈلیاں دیکھ کر انہیں ہنسی آگئی۔ اس پر آپؐ نے فرمایا یہ دونوں پنڈلیاں روز  
 قیامت میزان میں جیل احد سے زیادہ دزنی ہوں گی۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ  
 وسلم نے وفات پائی اور مسلمان فتوحات کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو گئے تو حضرت  
 عبداللہ بن مسعودؓ شام کی طرف چلے گئے۔ اور حمص میں اقامت اختیار کر لی۔  
 حضرت عمرؓ نے انہیں کوفہ بھیج دیا، اور اہل کوفہ کو تلقین کی کہ وہ ان سے علم دین  
 اخذ کریں۔ حضرت عمرؓ نے اہل کوفہ کو بتایا کہ "میں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ  
 کو تمہارے پاس بھیج کر تمہیں اپنی ذات پر ترجیح دی ہے۔"  
 حضرت عمرؓ کی شہادت اور حضرت عثمانؓ کی بیعت کے وقت حضرت  
 عبداللہ بن مسعودؓ مدینہ میں موجود تھے۔ اس کے بعد وہ بہ سرعت تمام کوفہ  
 چلے گئے۔ جب وہاں پہنچے تو لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا "یو لوگ بقید حیات

ہم نے ان میں سے بہترین شخص کو خلافت کے لئے منتخب کیا ہے اور اس ضمن میں حتیٰ الامکان کوئی کوتاہی نہیں کی یہ کہہ کے انہیں حضرت عثمانؓ کی بیعت کر لینے کی ترغیب دی۔

جب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حاکم کوفہ تھے تو ابن مسعودؓ بیت المال کے والی تھے۔ جب حضرت سعدؓ کوفہ کی حکومت سے معزول کر دیئے گئے تو ابن مسعودؓ ولید بن عقیہ کے ابتدائی عہد تک اپنے عہدے پر برقرار رہے۔ ولید نے بیت المال سے کچھ قرض مانگا۔ ابن مسعودؓ نے کچھ قرض دیدیا۔ بیت المال سے قرض لینا کوئی غیر مانوس بات نہ تھی۔

جب قرض کی سبعا دگر گئی تو ابن مسعودؓ نے ولید سے قرض ادا کرنے کے لئے کہا۔ اس نے بات ٹال دی۔ ابن مسعودؓ نے اصرار کیا اس پر ولید نے ایک خط میں حضرت عثمانؓ سے ابن مسعودؓ کی شکایت کی۔ حضرت عثمانؓ نے ابن مسعودؓ کو لکھا، تم ہمارے خزانچی ہی تو ہو لہذا ولید نے بیت المال سے جو کچھ لیا ہے اس کے بارے میں تعرض نہ کرو۔ اس پر عبداللہ بن مسعودؓ کو غصہ آیا اور بیت المال کی چابیاں پھینک اپنے گھر میں جا کر بیٹھ رہے اور لوگوں کو وعظ نصیحت کرنے اور تعلیم دین دینے میں لگ گئے۔ اس وقت سے امور سیاست اور امور مال کے ضمن میں عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت عثمانؓ کی مخالفت شروع کر دی۔ جب حضرت عثمانؓ نے مرکز کی طرف سے قرآن مجید کے نسخے اطراف مملکت میں بھیجنے کی ہم شروع کی اور اس کی کتابت دید بن ثابت کی زیر نگرانی مسلمانوں کی ایک جماعت کے ذمہ لگائی اور



قرآن کے دیگر نسخوں کو جلانے کے احکامات جاری کئے تو قرآن کے نسخوں کے جلاؤں پر لوگوں نے حضرت عثمانؓ کی مخالفت کی اور ان پر اعتراضات کئے، اس موقع پر عبد بن مسعودؓ کی مخالفت مزید شدت اختیار کر گئی اور ان کی تنقید حضرت عثمانؓ کے میں اور زیادہ سخت ہو گئی۔ وہ ہر جمعرات کو لوگوں سے خطاب کرتے تھے، اپنی میں وہ کہا کرتے تھے: صادق ترین قول خدا کی کتاب ہے۔ اور بہترین طریق محمدؐ کا طرز عمل ہے۔ بدترین امور وہ ہیں جنہیں اپنی طرف سے دین میں اسکر کر لیا گیا ہو (یعنی بدعتیں) اور دین میں نیا اضافہ بدعت ہے۔ ہر بدعت گمراہی اور ہر گمراہی کا ٹھکانا جہنم ہے۔ ولید نے یہ سب باتیں حضرت عثمانؓ کو لکھ بھیجیں اور انہیں بتایا کہ عبداللہ بن مسعودؓ آپ کی عیب جوئی اور آپ پر تنقید کرتے ہیں۔ اور آپ کی کارروائیوں کو قابل اعتراض گردانتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے ان کو لکھا کہ عبداللہ بن مسعودؓ کو مدینہ بھیج دیا جائے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ کو مدینہ بھیج دیا گیا۔ جب وہ کوفہ سے نکلے تو اہل کوفہ نہایت اعزاز و احترام سے ان کو پھوڑنے کے لئے آئے اور انتہائی گرم جوشی سے انہیں الوداع کیا۔ حضرت ابن مسعودؓ جب مدینہ پہنچے اور مسجد نبویؐ میں داخل ہوئے تو ان کو حضرت عثمانؓ شہیر رسولؐ پر خطبہ دے رہے تھے۔ جب انہوں نے حضرت ابن مسعودؓ کو داخل ہوتے دیکھا تو لوگوں سے کہا: لوگو! تمہارے پاس ایک چھوٹا سا رینگ کر چلنے والا جانور آیا ہے، جو اپنی خوراک کو پاؤں تلے ریتا

اس پر بول دیراز کرتا ہے۔" یسن کر ابن مسعودؓ نے کہا "میں ایسا نہیں ہوں۔ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی ہوں۔ جو جنگ بدر اور بیعت رضواں کے روز رسول خدا کی رفاقت میں تھا، حضرت عائشہؓ نے آواز دی۔ اے عثمانؓ! آپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مصاحب کو ایسا کہہ رہے ہیں! اس کے بعد حضرت عثمانؓ کے حکم سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو سختی کے ساتھ مسجد سے نکال دیا گیا۔ انہیں زمین پر گرا دیا گیا جس سے ان کی پسلی ٹو گئی، یہ دیکھ کر حضرت علیؓ کھڑے ہوئے اور حضرت عثمانؓ کو اس حرکت پر ملامت کی اور کہا "آپ ولید کے کہنے میں آکر ایک صاحب رسول اللہؐ کے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہیں!" حضرت عثمانؓ نے جواب دیا "میں نے یہ کچھ ولید کے کہنے پر ہی نہیں کیا بلکہ میں نے زبید بن کثیر کو بھیجا تھا اور اس نے اپنے کانوں سے سنا کہ عبداللہ بن مسعودؓ میرے خون کو مباح قرار دیتے ہیں۔" حضرت علیؓ نے کہا "زبیدؓ تو ناقابل اعتبار آدمی ہے" پھر حضرت علیؓ نے حضرت ابن مسعودؓ کو اکھڑا کر ان کے گھر پہنچوا دیا۔

حضرت عثمانؓ نے اسی پریس نہ کیا۔ بلکہ انھوں نے حضرت ابن مسعودؓ کا وظیفہ بھی بند کر دیا اور انھیں مدینہ شریف میں نظر بند کر دیا، حضرت ابن مسعودؓ نے مجاہدین میں شامل ہو کر شام جانا چاہا۔ مگر حضرت عثمانؓ نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ ان سے مردان نے کہہ دیا کہ اس شخص نے کوفہ کو



آپ سے برگشتہ کر دیا ہے اب آپ اسے یہ موقع نہ دیں کہ وہ شام کو بھی آپ سے برگشتہ کر دے۔

—  
 بدین صہبت ابن مسعود حضرت عثمانؓ کی مخالفت لئے کوفہ سے مدینہ منتقل ہوئے وہاں کوئی دو تین برس مقیم رہے اور اس مخالفت کو پھیلاتے رہے۔ اسی اثنا میں ان کی موت واقع ہو گئی۔ راویوں کا بیان ہے کہ مرض الموت میں حضرت عثمانؓ ان عیادت کے لئے گئے تھے۔ مابعد کی باتوں میں راوی باہم مختلف الزامات لگاتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ابن مسعودؓ سے معذرت چاہ لی۔ اور دونوں باہم راضی ہو کر ایک دوسرے کے لئے دعائے مغفرت کی۔ چنانچہ جب ابن مسعود فوت ہوئے تو ان کی نماز جنازہ حضرت عثمانؓ ہی نے پڑھائی۔ دوسرے گروہ خیال ہے کہ جب حضرت عثمانؓ عیادت کو آئے تو ابن مسعودؓ ان سے اچھی طرح پیشینہ آئے۔ حضرت عثمانؓ نے پوچھا۔ کیا تکلیف ہے؟ ابن مسعودؓ نے میرے گناہ میری تکلیف ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے پوچھا۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟ ابن مسعودؓ نے کہا۔ رحمت خداوندی۔ حضرت عثمانؓ نے کہا۔ آپ کا وظیفہ میرے جاری کر دوں۔ ابن مسعودؓ نے کہا۔ جس وقت ضرورت تھی۔ آپ نے رکھ لیا۔ اب جب ضرورت نہیں تو جاری کر رہے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا۔ وہ میرے اہل و عیال کے کام آئے گا۔ ابن مسعودؓ نے کہا۔ ان کی روزی خدا کے ذریعہ حضرت عثمانؓ نے کہا۔ اے ابو عبد الرحمن میرے لئے خدا سے مغفرت کی دعا



رائیں۔ ابن مسعودؓ نے کہا۔ ”میں خدائے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ سے میرا مقام لے۔“

راویوں کا بیان ہے کہ جب حضرت عثمان چلے گئے تو حضرت ابن مسعودؓ نے وصیت کی کہ وہ ان کی نماز جنازہ نہ پڑھیں۔ چنانچہ ابن مسعودؓ فوت ہوئے تو حضرت ان کو کسی نے خبر نہ دی۔ حضرت عمار بن یاسرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور انھیں دفن کر دیا۔ اگلے روز جب حضرت عثمانؓ ایک نئی قبر کے پاس سے گزرے تو پوچھا یہ کس کی ہے؟ انھیں بتایا گیا کہ یہ ابن مسعودؓ کی قبر ہے، اس پر حضرت عثمانؓ کو غصہ آیا اور کہا ”مجھے خبر دیئے بغیر ہی تم نے انھیں دفن کر دیا۔ چنانچہ حضرت عمار بتایا کہ ان کی وصیت تھی کہ آپ ان کی نماز جنازہ نہ پڑھیں۔ چنانچہ حضرت ان نے اس بات کو دل میں رکھا۔ اور یہ بھی حضرت عمارؓ کے خلاف حضرت عثمانؓ غیظ و غضب کا ایک سبب تھا۔

ظاہر ہے کہ یہ کہانی من گھڑت اور مصنوعی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کی سیرت شایان شان یہی بات ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کو معاف کر دیتے اور ان کے دعائے مغفرت کرتے، کیونکہ ابن مسعودؓ کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے صحابہ دل یہ ہے کہ ابن مسعودؓ خوش اطواری خوش خوئی اور خوش سلوکی میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ مشابہ تھے، مزید برآں ابن مسعودؓ ان اشخاص میں سے تھے جو سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والے اور قرآن پر عمل کرنے والے تھے۔

لہذا یہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت ابن مسعودؓ نے خدائے عزوجل کا یہ قول نہ پڑھا ہو۔

وَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ فَلَهُ ذَالِكُ لِمَنْ عَزَمَ

الرُّمُوزِ (۲۲)

یہ روایت ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے خدائے عزوجل کا یہ قول پڑھا اور اس نے صبر و استقامت سے کام لیا اور دوسرے کی کمزوری کو ڈھانپ دیا تو یہ بڑے عظیم ارادے اور ہمت کا کام ہے۔

اس لحاظ سے ابن مسعودؓ کے شایان شان یہی ہے کہ انھوں نے صبر کیا

ہوگا اور عفو سے کام لیا ہوگا، اور ہمت و ادب و العزیز کو ترجیح دی ہوگی۔

یہ روایت ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے خدائے عزوجل کا یہ قول پڑھا اور اس نے صبر و استقامت سے کام لیا اور دوسرے کی کمزوری کو ڈھانپ دیا تو یہ بڑے عظیم ارادے اور ہمت کا کام ہے۔

اس لحاظ سے ابن مسعودؓ کے شایان شان یہی ہے کہ انھوں نے صبر کیا

ہوگا اور عفو سے کام لیا ہوگا، اور ہمت و ادب و العزیز کو ترجیح دی ہوگی۔

یہ روایت ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے خدائے عزوجل کا یہ قول پڑھا اور اس نے صبر و استقامت سے کام لیا اور دوسرے کی کمزوری کو ڈھانپ دیا تو یہ بڑے عظیم ارادے اور ہمت کا کام ہے۔

اس لحاظ سے ابن مسعودؓ کے شایان شان یہی ہے کہ انھوں نے صبر کیا

ہوگا اور عفو سے کام لیا ہوگا، اور ہمت و ادب و العزیز کو ترجیح دی ہوگی۔

یہ روایت ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے خدائے عزوجل کا یہ قول پڑھا اور اس نے صبر و استقامت سے کام لیا اور دوسرے کی کمزوری کو ڈھانپ دیا تو یہ بڑے عظیم ارادے اور ہمت کا کام ہے۔

اس لحاظ سے ابن مسعودؓ کے شایان شان یہی ہے کہ انھوں نے صبر کیا

ہوگا اور عفو سے کام لیا ہوگا، اور ہمت و ادب و العزیز کو ترجیح دی ہوگی۔

یہ روایت ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے خدائے عزوجل کا یہ قول پڑھا اور اس نے صبر و استقامت سے کام لیا اور دوسرے کی کمزوری کو ڈھانپ دیا تو یہ بڑے عظیم ارادے اور ہمت کا کام ہے۔

اس لحاظ سے ابن مسعودؓ کے شایان شان یہی ہے کہ انھوں نے صبر کیا

# سُوال باب

## حضرت ابوذر غفاریؓ

حضرت ابوذرؓ کا تعلق بنی کنانہ کی شاخ غفار سے تھا۔ وہ عہد جاہلیت میں  
 سے کنارہ کش رہے لہذا اپنے اس انداز زندگی کے سبب سے درویش معلوم  
 تھے۔ ایک روز وہ مکہ میں آئے۔ وہاں رسول خداؐ کی بابت کچھ باتیں کان میں  
 پیں۔ اشتیاق ملاقات کشاں کشاں لے گیا۔ ملاقات ہوئی۔ آپؐ کی باتیں  
 سنیں۔ اور مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد وہ مکہ میں زیادہ دیر نہ ٹھہرے۔ بلکہ آنحضرتؐ  
 یرت مدینہ کے بعد خود بھی ہجرت کو کے آپؐ سے مدینہ میں جا ملے اس اعتبار سے  
 پہلے پہل اسلام قبول کرنے والوں میں سے ہیں اور ان بزرگوں میں سے ہیں  
 میں رسول خداؐ بہت چاہتے تھے اور جن کی آپؐ بہت زیادہ تعریف فرماتے تھے  
 نبیؐ آپؐ فرمایا کرتے تھے۔



مَا أَقَلَّتِ الْغُبَرَاءُ وَلَا أَظَلَّتِ الْحَضَرَاءُ رَجُلًا  
أَمَدَقَ لِحْجَةً مِنْ أَبِي ذَرٍّ

زمین کے اور گنبد نیلوسری کے ساتھ تھے کوئی فرد بھی ابو ذر سے

زیادہ صاف گواہ در بیاک نہیں ہوا۔

اسی طرح آپ یہ بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

يُبْعَثُ أَبُو ذَرٍّ أُمَّةً وَحِيدَةً

ابو ذر تنہا ایک امت کی شکل میں اٹھایا جائے گا۔

حضرت ابو ذرؓ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو

حکم دیا تھا کہ جب مدینہ کی آبادی بڑھ کر مقام سلع تک پہنچ جائے تو مدینہ کو

خیر باد کہہ دینا۔ وہ عہد ابوبکرؓ و عمرؓ اور آغاز خلافت عثمانؓ میں مدینہ ہی

رہے پھر انھوں نے دیکھا کہ آبادی سلع تک پہنچ گئی ہے۔ لہذا انھوں نے

حضرت عثمانؓ سے شام کی طرف بارادہ جہاد ہجرت کر جانے کی اجازت چاہی

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ عہد عمرؓ ہی میں شام چلے گئے تھے۔ اور وہاں کے سرکار

وظائف کے حیر میں ان کا اندراج تھا۔

حضرت ابو ذرؓ حج کے لئے آتے تو مدینہ کی زیارت بھی کرتے۔ اور حضرت

عثمانؓ سے کچھ وقت روضہ رسولؐ کی ہمائیگی میں ٹھہرنے کی اجازت طلب کر لیتے

اور حضرت عثمانؓ انھیں اجازت دے دیا کرتے، ایک روز حضرت ابو ذرؓ کی یاد

میں کہ حضرت عثمانؓ مروان بن حکم کو بہت ساز و مال اور اس کے بھائی عمارؓ بن حکم کو تین لاکھ درہم دے رہے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی دیکھا کہ وہ حضرت زید بن ثابتؓ انصاریؓ کو ایک لاکھ درہم عطا کر رہے ہیں انہیں یہ بخشش و تابل اعتراض معلوم ہوئی، ان کی نظر میں بخشش کی یہ مقدار بھی بہت زیادہ تھی چنانچہ حضرت ابوذرؓ سے نہ رہا گیا اور انہوں نے کہا "دولت جمع کرنے والوں کو عذاب دوزخ کی بشارت دیدو" اور ساتھ ہی یہ آیہ کریمہ تلاوت کی۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (۹۱)

اور جو لوگ سونے چاندی کے ذخیرے جمع کر رکھتے ہیں اور انہیں راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے انہیں المناک عذاب کی بشارت دیدے۔

مروان نے حضرت ابوذرؓ کے اس قول کا شکوہ حضرت عثمانؓ سے کیا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے ان کے پاس اپنا ملازم بھیج کر انہیں ایسی باتوں سے منع کیا۔ اس پر حضرت ابوذرؓ نے کہا، کیا حضرت عثمانؓ مجھے کتاب اللہ کی قرأت اور حکم خداوند کی نافرمانی کرنے والوں کی نکتہ پسنی سے منع کرتے ہیں؟ اگر حضرت عثمانؓ ناراض ہو جائیں اور خدا راضی رہے تو یہ بات مجھے زیادہ عزیز ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ حضرت عثمانؓ راضی ہوں اور خدا ناراض ہو جائے۔ حضرت عثمانؓ نے ان کے



بارے میں تجل سے کام لیا۔ لیکن حضرت ابوذرؓ اپنی تنقید و تنقیص پر باصراحت آم  
 رہے۔ اقتصاد و قناعت کی بدستور دعوت دیتے رہے۔ اور مال و دولت کی ذخیرہ  
 اندوزی کے خلاف متواتر لوگوں کو متفر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک روز جب  
 وہ حضرت عثمانؓ کے پاس بیٹھے تھے اور وہاں کعب الاحبارؓ بھی موجود تھا تو اٹھائے  
 گفتگو میں حضرت عثمانؓ نے پوچھا "کیا امام کے لئے بیت المال سے اس شرط پر  
 قرض لینا جائز ہے کہ جب ہاتھ کھلا ہو تو واپس کر دے؟" کعب الاحبارؓ نے کہا "میرے  
 خیال میں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوذرؓ کو غصہ آگیا  
 اور کعبؓ سے کہا "اے یہودی زادے! کیا تم ہمیں ہمارا دین سکھاتے ہو؟"  
 حضرت عثمانؓ اس پر غضبناک ہوئے اور انھوں نے حضرت ابوذرؓ کو حکم دیا  
 کہ وہ شام چلے جائیں۔ بعض دیگر راوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوذرؓ حضرت  
 عثمانؓ سے کہہ رہے تھے کہ وہ لوگ جو زکوٰۃ دیتے ہیں انھیں صرف ادائیگی  
 زکوٰۃ پر ہی اکتفا نہ کرنا چاہیے، بلکہ انھیں چاہیے کہ وہ بھوکوں کو کھانا کھلا  
 سائل کو خیرات دیں اور ہمسایوں سے سلوک کریں۔ یہ سن کر کعب الاحبارؓ نے  
 کہا "خس نے فریضہ ادا کر دیا وہ سبکدوش ہو گیا" اس پر ابوذرؓ نے کعبؓ کی دست  
 و زبان سے خاصی تواضع کی۔ اس لئے حضرت عثمانؓ نے انھیں حکم دیا کہ وہ اپنے شا  
 کے دفتر سے ملحق ہو جائیں۔

کوئی صورت بھی ہو بہر حال حضرت ابوذرؓ شام چلے گئے لیکن وہاں بھی



زیادہ دیر نہ ٹہر سکے۔ انھوں نے شام میں بھی رہی کچھ کہتا شروع کیا جو مدینہ شریف میں کہا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں حضرت معاویہؓ کے بیٹ سے اقدامات پر اعتراضات اٹھانے شروع کر دیئے۔ انھوں نے حضرت معاویہؓ کے اس قول کی تردید کی کہ بیت المال کا مال خدا کا مال ہے اور کہا کہ وہ مسلمانوں کا مال ہے۔ انھوں نے امیر معاویہؓ کے تعمیر خضر اور پر بھی اعتراضات کئے۔ اور کہا "اگر تم نے اسے مال مسلمانوں سے تعمیر کرایا ہے تو ضمانت کی ہے اگر اپنے مال سے تعمیر کرایا ہے تو فضول خرچی کا ارتکاب کیا ہے" حضرت ابوذرؓ یہ بھی کہا کرتے تھے۔ "اغنیاء کو فقراء کے حقوق تلف کرنے سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔" لوگ حضرت ابوذرؓ کے گرد جمع ہو جایا کرتے تھے۔ ان کے ارشادات کو سن تو جس سے سنتے اور ان کی دعوت قبول کر سکتے تھے۔ حتیٰ کہ امیر معاویہؓ کو حضرت ابوذرؓ کی اس دعوت سے اہل شام کے برگشتہ ہو جانے کا خطرہ دامنگیر ہو گیا۔ چنانچہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں شکایت نامہ ارسال کیا۔ حضرت عثمانؓ نے جواباً تحریر کیا ابوذرؓ کو سخت بے پالاں سواری کے ذریعے مدینہ بھیج دیا جائے۔ حضرت معاویہؓ نے تمیذا بڑی دھشتی و بے مروتی کے ساتھ اہمیں مدینہ کی طرف روانہ کر دیا۔ مدینہ پہنچے پر وہاں بھی انھوں نے اپنی تبلیغ جاری رکھی۔ اور یہ کہتے رہے کہ اصحاب زر کو ان آئین سلاخوں کی ضمانت دید و جن سے ان کی پیشانیاں۔ پہلو اور پیشیں داغی جائیں گی۔ ساتھ ہی وہ حضرت عثمانؓ پر بھی طعن و اعتراضات کرتے لگے۔ گئے کیونکہ انھوں نے

مسلمانوں کے مال میں آزادانہ تصرف شروع کر دیا تھا۔ نو عمر افراد کو عامل بنانا  
تھے اور طلقاً رافعہ کے موقع پر معافی دیئے ہوئے مغلوین کے فرزندوں کو مناسبت  
حکومت عطا کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ ان باتوں سے حضرت عثمان تنگ آگئے۔  
اس کے بعد جو کچھ ہوا راوی اس کے بارے میں مختلف الزامات ہیں۔ کوئی یہ  
کہتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوذرؓ کو حکم دیا کہ وہ مدینہ سے نکل جائیں اور  
جہاں چاہیں جا کر مقیم ہو جائیں۔ البتہ شام، کوئٹہ، بصرہ اور مکہ میں اقامت  
گزیں ہونے سے منع کر دیا۔ حضرت ابوذرؓ نے ”ربذہ“ کو منتخب کیا اور حضرت عثمانؓ  
نے انہیں وہاں مقیم ہونے کی اجازت دیدی۔ چنانچہ حضرت ابوذرؓ تادم مرگ  
ربذہ ہی میں مقیم رہے۔ دوسرے گروہ کا بیان ہے کہ ربذہ کا انتخاب حضرت  
ابوذرؓ نے خود نہیں کیا تھا بلکہ حضرت عثمانؓ نے شہر بدر کے ربذہ کی طرف بھاگ  
دیا تھا۔ لہذا وہ وہاں مقیم رہے حتیٰ کہ مرگ غریب نے انہیں قید حیات  
سے نجات دلائی۔ ان کی اہلیہ محترمہ کے پاس ان کے دفن کے لئے بھی کچھ نہ تھا  
ان کے دفن کا انتظام اہل عراق کی ایک جماعت نے کیا جو حج یا عمرہ کی نیت  
سے اتفاقاً وہاں سے گزر رہی تھی۔ حضرت عثمانؓ کو جب حضرت ابوذرؓ کی موت  
کا علم ہوا تو ان کے لئے دعائے مغفرت کی۔ اور ان کے اہل و عیال کو اپنے  
اہل و عیال میں شامل کر لیا۔

حضرت عمار بن یاسرؓ نے حضرت ابوذرؓ کی اس مسکنت پر رنج و قلق

رحم و مہربانی کا اظہار کیا۔ جس کا مطلب حضرت عثمانؓ نے یہ لیا کہ عمارؓ انہیں  
 حضرت ابوذرؓ کی جلا وطنی پر ملامت کر رہے تھے۔ لہذا حضرت عثمانؓ حضرت عمارؓ  
 سے ناراض ہو گئے اور حکم دیا کہ وہ بھی جلا وطن ہو کر رندہ چلے جائیں۔ جب حضرت عمارؓ  
 رندہ جانے کے لئے تیار ہو گئے تو ان کے حلیف بنو مخزوم کو طیش آ گیا۔ حضرت علیؓ  
 بھی غضبناک ہو گئے اور حضرت ابوذرؓ کی جلا وطنی پر حضرت عثمانؓ کو برا بھلا کہا نیز حضرت عمارؓ کے  
 بائیس میں باز رہنے کی ہدایت کی اس موقع پر دونوں بزرگوں میں جھڑپ بھی ہو گئی۔  
 حتیٰ کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ سے کہا آپ حضرت عمارؓ سے افضل نہیں ہیں۔ آپ  
 بھی اس سے کم جلا وطنی کے مستحق نہیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے دعوت مبارک دیتے  
 ہوئے کہا: اگر آپ کی مرضی ہو تو یہ بھی کر دیکھیں۔ یہ رنگ دیکھ کر ہاجرین اٹھ  
 اور اکھنوں نے بھی حضرت عثمانؓ کو ملامت کی اور کہا "جب بھی آپ کسی سے ناراض  
 ہوتے ہیں تو اسے جلا وطن کر دیتے ہیں۔ یہ کوئی مناسب اقدام نہیں ہے۔ چنانچہ  
 حضرت عثمانؓ باز آ گئے اور حضرت عمارؓ یا حضرت علیؓ سے کوئی تعزیر نہ کیا۔

جیسا کہ آپ نے دیکھا حضرت ابوذرؓ کی مخالفت کا تعلق بنیادی طور پر نظام  
 اجتماعی کی وجہ سے تھا۔ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ دو متمدد امتداد و متمدد  
 ہو جائے کہ سونے چاندی کے انبار لگانے لگے اور غریب اتنا غریب ہو جائے کہ  
 اس کے پاس خرچ کے لئے پھوٹی کوڑی بھی نہ رہے۔ پھر وہ اس امر کو بھی ناپسند  
 کرتے تھے کہ امام مسلمانوں کا مال بلا استحقاق دو متمددوں کو عطا کر کے انہیں



دولت مند تراور محتاجوں کو محتاج تر بنادے۔ انہیں یہ گوارا نہ تھا کہ سخاوت کا موردان لوگوں کو نیا یا جاسے۔ انہیں اس کی ضرورت نہیں یا اس مال کو عوام کی رفاہ و بہبودی کے علاوہ کسی اور کام پر خرچ کیا جاسے۔ علاوہ ازیں وہ خلیفہ کو ہرگز اس بات کا حقدار نہ سمجھتے تھے کہ انہیں تنقید سے روکے یا اعتراض اٹھانے پر مجبور کرے۔ انہیں رضائے الہی جو غضب سلطانی کی مستلزم ہو اس رضائے سلطانی سے زیادہ محبوب تھی جو غضب الہی کی مستوجب ہو۔

پھر ابوذرؓ کی مخالفت پچیدہ تر ہو کر بیانی شکل اختیار کر گئی۔ انہوں نے خلیفہ اور گورنروں کو مالِ مسلمین کے ناحق صرف کرنے پر ملامت کرنے پر بس نہ کی بلکہ وہ گورنروں کی تقرری اور معزولی کے بارے میں بھی حضرت عثمانؓ کی سیاست پر گرفت کرتے اور نوجوانوں اور طلاقاء کے بیٹوں کے انتخاب پر انگشت نمائی کرنے لگ گئے۔ لیکن اس تمام مخالفت اور تنقید کے باوجود نہ حضرت ابوذرؓ نے علمِ بغاوت بلند کیا اور نہ اطاعت سے دستکش ہوئے نہ انہوں نے خلیفہ کی سزا کرنے سے انکار کیا نہ اس کی طرف سے کسی پہنچائی جانے والی تکلیف کی کبھی مدافعت کی، حضرت ابوذرؓ کی مخالفت سبلی تھی جو شدید تنقید اور چھینے والی سخت نصیحت سے منحصر تھی۔ یہی باعث ہے کہ جب انہیں شام جانے کا حکم دیا گیا تو وہ شام چلے گئے۔ رندہ کا حکم ملا تو وہ رندہ چلے گئے۔ اور یہی کہتے رہے کہ مجھے تو اطاعت کا دیا گیا ہے۔ خواہ میرا امیر کوئی ناک کٹا ہوا غلام ہی کیوں نہ ہو۔ جو لوگ یہ جانتے

تھے کہ حضرت ابوذرؓ ایجابی مقابلہ میں ان کی قیادت کریں۔ انہیں وہ یہ جواب دیا کرتے تھے کہ اگر حضرت عثمانؓ مجھے کسی اونچے کچھڑ کے تنے سے لٹکادیں تب بھی میں نافرمانی نہیں کروں گا۔

گویا حضرت ابوذرؓ یہ اپنا جائز حق سمجھتے تھے کہ اسکا فی حد تک مخالفت کرتے رہیں لیکن یہ کچھ دائرہ اطاعت میں رہ کر امام کی بغاوت سے بچتے ہوئے کریں۔

❦❦❦

# اکیسواں باب

## حضرت عمار بن یاسرؓ

حضرت عمار بن یاسرؓ در ماندگانِ ائمہ میں سے تھے، ان کے والد یا سر مبنی النسل اور بنی مخزوم کے حلیف تھے۔ والدہ سمیہ بنی مخزوم کی باندیوں میں سے تھیں۔ عمارؓ حضرت صہیبؓ کے ساتھ رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ اس وقت تک جو لوگ اسلام قبول کر چکے تھے ان کی تعداد کچھ اوپر نہ تھی۔ ان کے اسلام لانے کے بعد ان کے والدین بھی مسلمان ہو گئے۔ اس پر قریشی اس پورے خاندان کو خوب تکلیفیں پہنچانے لگے، حضرت عمارؓ کو بھی چلائی دھوئی میں مکہ کی ریتی زمین پر لٹایا جاتا اور کبھی آگ سے جلایا جاتا۔ قریش انہیں مبتلائے عذاب کرتے اور کہتے کہ اس وقت تک معاف نہ کریں گے جب تک کہ تم اپنے نیا کو میرا کھلا نہ کہو اور ہمارے بتوں کی تعریف نہ کرو۔ حضرت عمارؓ



نے اپنا دکھڑا رسول اکرمؐ کے حضور سنایا۔ آپؐ نے فرمایا:

إِنْ عَادُوا فَعُدُّ

اگر وہ عود کریں تو تم بھی عود کرنا۔

خدا نے عزوجل نے قرآن مجید میں حضرت عمارؓ کے بارے میں کئی آیات نازل کیں۔

حضور اکرمؐ کو ان کی اور ان کے والدین کی حالت زار پر سخت رنج ہوتا تھا۔ آپؐ ان پر اور ان کے والدین پر ترس کھاتے اور جب کبھی ان کے پاس سے ایسی حالت میں گزرتے

کہ ان کو تکلیفیں دی جا رہی ہوں تو ان پر رحم کا اظہار فرماتے ان کے لئے مغفرت کی

دعا کرتے اور انہیں جنت کی بشارت دیتے۔ حتیٰ کہ ایک روز آپؐ نے فرمایا اَللّٰهُمَّ

اعْفُزْ لِقُلِّ يَا بَرٍّ وَ قَدْ فَعَلْتَ اَللّٰہی خاندانِ یاسر کی مغفرت فرما، اور تو نے

ایسا کرنا ہے۔ حضرت عمارؓ نے پہلے حبشہ اور پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ وہ پہلے شخص

تھے جنہوں نے مکہ میں اپنے گھر میں نماز کی جگہ بنا کر وہاں نماز ادا کی۔ مسجد نبوی

کی تعمیر میں بھی آپؐ نے بطرز احسن مشارکت کی۔ ہر سلمان ایک ایک اینٹ اٹھاتا

تھا اور حضرت عمارؓ نمازِ دو داینینیں اٹھاتے تھے۔ اور زبان پر یہ نغمہ جاری تھا "نَحْنُ الْمُسْلِمُونَ"

نبی المساجد، رسول خدا، یہی اس نغمے کا آخری حصہ "المساجد" ان کی آواز

میں آواز ملا کر دہراتے جاتے تھے۔ اسی طرح خندق کھودنے میں بھی حضرت

عمارؓ نے بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہاں تک کہ خود جناب رسالتؐ صلی اللہ

علیہ وسلم ان کے جسم سے گرد بھاڑتے تھے۔ جنگِ بدر و احد اور دیگر مقامات

معرکوں میں بھی وہ نبی اکرمؐ کے شانہ بشانہ شریک رہے۔ جنگ یمامہ میں انتہائی بے حیگری کے ساتھ لڑے۔ اس روز بعض مسلمانوں نے انہیں ایک چٹان پر کھڑے یہ اعلان کرتے دیکھا: "اے مسلمانو! کیا تم جنت سے بھاگتے ہو!"

حضرت عمرؓ نے انہیں پورے صوبہ کوفہ کا گورنر مقرر کیا اور ان کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بیت المال کا امین، اور حضرت خذیفہ بن الیمانؓ کو کوفہ شہر کا حاکم مقرر کیا۔ ان تینوں کو ایک بھیڑیو صبیہ بطور رات بیتی ملی جس میں نصف حضرت عمارؓ کا اور عبداللہ اور خذیفہ رضی اللہ عنہما میں سے ہر ایک کا چوتھائی حصہ ہوتا تھا۔ جب حضرت عمرؓ نے انہیں کوفہ سے معزول کیا تو پوچھا "ہمارے معزولی کے حکم پر آپ نے برا تو نہیں منایا؟" حضرت عمارؓ نے جواب دیا "اب جب آپ نے یہ بات پوچھ لی تو پھر بتائے دیتا ہوں، جب آپ مجھے گورنر مقرر کیا تھا اس وقت بھی مجھے یہ برا لگنا برا لگتا تھا اور جب آپ نے معزول کیا تو اس وقت بھی مجھے رنج ہوا۔"

حضرت عمارؓ نے بھی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ حضرت عثمانؓ کی بیعت کر لی۔ لیکن جلد ہی واقعات نے ایسا رخ اختیار کر لیا کہ حضرت عمارؓ حضرت عثمانؓ کے شدید مخالف ہو گئے۔ وہ مسلسل ان برا اعتراضات اور تنقیدیں کرتے رہے حتیٰ کہ ایک روز جب لوگوں میں چرچا ہوا کہ حضرت عثمانؓ نے بیت المال سے ہیرا نکال کر اپنے گھر والوں میں سے کسی کے لئے زیور بنا دیا تو لوگ طیش میں آئے۔

اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کو اس کا رد وائی پر ملامت کی۔ اس پر حضرت عثمانؓ غضبنا ہو گئے۔ اور لوگوں کو خطاب کر کے کہا "ہم اپنی ضروریات اسی مال غنیمت سے پوری کریں گے خواہ بعض لوگوں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ گزرے" اس پر حضرت علیؓ نے کہا "اگر ایسا کیا گیا تو آپ کو روک دیا جائے گا اور آپ کے اور بیت المال کے درمیان آڑھ کر دی جائے گی" حضرت عمار بن یاسرؓ نے کہا "میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں اس امر پر اظہارِ ناپسندیدگی کرنے والوں میں سرفہرست ہوں" جواباً حضرت عثمانؓ نے کہا "اے چاکر زادے! میرے سامنے یہ گستاخی؟" اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے انہیں گرفتار کرادیا۔ جب حضرت عمارؓ کو حضرت عثمانؓ کے پاس لایا گیا تو حضرت عثمانؓ نے انہیں اتنا پیٹا کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔ لوگ انہیں اٹھا کر ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر لے گئے۔ دن کا باقی حصہ بھی بے ہوشی میں گزرا۔ چنانچہ ظہر، عصر اور مغرب کی نماز قضا ہو گئی جب ہوش میں آئے تو وضو کیا اور نماز پڑھی اور کہا "الحمد للہ یہ پہلا موقع نہیں کہ ہم نے راہِ خدا میں تکلیفیں برداشت کی ہوں" کہا جاتا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ یا حضرت عائشہؓ نے سردار کو تین کے کچھ موئے مبارک، کپڑے۔ اور پاپوش نکال کر کہا "یہ رسول خداؐ کا کپڑا۔ بال اور پاپوش ہیں جو بالکل تازہ ہیں ان



میں کچھ کہنگی کے آثار نہیں ہوئے اور ابھی سے تم لوگ ان کی سنت کو معطل کرنے لگ گئے ہو۔ اس پر لوگوں نے شور مچا دیا۔ حضرت عثمانؓ کی حالت دگرگوں ہو گئی اور ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہیں۔

حضرت عمارؓ نے ایک بار پھر دوسرے صحابہؓ کے ساتھ ایک خط کی تحریر میں شمولیت کی جو حضرت عثمانؓ کے نام لکھا گیا تھا جس میں انہوں نے حضرت عثمانؓ کو ملامت و نصیحت کی تھی، حضرت عمارؓ یہ خط لے کر حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور اس کا ابتدائی حصہ پڑھ کر سنایا۔ حضرت عثمانؓ نے انہیں گالیاں دیں۔ اور لائیں ماریں، ان کے پیروں پر چری موزے تھے، حتیٰ کہ ایک لات لگنے کی وجہ سے حضرت عمارؓ کے پیٹ کا پردہ پھٹ جانے کی وجہ سے "فتق" بیماری ہو گئی، حضرت عمارؓ بوڑھے اور ضعیف تھے۔

حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابوذرؓ کے بارے میں حضرت عمارؓ کا تھنا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ یہ بھی قلمبند کیا جا چکا ہے کہ حضرت عثمانؓ حضرت عمارؓ کو جلا وطن کرنے کا ارادہ کر چکے تھے لیکن پھر باز آ گئے، یہ صورت یہ ہے کہ حضرت عمارؓ حضرت عثمانؓ کے شدید ترین مخالفت سب سے زیادہ ان کو کرنے والے، اور ان کے خلاف سخت طعن و تشنیع کرنے والے تھے۔ حضرت عثمانؓ کی مخالفت میں وہ میانہ رو صحابہ کرام کے بھی شریک تھے اور مدینہ کے نووارد صحابہ کے بھی۔ یہی باعث ہے کہ انہیں اس ضمن میں بار بار تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔

یہ تھے وہ لوگ جو مدینہ میں مخالفین کے سرخیل تھے۔ آپ نے دیکھ لیا کہ وہ سب کے سب صحابہ کبار اور عظماء ہاجرین میں سے تھے۔ رہے انصار تو وہ اس مخالفت میں اس لئے پیش پیش نہ تھے کہ وہ حکومت سے بے تعلق کر دیئے گئے تھے۔ تاہم دیگر عوام کی طرح وہ بھی اس مخالفت میں حصہ لیتے تھے، ان میں بھی اعتراض کرنے والے وقتاً فوقتاً اعتراض کرتے رہتے تھے۔ جیسا کہ زیاد البیہامی کے عبید اللہ بن عمر بنی کے بارے میں کہے ہوئے اشعار سے معلوم ہوتا ہے جو ہم نے پہلے درج کئے ہیں۔ انصار کی شریعت حضرت عثمانؓ کے خلاف تھی۔ ان میں بہت کم حضرت عثمانؓ کے حامی تھے۔ ان میں سب سے مقدم زید بن ثابتؓ، کعب بن مالکؓ، اور حسان بن ثابتؓ تھے۔ انصار کے سربراہ اور وہ حضرات کبھی کبھی حضرت عثمانؓ اور ان کے موثرین کے مابین لابی کی کوششیں کرتے رہتے تھے۔ جیسا کہ آئندہ صفحات میں آپ محمد بن مسلمہ مصریوں اور حضرت عثمانؓ کے مابین لابی کا تذکرہ دیکھیں گے۔

حضرت عثمانؓ کے دور میں مدینہ میں مخالفت و اعتراضات کی ایک عمومی خفیہ دھجی چل پڑی تھی، جس کے متعلق یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ چلی کہاں سے ہے۔ لیکن عوام میں اس کا چرچا ہو جاتا تھا۔ مثلاً جب حضرت عثمانؓ نے مسجد نبویؐ کی توسیع کی تو لوگ کہہ رہے تھے: رسول اکرمؐ کی مسجد کو تو وسعت دے رہے ہیں لیکن آپؐ کی سنت کی فکر نہیں کرتے۔ یا مثلاً جب مدینہ شریف میں کبوتروں کی شہرت ہو گئی اور نو جوانوں نے ان کو نشانہ بنانا شروع کیا تو حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو

یغیر ذبح کئے کبوتر مارنے سے مجتنب رہنے کی ہدایات دیں اور ایک آدمی کو اس امر پر متعین کیا کہ وہ لوگوں کو کبوتروں کا نشانہ بنانے سے روک دے۔ اس موقع پر یہ کلمات زبان زد عام تھے۔ کبوتر کو تو ذبح کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جسے نکال دیا تھا اسے پناہ دے رہے ہیں۔ یہ اشارہ حضرت عثمان غنی کے حکم بن ابی العاص اور اس کے بیٹوں کو پناہ بخشنے کی طرف تھا۔

میرا خیال ہے کہ میں نے آپ کے سامنے حضرت عثمان غنی کے دور کے لوگوں نیز اطراف مملکت اور مرکزی مخالفت کے ان حالات کا تقریباً پورا پورا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ جبکہ حادثات رونما ہو رہے تھے۔ اور اب یہ بات شکل نہیں ہی کہ ہم براہ راست ان حادثات کا جائزہ لیں۔ لہذا اب ہم ان واقعات و حادثات کو قدیم مورخین کی آراہ کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور بعد ازاں ہم ان پر اپنا تبصرہ کریں گے اور اس سلسلہ میں حتی المقدور ہم اعتدال، حق اور صواب کا دائرہ ہاتھ سے نہ چھوڑیں گے۔

✱



# بائیسواں باب

## حضرت عثمانؓ کی مخالفت کے اسباب

سلسلہ فتوحات حسب سابق | ہم سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ  
ملا اختلاف جاری تھا | قدام میں سے جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ  
کے طرز عمل پر نکتہ چینی کی ہے۔ انہوں نے

فتوحات کے ضمن میں کوئی تنقید و اعتراض نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جنگی سسٹم  
ای بیج پر جاری رہی جس پر حضرت عمرؓ کے عہد میں جاری تھی اور جس پر کاربند  
رہنے کی حضرت عثمانؓ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد ایک خط کے ذریعہ جو قسبل  
دیں درج کیا جا چکا ہے اپنے سپہ سالاروں کو ہدایت کی تھی۔ وہ لوگ جو عہد  
عثمانؓ کی تاریخ فتوحات کا بغور مطالعہ کرتے ہیں ان پر واضح ہو جاتا ہے کہ ان کے

عمال و قواد نے میدان جنگ میں مردانگی کے خوب جوہر دکھائے اور اس سلسلہ میں اپنی سابقہ روایات کو برقرار رکھا، بعض اضلاع اور صوبہ جات جو حضرت عمرؓ کے دم میں فتح ہوئے ایسے بھی تھے جہاں بغاوت ہو رہی تھی یا بغاوت کے آثار پائے جا رہے تھے اور ان کے گورنروں اور فوجی کمانڈروں نے بڑی جاہلکدستی سے اکثر اوقات جنگ کے ذریعے اور کبھی محض اظہار قوت و شوکت سے سرحدوں کے اپنی اطاعت پر مجبور کر لیا۔

جب حضرت عمرؓ فوت ہوئے تو ابیران مکمل طور پر مفتوح نہ ہو پایا تھا ابھی کسریٰ یزدجرد بقیہ حیات تھا جو شکست کھا کر ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں اور ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل ہو رہا تھا، ایک جگہ لوگ اس کے گرد جمع ہو جاتے تو دوسری جگہ لوگ اس کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔ لیکن بایں ہمہ یزدجرد و اپنی موروثی پادشاہت کے گھنڈ میں مبتلا تھا۔ وہ اپنی مغلوب رعایا۔ جنگجو افواج اور ان علاقوں کے باشندوں سے جہاں تک جنگ کے شعلے ابھی نہیں پہنچے تھے اس بات کا متقاضی تھا کہ وہ اس کی اطاعت کا دم بھریں اور اس کی پادشاہت کا اعتراف کریں۔ حضرت عثمانؓ کے عمال اور فوجی کمانڈر مسلسل ان سرحدی علاقوں میں مارتے رہتے جو کوفہ و بصرہ سے ملحق تھے اور فتح پر فتح حاصل کئے جاتے۔ وہ یزدجرد کے حامیوں کا سختی سے تعاقب کرتے اور ان کی جمعیت کو منسوخ کر دیتے۔

رہ دیتے وہ ان علاقوں اور شہروں کو اپنے زیر نگیں کر لیتے تھے یہاں یزدجرد کا حقیقی  
 اخیالی تسلط ہوتا۔ بالآخر انھوں نے یزدجرد کو مجبور کر دیا کہ وہ بے یار و مددگار وہاں  
 سے نکل بھاگے۔ اور پھر اسی بے سروسامانی کے عالم میں وہ مارا گیا اور اس طرح عبد  
 بنان بن کسریوں کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ دوسری طرف حضرت عثمان بن عفان کے عمال  
 و کمانڈروں نے ترکوں کی سرزمین میں داخل ہونا شروع کر دیا، جہاں ترکوں کے  
 اتھان کی کئی جھڑپیں ہوئیں۔ آرمینیا حضرت عثمان بن عفان کے عہد میں فتح ہوا۔ انہی کے  
 نے میں سلطنت کا اقتدار مغرب میں پھیلا۔ افریقہ زیر نگیں ہوا اور اندلس پر چڑھائی  
 گئی۔ انہی کے زمانہ خلافت میں حضرت معاویہؓ اور عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح  
 نے اس (بحری) ہم کا آغاز کیا جس پر عہد عمر رضی میں کوئی والی یا عامل قادر نہ ہو سکا  
 تھا۔ چنانچہ ان دونوں سالاروں نے رومن حکومت سے بحری جنگیں کیں اور  
 بصرہ ساپرس ان سے چھین لیا۔ حتیٰ کہ اسلامی بیڑہ تنگنائے قسطنطنیہ تک  
 پہنچا۔ اور عبد اللہ بن سعد نے جنگ ذات الصواری میں رومی بیڑے پر بھری  
 بروست فتح حاصل کی۔

حضرت عثمان بن عفان کو وہی عسکری قوت حاصل تھی جس سے حضرت عمرؓ بہر مند  
 تھے۔ بلکہ مقتوحہ علاقوں کی توسیع، سلطنت کسری کا خاتمہ اور رومن حکومت  
 غلبہ زدہ امور ہیں جو حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی حاصل نہ ہوئے تھے۔ لیکن  
 وہی چیزیں فتنہ و اختلات کا باعث بن گئیں۔ یہ فتوحات بڑی مقدار میں حال



غنیمت مسلمانوں کے قدموں پر ڈال دیتی تھیں۔ اور حضرت عثمانؓ اس مال کے بعض حصوں پر اس طرح تصرف کرتے تھے کہ بسا اوقات فوج اس پر شہتہ ہو جاتی تھی۔ جیسا کہ عبد اللہ بن سعد اور مردان بن حکم کے معاملہ میں منع ان کے موقع پر ہوا، کبھی ان کا یہ تصرف ہاجرین و انصار کو بہتر کا دیتا تھا جیسے عثمانؓ کے بیت المال کے ہیرے کو زیور بنلینے پر ہوا تھا۔ یہاں تک کہ المسلمین نے حضرت عثمانؓ کو برا بھلا کہا جس پر مگر انھوں نے عوام سے کیا اور حس کا انجام حضرت عمار بن یاسر کے زرد کو ب پر منہج ہوا۔ تاہم یہ حقیقت کہ دولت اسلامیہ کا اقتدار خارجی پالیسی کے اعتبار سے بدستور قائم رہا۔ عثمانؓ میں اس کے طعنے و دبدبہ میں کچھ اضافہ ہی ہوا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ عہد عثمانؓ میں رونما ہونے والے واقعات اور ان سے حضرت عثمانؓ کی مختلف نقطہ ہائے نظر بارے میں لوگوں کے موقف میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ تو یہ کہہ کر پوری طرح مطمئن ہو گیا کہ ان میں سے واقعات بھوٹے اور من گھڑت ہیں۔ جن کا وقوع پذیر ہونا بھی صحیح طور پر ثابت ہے۔ ان کے نزدیک یہ تمام واقعات محض افسانہ سازوں کی کارستانی تھی۔ اسلام کے خلاف سازش مقصود تھی اور مختلف جماعتوں کی باہمی سخت رد و بدل اور مخالفتوں کی وجہ سے لوگ محیور اس کا شکار ہو گئے۔ ان وجوہ کی بنا پر وہ

حادثات کا انکار کر دیتے ہیں جن واقعات کا ہونا وہ تسلیم کرتے ہیں ان کے متعلق ان کا خیال ہے کہ وہ کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے، وہ انہیں ایسے اجتہادی امور میں شامل کرتے ہیں جن میں اگر مجتہد کا فیصلہ جی برصواب ہے تو وہ ثواب کا مستحق ہے اور اگر غلطی سرزد ہو جائے تو بھی اسے ایک اجر ضرور ملے گا۔ کیونکہ ہر صورت ان کے مد نظر بہتری کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کی باہمی حقیقت کی جن روایات کو صحیح تسلیم کرتے ہیں ان کے متعلق بھی یہی رائے رکھتے ہیں کہ اس قسم کی روایات میں سے اکثر لا جہولی اور کثرت ہیں اور ان میں سے تھوڑی سی جنہیں صحیح تسلیم کرتے ہیں تو وہ بھی اسی تاویل کے ساتھ کہ یہ اجتہاد کا نتیجہ ہیں اور بموجب حدیث اجتہاد کرنے والا اگر صحیح فیصلہ پر پہنچ گیا تو اس کے لئے دو اجر ہیں۔ اگر غلط فیصلہ پر پہنچا تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔

بیشتر لوگ جو اس نقطہ نظر کے قائل ہیں وہ اس لئے یہ روش اختیار کرتے ہیں کہ ان کی نظر میں اسلام کا وہ دور نہایت مقدس مانا جاتا ہے۔ وہ یہ گوارا نہیں کرتے کہ اصحاب رسولؐ پر کبھی دہی الزام وارد کئے جائیں جو معمولاً تمام ان لوگوں پر عام کئے جاتے ہیں جن کا تعلق دنیوی امور کے دروبست سے ہوتا ہے۔ جن کی طبیعتوں میں رقابت جاگزیں ہوتی ہے اور جو اغراض نفسانی پر مرتبے ہیں کیونکہ ایسی باتیں ان بزرگوں کے شایان شان نہیں جنہوں نے رسولؐ



کی صحبتیں اٹھائی ہوں۔ بارہ خدا میں مردانہ وار کڑیاں جھیلی ہوں اور دولت  
 اسلامیہ کی بنیاد رکھنے کے لئے اپنی جان و مال اور عہد و عہد کی قربانی دی ہو  
 وہ غلطی کے ترکیب ہوں یا صحیح کام کریں یہ حبال ان کی حیثیت مجتہدین  
 کی سی ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ بہتری کے لئے ہی کوشاں رہتے ہیں۔ لہذا یہ ممکن  
 نہیں کہ وہ کیا سُر کے مجرم ہوں۔ ان سے چھوٹی چھوٹی نرو گزشتیں ہو سکتی  
 ہیں۔ حقیقت خدا اپنے نیک بندوں سے معاف کر دیتا ہے۔ اس رائے کے حامل لوگوں  
 میں چھوٹی سی تغذیہ ان کی بھی ہے جو ان رائے پر محض ذہنی کسلندی کی وجہ سے  
 کاربند ہیں کیونکہ وہ انہیں بحیثیت درمطالعہ اور مستیعاب سے روکتی ہے۔  
 یہاں دوسرا اگر وہ اپنے دلوں کو یہ کہہ کر تسلی دے لیتا ہے کہ ایسے واقعات کا  
 انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سرزد ہونا سب سے ممکن ہی نہیں۔ بلکہ  
 یہ سب عبد اللہ بن مسعود اور اس کے ہمراہ دشمنان اسلام کی حیلہ سازیاں تھیں  
 جن کے ساتھ کچھ اہل کتاب اور کچھ غیر اہل کتاب شامل ہو گئے تھے۔  
 یہ سب اہل باطن و بخونی ظاہر ہے کہ ہم نہ یہ طریق اختیار کر سکتے ہیں نہ وہ۔ نہ ہم سستی  
 میں نہ آرام پسند ہم لوگوں کے تقدس و احترام میں اس حد تک غلو بھی نہیں کر سکتے  
 اور نہ ہم اصحاب نبیؐ میں وہ خصائل تسلیم کرتے ہیں جن کی موجودگی کے وہ  
 بھی اپنے لئے معترف نہ تھے۔ وہ تو اپنے آپ کو بشری سمجھتے تھے، اور ما  
 تھے کہ جن خطاؤں اور گناہوں کا ارتکاب انسان کر سکتے ہیں وہ بھی ان



مترکب ہو سکتے ہیں۔ انھوں نے باہم شدید تہمت تراشیاں کیں، ایک نے دوسرے کو کافر و فاسق گردانا، یہ روایت بھی موجود ہے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ حضرت عثمانؓ کو کافر بتاتے تھے اور ان کا خون مبارک قرار دیتے تھے، نیز انھوں نے ان کا نام نسل (جس کے معنی ہیں لمبی داڑھی والا سبے دقوت) رکھ دیا تھا۔ اسی طرح یہ روایت بھی موجود ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ قیام کو فہ کے دوران میں حضرت عثمانؓ کا خون مبارک ہونے کا اعلان کیا کرتے تھے۔ وہ لوگوں سے خطاب کر کے کہتے تھے "بدترین امر وہ ہے جو غیر مسنون ہو۔ ہر غیر مسنون امر بدعت ہے ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور ہر گمراہی کی سزا جہنم ہے" اس سے ان کا اشارہ حضرت عثمانؓ اور ان کے عامل و نیک کی جانب ہوتا تھا۔

یہ روایت بھی موجود ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے حضرت علیؓ سے کہا تھا کہ اگر آپ کی مرضی ہو تو تلوار اٹھائیے میں بھی اپنی تلوار اٹھاتا ہوں، کیونکہ حضرت عثمانؓ نے میرے ساتھ جو عہد کیا تھا اس کی خلافت و رزمنی کی ہے۔ اسی طرح یہ روایت بھی ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے دوران مرض موت کہا "عثمانؓ کا فوری تدارک کرو۔ انھیں اتنی ہمت نہ دینا کہ ملک میں سرکشی و بغاوت پھیل جائے۔"

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں سے جنھوں نے حضرت عثمانؓ کی مدد کی تھی ان کا نیاں تھا کہ ان کے مخالفین دین کے باغی اور دین کی مخالفت پر کمر بند

ہیں۔ اس بنا پر ان سب کے لئے ایک دوسرے سے جنگ مباح ہو چکی ہے۔ جنگ جہل اور جنگ صفین میں عملاً انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف جنگ کی۔ حضرت سعد اور ان کے قلیل ساتھی متھے ہیں۔ جو شریک فتنہ نہ ہوئے اور نہ میدان جنگ میں لے جائے جاسکے۔ جب حضرت سعد کے یہ الفاظ سامنے آتے ہیں تو ان لوگوں کے موقف کی صحیح تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔ میں اس وقت تک جنگ میں شریک نہیں ہو سکتا جب تک کہ تم مجھے کوئی ایسی تلوار نہ لاؤ جو بول کر یہ بتا سکتی ہو کہ میں مؤمن ہے اور یہ کافر ہے۔

جب خود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں باہم اس قدر اختلاف تھا، وہ ایک دوسرے کو کیا عز کے ارتکاب کا مجرم گردان رہے تھے اور اس سلسلہ میں وہ ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے تھے تو ان کے حق میں ہماری رائے کا خود ان کی اپنی رائے سے بہتر ہونا لازمی نہیں ہے۔ یہیں ان لوگوں کی روش بھی اختیار نہیں کرنی چاہیے جو اختلاف سے متعلق بیشتر روایات جھوٹی اور ناقابل اعتبار قرار دیتے ہیں۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم بعثت نبوی سے لے کر آخر تک ساری تاریخ اسلامی ہی کو جھٹلا دیں گے کیونکہ ان اخبار فتنہ و اختلاف کے راوی وہی لوگ ہیں جو فتوحات، غزوات سیرۃ النبیؐ اور سیرۃ خلفاء کے راوی ہیں۔ یہ بھی چاہیے کہ جو بات ہمیں پسند ہو اس کی تو تصدیق کر دیں۔ اور جو بات ناگوار گزرے اس کو رد کر دیں۔ یہ کسی طرح مناسب نہیں ہوگا۔ ہم محض اپنی خوشنودہ

ناراضی کے باعث ایک ہی تاریخ کے بعض حصہ کو صحیح مانیں اور دوسرے کو غلط بتائیں۔ اسی طرح یہ بھی بجا نہ ہوگا کہ ہم ساری تاریخ اور تمام روایات کو صحیح مان لیں یا ان سب کو یکسر جھٹلا دیں۔ کیونکہ مورخین اور روایات بیان کرنے والے بھی آخر انسان ہی تھے۔ لہذا وہ خطا و صواب اور راستی و دروغ دونوں کا مصدر ہو سکتے ہیں۔ خود قدامہ کو اس امر کا اعتراف تھا۔ چنانچہ اسی لئے انہوں نے قواعد حرج و تعدیل اور تصدیق و تکذیب مرتب کئے۔ جو بات قابل ترجیح نظر آئی اسے ترجیح دی اور کی سختی ہوتی اسے رد کر دیا اور جو شک و شبہ کی متقاضی نظر آئی اسے شکوک قرار دیا۔ اس لئے اگر ہم بھی وہی طریقہ اختیار کریں جو قدامہ نے کیا تھا تو کوئی حرج نہ ہوگا بلکہ ہم تنقید کے ان قدیم قواعد میں ان جدید قواعد کا اضافہ کریں گے جن سے ہمدھار کے لوگ روایات و نصوص کی تحقیق و تحلیل اور تفسیر میں مدد لیتے ہیں۔

یہ حقیقت ہے اور اس میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ حضرت عثمانؓ کے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہوا تھا یہ اختلاف بڑھ کر بغاوت کی شکل اختیار کر گیا۔ جس کا انجام شہادت عثمانؓ کی شکل میں نمودار ہوا۔ اور اسی بغاوت نے

---

۱۔ سوال کسی کی پسند یا ناپسند کا نہیں۔ سوال یہ ہے کہ محمد رسول اللہ والذین معہ کی جو خصوصیات قرآن میں مذکور ہیں۔ اگر کوئی روایت ان کے خلاف کچھ کہے گی تو ہم اسے یہ کہہ کر رد کر دیں گے کہ وہ قرآن کے خلاف ہے۔ جب ظن اور حق میں تضاد ہو تو حق کو اختیار اور ظن کو مسترد کر دینا چاہیے۔

(طلوع اسلام)



مسلمانوں میں وہ پھوٹ ڈالی جس کے بعد سے وہ آج تک متحد نہیں ہو سکے۔  
 لادنا اس اختلاف کے کچھ سبب ہونے چاہئیں۔ اور لادنا اس بغاوت کے  
 کچھ سبب دیات بھی ہوں گے۔ حضرت عثمانؓ نے خود کشتی تو نہیں کی تھی۔ اور نہ اپنے قاتلوں  
 کے سامنے اپنی جان بطور قربانی پیش کی تھی، یہ بھی ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے ان  
 مخالفت کی اور بغاوت کرتے انہیں قتل کیا۔ انہوں نے یہ ارتکاب بے سبب  
 اور بلا وجہ تو نہ کیا ہوگا۔ یقیناً کچھ ایسے امور و اسباب ظہور پذیر ہوئے تھے جن کو  
 یا سچا طور پر ناپسند کیا گیا۔ اور پھر یہی عدم رضامندی موجب اختلاف و بغاوت  
 بن کر اس غیر معمولی حادثہ کا باعث بن گئی جس سے مسلم عوام کو قبل ازاں کچھ  
 پالانہ پڑا تھا۔ وہ حادثہ تھا امام کا بزدل جبر قتل۔

ان سب باتوں کے باوصف یہ بات بھی ہمارے پیش نظر ہے کہ حضرت  
 عثمانؓ کی امانت بلا شک و شبہ برحق تھی۔ کیونکہ تمام مسلمانوں نے ہم نواہر  
 ان کی بیعت کی تھی۔ ان کی امانت پر رضامندی کا اظہار کیا، اور ان کی اطاعت  
 کا اقرار کیا تھا۔ انتخاب خلیفہ کے بارے میں مسلمانوں کے طریقہ پر بحث کے  
 دلے خواہ کچھ بھی کہیں حضرت عثمانؓ کا انتخاب بالکل صحیح تھا اور امت کا  
 اجماع ہو گیا تھا، حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی خلافت پر بھی سب متفق تھے۔ حضرت  
 ابوبکرؓ کے معاملے میں حضرت سعد بن عبادہ کے سوا کسی نے مخالفت نہ کی  
 لیکن ان کی مخالفت کو کوئی بھی خاطر میں نہ لایا۔ حضرت عثمانؓ کی بیعت کے

بارے میں تو ایک آدمی نے بھی مخالفت نہ کی۔ وہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ نے بیعت کرنے میں پس و پیش سے کام لیا تو یہ بات نہ تو حضرت علیؓ کی سیرت و اخلاق کے شایان شان ہے اور نہ حضرت صدیق دُعا روقؓ کے حق میں ان کے طرز عمل کے ساتھ موافقت رکھتی ہے۔ علاوہ ازیں وہ عہد جو انھوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو دیا تھا۔ نیز خود حضرت عثمانؓ کے ساتھ جو ان کا برتاؤ تھا ان سب سے اس روایت کی تردید ہوتی ہے، پہلے یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ حضرت طلحہؓ بکرو کر خانہ نشین ہو گئے تھے کیونکہ بیعت کا فیصلہ ان کی عدم موجودگی میں ہو گیا تھا۔ اور انہیں یہ افسوس تھا کہ ان کی جیسی شخصیت کو کیوں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اس کے باوجود حضرت طلحہؓ نے جلد ہی بیعت کر لی اور عامۃ الناس کی طرح وفاداری و اطاعت کا اقرار کر لیا۔ بہر حال حضرت عثمانؓ کی امانت اتنی ہی صحیح اور اجماعی تھی جتنی ان کے پیشرو ہر دو اصحاب کی تھی، لہذا ہر امر وہی قول و فعل جو ان سے صادر ہوا وہ ایسے امام کا تھا جس کی بیعت مبنی بر صحت ہوا اور جس کی اطاعت واجب ہو۔ لیکن جیسا کہ ہم نے قبل ازیں بیان کیا، بیعت خلیفہ اور رعیت کے مابین ایک معاہدہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ لہذا اس معاہدہ کی پابندی نہ تھا رعیت پر ہے نہ اکیسے خلیفہ پر، بلکہ طرفین اس کے یکساں پابند ہیں۔ حضرت عثمانؓ اور ان کی رعیت کے درمیان معاہدہ یہ ہوا تھا کہ حضرت عثمانؓ قرآن و سنت رسول اور طریقہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر کاربند رہیں گے اور ان امور

میں سے کسی بات میں بھی انحراف نہ کریں گے۔ دوسری طرف رعیت پر واجب تھا کہ جب تک حضرت عثمانؓ اس عہد پر پوری طرح پابند رہیں وہ ان کی اطاعت بجا لائے۔ ذرا وقت نظر سے اس مسئلہ کا تجزیہ کیا جائے تو صورت یہ پیدا ہوتی ہے: کیا حضرت عثمانؓ نے قرآن۔ سنت رسولؐ اور سیرت شریفہ سے روگردانی کی؟ یا وہ اپنے عہد پر پوری طرح ثابت قدم رہے اور اس سے کسی ستم کا کوئی انحراف نہ کیا؟ اگر پہلی صورت ہے تو پھر حضرت عثمانؓ نے عہد شکنی کی لہذا مسلمانوں پر ان کی اطاعت واجب نہ تھی۔ اگر دوسری صورت ہے تو مسلمانوں کو ان کی نافرمانی، ان کے احکام کی خلاف ورزی یا ان کی سیرت پر اعتراض کرنے کا بھی کوئی حق نہیں پہنچتا۔ چہ جائیکہ وہ ان کی مخالفت کر کے ان کے خلاف علم بغاوت بلند کر لیں اور پھر ان کا محاصرہ کر کے انہیں قتل کر ڈالیں۔

یہ ہے مسئلہ کی وہ شکل جس کے مطابق اس پر غور کرنا چاہیے اور جس انداز سے اس کو پیش کرنا چاہیے۔ یہی وہ شکل ہے جس کو قدملے پیش نظر رکھنا اور جس کے مطابق انہوں نے معاملہ پر غور کیا تھا، کیسے ہم دیکھیں کہ قدملے اس مسئلہ پر کیسے غور کیا، اور اچانک تفصیلاً اسے کس شکل میں پیش کیا تھا۔



# تیسواں باب

## حضرت عثمانؓ کے مسئلہ میں قدامت کا نقطہ نظر

قدمائے ہر اس معاملہ کو جس میں حضرت عثمانؓ کی عیب چینی اور مخالفت کی گئی ہے خالصتاً دینی نقطہ نظر سے دیکھا ہے۔ اسی طرح جیسے حضرت عثمانؓ کے معاصرین نے دیکھا تھا خواہ وہ ان کے مخالف تھے یا موافق، کیونکہ امور دینی اور دنیوی میں سے ہر چیز کو فقط دینی نقطہ نظر ہی سے دیکھتے تھے۔ یہی باعث ہے کہ انہوں نے خطا و صواب یا عوامی نفع و نقصان سے زیادہ کفر و ایمان کو موضوع بحث بنایا تھا۔ اگر ہم اس مسئلہ میں ان کی آراء معلوم کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ان واقعات کو انہی کی نظر سے دیکھنا ہوگا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہمیں ان روٹا ہونے والے واقعات میں قدرے تمیز اور فرق بھی مد نظر رکھنا ہوگا۔

ان واقعات میں بعض تو ایسے تھے جن کا تعلق خالصتاً دینی معاملات سے تھا، کیونکہ اس کے بارے میں قرآن مجید کا کوئی نص یا سنت نبویؐ کا کوئی عمل یا فرمان پایا جاتا تھا، بعض ایسے تھے جن کا تعلق ایسے سیاسی معاملات سے تھا جن میں خلیفہ اسلام کے لئے اجتہاد ممکن تھا۔ خواہ وہ اس میں غلط نتیجہ پر پہنچے یا صحیح نتیجہ پر۔ اگر خلیفہ اجتہادی امور میں غلطیاں کرے تو دینی نقطہ نظر سے اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ لیکن اگر وہ ایسے اجتہادی امور میں بھی درست فیصلہ پر پہنچے تو پھر اس کے لئے فضیلت ہی فضیلت ہے۔

اسی طرح ان واقعات میں بعض امور ایسے تھے جن کا تعلق نظام اجتماعی سے تھا۔ یہ بھی اسی نہج پر اجتہادی مسائل سے متعلق تھا جس میں امام غلطی بھی کر سکتا ہے اور صحیح فیصلہ بھی دے سکتا ہے۔ فیصلہ غلط ہو تو اس کے لئے عذر اجتہاد ہے اور صحیح ہو تو فضیلت۔ سیاسی اور اجتماعی نظام سے متعلق امور میں صحت و خطا کا فیصلہ کرنے کے لئے معیار ایک پہلو سے تو غزل ہو گا اور دوسرا پہلو سے مسلمانوں کی اکثریت کی رضا مندی ہو گا۔

ان واقعات میں پہلے ہم ان حوادث

تذکرہ کرتے ہیں جن کا تعلق خالصتاً دینی معاملات سے ہے۔ حضرت عثمان

حضرت عثمانؓ کے خلاف دینی حیثیت رکھنے والے اعتراضات

کے مخالفوں نے اس امر پر اعتراض کیا کہ انہوں نے اپنی خلافت کی بسم اللہ

ہی حدودِ اشد میں سے ایک حد کو معطل کرنے اور احکامِ شریعت کی صریح مخالفت سے کی یہ اس طرح کہ حضرت عبید اللہ بن عمرؓ سے ہرمزان - جُفیتہ اور بعض روایتوں کے مطابق ابو لؤلؤہ کی بیٹی کے قتل کا قصاص نہ لیا۔ ہرمزان ایک نو مسلم ایرانی سردار تھا۔ دوسرے دونوں ذی تھے۔ خدائے تعالیٰ نے سلمان اور ذبیوں میں سے ہر ایک کے خون کو معصوم و محفوظ قرار دیا ہے اور اگر ان میں سے کوئی کسی پر زیادتی کرے تو اس صورت میں بتین احکام صادر فرمائے ہیں جن کے تحت مزادی جانی چاہیے۔ سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ  
فِي الْقَتْلِ ۖ الْحُرُّ بِالْحُرِّ ۖ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ  
وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ ۖ فَمَنْ عَفَىٰ لَهُ مِنْ أَخِيهِ  
شَيْئًا فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ۖ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ  
بِإِحْسَانٍ ۚ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ  
وَرَحْمَةٌ ۚ فَمَنِ اهْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ  
فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ  
يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (۲۹-۳۰)

اے ایمان لانے والو تم پر مقتولین کے معاملے میں قصاصِ قرین کیا گیا ہے اس کا اصول یہ ہوگا کہ، آزاد کے بدلے آزاد۔ غلام کے





وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَدًّا فَعِزَّاهُ بِهَتْمٍ  
خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ  
وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا (۹۳-۹۴)

کسی مؤمن کو یہ زیا نہیں کہ وہ کسی مؤمن کو قتل کرے۔ البتہ سہو  
و خطا کی بات الگ ہے۔ اور جو رمومن کسی مؤمن کو غلطی سے قتل  
کر بیٹھے تو اس پر واجب ہے کہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کرے اور  
مقتول کے وارثوں کو خون بہا ادا کرے۔ لیکن اگر وارث معاف کر دیں  
تو یہ صورت جدا ہے (یعنی دیت نہ دینی پڑے گی)، اگر مقتول کسی ایسی  
قوم سے تعلق رکھتا ہو جو تمھاری دشمن ہو بشرطیکہ مقتول خود مسلمان  
ہو تو مسلمان غلام کا آزاد کر دینا واجب ہے (دیت واجب نہیں)  
اور اگر مقتول کسی ایسی قوم سے ہو جس نے تمھارے ساتھ معاہدہ صلح  
کر رکھا ہو تو اس صورت میں مقتول کے وارثوں کو خون بہا بھی دیا  
جائے اور ایک مسلمان غلام کو بھی آزاد کر دیا جائے۔ جس کے پاس  
یہ استطاعت نہ ہو۔ خدا کے حضور اظہار ندامت کرتے ہوئے  
لگاتار دو ماہ روزے رکھے۔ خدا خوب جلتے والا اور حکمت والا  
ہے۔ جو دیدہ و دانستہ کسی مؤمن کو قتل کر دے گا تو اس کے لئے  
جہنم کی سزا ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ مبتلا رہے گا۔ اس پر خدا کا

غضب اور ہشکار ہوگی۔ اور خدا نے اس کے لئے بہت بڑا عذاب

تیار کر رکھا ہے۔

اسی طرح سورہ مائدہ میں آیا ہے۔

مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَٰئِيلَ أَنَّهُ

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي

الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ

أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا وَلَقَدْ

جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا

مِنْهُمْ بَعَدَ ذَٰلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ

(سورہ مائدہ: ۳۱)

اسی لئے ہم نے بنی اسرائیل پر حکماً یہ بات واضح کر دی کہ اگر کوئی شخص

بھی کو قتل کر دے دریاں حالیکہ اس نے مقتول نے نہ کسی کو قتل کیا ہو

اور نہ زمین میں فساد بپا کیا ہو تو گویا اس قاتل نے تمام نوع انسانی کو

قتل کر ڈالا۔ اسی طرح جو شخص کسی کی جان بچائے گا تو گویا اس نے

تمام نوع انسانی کو بچا لیا۔ ان کے ربی اسرائیل، پاس ہمارے

رسول روشن دلیلیں لے کر آئے۔ لیکن بعد ازاں بھی ان میں سے کثیر

التعداد افراد حدود و قوانین سے تجاوز کرتے رہے۔



سورہ اسراء میں یہ حکم ہوا کہ

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَ مَنْ قَتَلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفُ فِي الْقَتْلِ اِذْهُ كَانَ مُنْصَوِّرًا (۱۷/۳۳)

اور کسی ایسی جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے محترم قرار دیا ہو۔ مگر  
تائون حق کے مطابق، اور جو ظلماً قتل کر دیا جائے تو ہم نے اس  
کے وارث کو تائونی قوت و اقتدار دے رکھا ہے (کہ وہ قصاص  
کا مطالبہ کرے) اسے چاہیے کہ قتل قصاص میں حد سے تجاوز  
نہ کرے۔ اس کو (قانونی) مدد یقیناً دی جائے گی۔

ان تمام آیات میں وہ حدود واضح کر دی ہیں جن سے تجاوز کرنا مسلمانوں  
کے لئے ناجائز ہے۔ ان میں سے بعض قتل عمد سے اور بعض قتل بہ خطا سے  
متعلق ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عبید اللہ بن عمرؓ نے ہرمزان  
اور اس کے ایک ساتھی یا دوسا تھیوں کو غلطی سے قتل نہیں کیا تھا بلکہ انھوں  
نے بالارادہ اور بالعمد ایسا کیا تھا اور اگر ان سے تلوار چھین نہ لی جاتی تو ممکن  
تھا کہ وہ کچھ اور آدمیوں کو بھی قتل کر ڈالتے۔ اس پر مخالفین حضرت عثمانؓ نے  
یہ کہا کہ حضرت عبید اللہؓ پر نص قرآنی کی رو سے حد قائم ہونی چاہیے۔ حضرت

عثمانؓ نے جواب دیا: کل اس کے والد قتل ہوئے اور آج میں اسے قتل کر دوں  
 کہا جاتا ہے کہ خود ہاجرین نے حضرت عثمانؓ سے یہ بات کہی تھی۔ اہم چیز یہ ہے  
 کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت عبید اللہؓ کو معاف کر دیا۔ معتزین کو جن میں حضرت  
 علیؓ بھی شامل تھے حضرت عثمانؓ نے یہ جواب دیا کہ ہر زمان اور اس کے ساتھی  
 کا کوئی وارث نہیں ہے۔ لہذا میں ہی ان کا وارث ہوں۔ کیونکہ جن کا کوئی ولی  
 نہ ہو ان کا ولی امام ہوتا ہے۔ اور خدا نے وارث کو معاف کر دینے کی اجازت  
 دی ہے اور اس معافی کے لئے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس اعتبار سے حضرت  
 عثمانؓ نے حضرت عبید اللہؓ کو ایک تو اس لئے معاف کیا کہ انہیں ایسا  
 کرنے کی خدا کی طرف سے اجازت تھی دوسرے اس لئے کہ یہ مصلحت کا  
 تھا۔ ہم نے سابقہ اوراق میں بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ اور بعض دیگر  
 کے خیال میں حضرت عثمانؓ کو اس معافی کا اختیار نہیں تھا۔ چنانچہ ان  
 رائے میں وہ معافی کے مجاز نہیں تھے۔

مشکلین بعد ازاں اس مسئلہ پر بہت غور و خوض کرتے رہے۔ اور معتزلہ کا جہاں تک تعلق ہے وہ حضرت عثمانؓ کے ہم خیال تھے۔ انہوں  
 نے کہا کہ حضرت عثمانؓ پر اس معافی کی کوئی حرف نہیں آتا۔ وارث  
 معاف کر دینے کا حق حاصل ہے۔ بالخصوص جبکہ عفو کا طرز عمل اختیار کرنا  
 مصلحت بھی ہو۔ اور اس موقع پر حضرت عبید اللہ بن عمرؓ کی معافی داخلی اور

مصلحتوں کے مطابق عمل میں آئی تھی۔ داخلی مصلحت کا ذکر ہم کر چکے ہیں معنی اس سے ہاجرین اور بالعموم قریش کی رعایت ملحوظ تھی۔ کیونکہ وہ کہنے لگے تھے کل کے والد قتل ہوئے اور آج ہم انہیں قتل کر دیں! رہی خارجی مصلحت تو اس میں اہل سنت اور معتزلہ کا بیان یہ ہے کہ اگر حضرت عثمانؓ حضرت عبید اللہؓ قتل کر دیتے تو دشمنان اسلام کی خوشی کا باعث ہوتا اور وہ کہتے کہ انہوں نے اپنے امام کو قتل کیا اس کے بعد اس کے بیٹے کو مار ڈالا! جہاں تک شیعہ حضرات کا تعلق ہے وہ حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں سے متفق ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کو ایسے معاملہ میں جس کی وضاحت قرآن نے یہ نص صریح دی ہوا ہے اٹھاد کر نانا جا ستر تھا۔ نیز یہ کہ دشمنان اسلام کی شتمات کا لحاظ ہی ناروا ہے بلکہ دشمنوں کو تو یہ جان کر کہ مسلمانوں کا امام اسلام کی مدد مظلوم کر رہا ہے خوشی منانے کا زیادہ حق ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ کہتے ہیں کہ خود حضرت عمرؓ نے وصیت کی تھی کہ اگر ثابت ہو جائے کہ ان کے لڑکے نے ظلم کسی کو قتل کیا ہے تو اسے شرعی سزا دی جائے۔ لہذا حضرت عثمانؓ کو قوت و اقتدار رکھتے ہوئے یہ حق نہ تھا کہ وہ ایک ایسے حکم کی خلاف ورزی کرتے جسے ان کے پیش رو امام نے حتمی طور پر صادر کیا ہو۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ خدا نے اگر قتل عمد کے لئے مقررہ حد کی وصیت کیا ہے تو عفو کی ترغیب و دعوت نفس مرتج میں دی ہے۔ لہذا حضرت عثمانؓ



نے معافی دے کر قرآن کی حدود سے تجاوز نہیں کیا تھا بلکہ وہ قرآن ہی پر کاربند  
 اور اسی کی ترغیب عفو پر عمل پیرا تھے۔ مخالفین کی یہ بات درست نہیں کہ حضرت  
 عمرؓ نے قطعی فیصلہ کر دیا تھا، لہذا حضرت عثمانؓ کے لئے اس کی خلاف ورزی جائز  
 نہ تھی۔ اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو حضرت عمرؓ کی وصیت اس سے زیادہ کچھ نہ تھی کہ  
 اگر ان کے بیٹے کے خلاف قتل ظلم کا ارتکاب ثابت ہو جائے تو اسے شری سزا  
 دی جائے اور اس مسئلہ کو حق و عدل کی نظر سے دیکھا جائے۔ پھر اگر امام تھا  
 کا فیصلہ دے تو یہ بھی حق و عدل ہے اور اگر عفو میں مصلحت سمجھ کر معاف کر دے  
 تو بھی بجایہ۔ اگر حضرت عمرؓ نے صریح حکم بھی دیا ہوتا اور پھر اس کے نفاذ  
 قبل ہی فوت ہو گئے ہوتے تب بھی امام مابعد کو معافی کا حق پہنچتا تھا کیونکہ  
 حکم کی خلاف ورزی نہیں ہے۔ معافی حکم کا اقرار کر کے اس کے نفاذ سے  
 دستبرداری کا نام ہے۔

لہذا یہ کہنا جائز نہیں کہ اس قضیہ میں حضرت عثمانؓ نے حد کو معطل کر  
 یا حکم خداوندی کی مخالفت کی، البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ اس  
 اختیار اور عفو میں اعتدال کی حد سے بڑھ گئے۔ کیونکہ ایک تو انھوں نے تو  
 خود اپنی جیب سے ادا کر دیا، دوسرے حضرت عبید اللہؓ کو قید کی چھوٹی بڑ  
 کوئی سزا نہ دی۔ بالفاظ دیگر نہ حضرت عبید اللہؓ کو مالی نقصان پہنچایا نہ  
 کی آزادی چھینی۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبید اللہؓ

اس کے بعد مدینہ شریف کی اقامت راس نہ آسکی۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے انہیں کوثر بھیج دیا اور وہاں انہیں کچھ زمین اور ایک رہائشی مکان دیدیا۔ اگر ان روایات کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت عثمانؓ کا یہ طرز عمل حلم و عفو میں غلو پر مبنی تھا۔ ان کے اس طرز عمل سے لوگوں کو بجا طور پر یہ گمان گذر سکتا تھا کہ حضرت عثمانؓ نے دو مقتولوں کے خون کی کوئی پرواہ نہ کرتے ہوئے قاتل کا خون بہا خود ادا کیا اسے پناہ دی اور قید تک نہ کیا بلکہ اٹھا انہیں جاگیر اور رہائشی مکان بخش دیا۔ علاوہ ازیں لوگوں کو یہ خیال بھی پیدا ہو سکتا تھا کہ حضرت عثمانؓ نے سیاسی مصلحت اور قریش کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر یہ اقدام کیا ہے۔ یہ حال دونوں صورتوں میں حضرت عثمانؓ حد اعتدال سے آگے نکل گئے۔

دوسری بات جس پر حضرت عثمانؓ کے ہم عصر مسلمانوں نے ان پر اعتراض کیا وہ حضرت عثمانؓ کی ایک مشہور و معروف سنت کی مخالفت تھی۔ حالانکہ اس پر نبی اکرمؐ شیخین اور خود اپنے ابتدائی دور خلافت میں حضرت عثمانؓ عمل پر اصرار ہے تھے مخالفت یہ ہے کہ انہوں نے منیٰ میں نماز پوری ادا کی حالانکہ رسول اکرمؐ شیخین اور اپنے عہد خلافت کے ابتدائی کئی سالوں تک خود حضرت عثمانؓ اس مقام پر نماز قصر کرتے رہے۔ حضرت عثمانؓ کی پوری نماز ادا کرنے پر لوگوں میں ہلچل مچ گئی۔ ایک دوسرے کے پاس جا کر چھیڑکیاں کرنے لگے۔ آخر حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ

حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا "کیا آپ نے رسول خدا کی میت میں یہاں دو رکعتیں ادا نہیں کیں؟" حضرت عثمانؓ نے جواب دیا "ہاں" حضرت عبدالرحمنؓ نے کہا "کیا آپ نے حضرات ابو بکرؓ اور عمرؓ کے ساتھ یہاں دو رکعتیں ادا نہیں کیں؟" عثمانؓ نے جواب دیا "ہاں" حضرت عبدالرحمنؓ نے کہا "کیا خود آپ یہاں لوگوں دو رکعتیں نہیں پڑھاتے رہے؟" حضرت عثمانؓ نے جواب دیا "ہاں" حضرت عبدالرحمنؓ نے کہا "تو پھر آپ نے یہ نیا اصول کیا وضع کر لیا ہے؟" حضرت عثمانؓ نے جواب دیا "مجھے یہ اطلاع ملی تھی کہ بدوؤں اور یمنی حباہل دیہاتیوں نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ مقیم کی نماز بھی دو ہی رکعتیں ہیں۔ اس لئے کہ مکہ میں رشاوی کے کی وجہ سے میرا گھر بن گیا ہے۔ اور طائف میں میری جائداد ہے۔ جہاں مکہ میں حج سے فارغ ہو چکنے کے بعد پہنچوں۔ لہذا مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ پچ مچ یہی نہ سمجھ بیٹھیں کہ مقیم کی نماز دو ہی رکعتیں ہیں۔ حضرت عبدالرحمنؓ نے کہا۔ ان حباہل دیہاتی گنواروں سے آپ کا اس قسم کا اندیشہ کیلئے ہے۔ جبکہ خود رسول خداؐ نے یہاں اس وقت دو رکعتیں ادا فرمائیں جبکہ پوری طرح پھیلا بھی نہ تھا۔ اور اب جبکہ سلام کا ڈنکا بج رہا ہے آپ کو قسم کے خطرہ کا لحاظ نہیں کرنا چاہیئے۔ رہا یہ کہ آپ نے مکہ میں شادی کی ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ آپ کی بیوی تو مدینہ شریف میں رہتی ہیں۔ آپ چاہیں تو انھیں ہمراہ لائیں یا مدینہ چھوڑ آئیں۔ اسی طرح یہ بات کہ طائف



آپ کی جائداد ہے اس مسئلہ پر اثر انداز نہیں ہوتی کیونکہ طائف اور منا میں تین راتوں کی مسافت ہے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا۔ یہ تو محض میرا ایک ذاتی اجتہاد تھا جسے میں نے صحیح خیال کیا تھا۔

راویوں کا بیان ہے کہ یہاں سے واپسی پر حضرت عبدالرحمنؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ملاقات کی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا "آپ نے حضرت عثمانؓ کا اس مقام پر چار رکعتیں پڑھنا ملاحظہ فرمایا، حالانکہ نبی اکرمؐ اور حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ نیز خود حضرت عثمانؓ پچھلے سالوں میں یہاں دو دور رکعتیں پڑھتے رہے ہیں۔ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود میں نے تفرقہ کے خوف سے اپنے دوسرے ساتھیوں کو چار رکعتیں ہی پڑھائیں، حضرت عبدالرحمنؓ نے کہا کہ مجھے بھی یہ سب کچھ معلوم تھا مگر میں نے اپنے ساتھیوں کو دو رکعتیں پڑھائیں۔ لیکن اب میں بھی وہی کچھ کروں گا جو آپ کہہ رہے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ بڑے جلیل القدر صحابہ رسولؐ نے حضرت عثمانؓ کے منیٰ میں نماز کی پوری رکعتیں ادا کرنے کو قابل اعتراض سمجھا اور اس ضمن میں حضرت عثمانؓ کے ساتھ بحث بھی کی لیکن جب دیکھا کہ وہ اپنی رائے بدلنے کو تیار نہیں تو انہوں نے انہی کی روش اختیار کر لی تاکہ امت میں اختلاف رونما نہ ہو۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ اصحاب رسولؐ نے حضرت عثمانؓ کے منیٰ میں پوری نماز پڑھنے پر جو اعتراضات اٹھائے تھے ان کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ یہ عمل

سنت موزوٹہ کے خلاف تھا۔ دوسری وجہ اس سے بھی زیادہ اہم تھی جس نے  
 ہاجرین کے دل میں شدید تشویش پیدا کر دی تھی اور وہ یہ کہ رسول خدا صلی اللہ  
 علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد اپنے اصحاب رضوان اللہ علیہم کیلئے مدینہ  
 دارالاقامت قرار دیا تھا۔ اور مکہ و مضافات مکہ کو پر دس قرار دے دیا  
 تھا آپ اپنے لئے یا اپنے صحابہ کے لئے وہاں طویل اقامت بھی ناپسند  
 تھے، تاکہ انہیں وہاں دس آنے یا اس قسم کا خیال پیدا ہونے کا بھی گم  
 نہ ہو سکے آپ کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ آپ کے اصحاب میں سے کسی کو مکہ سے  
 موت آئے۔ آپ اس اندیشہ کا اظہار فرماتے تھے۔ اور خدا سے دعا کرتے  
 کہ انہیں اس عزیز میں موت نہ دے جہاں سے وہ ہجرت کر چکے ہیں، حضرت  
 بن ابی وقاص جب مکہ میں بیمار ہو گئے تو آپ نے جن آدمی کو ان کی نگہداشت  
 کے لئے چھوڑا اسے یہ تلقین کی کہ اگر سعد فوت ہو جائیں تو انہیں مکہ میں دفن کرنے  
 کی بجائے مدینہ کی راہ میں دفن کرنا۔ لہذا جب حضرت عثمان نے مٹی میں پوری  
 پڑھیں (صلوۃ مقیم) تو ہاجرین و انصار نے ان تمام امور کو مد نظر رکھتے ہوئے  
 خطرہ محسوس کیا کہ کہیں حضرت عثمان رسول اکرمؐ اور آپ کے صحابہ کرام کی  
 (یعنی مکہ کو وطن نہیں بلکہ پر دس تصور کرنا) تبدیل نہ کر دیں، لیکن ان ساری باتوں  
 کے باوجود سب نے حضرت عثمانؓ کے طریقہ پر عمل کیا اور مٹی میں حضرت عثمانؓ  
 اقدار کرتے ہوئے بجائے قصر کے پوری نماز ہی ادا کی تاکہ نماز سے متعلق مسئلہ

افتراق پیدا نہ ہو جائے۔ کیونکہ نماز ارکان اسلام میں ایک اہم رکن ہے۔  
 اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عثمانؓ نے مسلمانوں کی بہتری کی خاطر  
 اجتہاد کیا تھا۔ انہیں یہ خوف لاحق ہوا تھا کہ قوم کا جاہل اور دیہاتی طبقہ کسی غلط فہمی  
 میں مبتلا نہ ہو جائے۔ ان کا اجتہاد غلط ہو یا صحیح پر حال ان کے مد نظر بہتری ہی تھی۔  
 اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ مدینہ چھوڑ کر مکہ یا کسی اور مقام پر نہ  
 پذیرہ ہوئے۔ بلکہ جب فتنہ شدید ہو گیا اور یہ پیش کش کی گئی کہ آپ مکہ میں مقیم  
 ہو جائیں یہاں امن میں رہیں گے اور کسی مسلمان کو جرأت نہ ہوگی کہ کسی طرح بھی  
 آپ کو تکلیف دے سکے تو بھی حضرت عثمانؓ نے یہ پیش کش قبول نہ کی کیونکہ وہ  
 جوار رسول کو کسی چیز کے بدلے بھی نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ اگر وہ چاہتے تو مکہ  
 میں پناہ گزین ہو سکتے تھے حتیٰ کہ امداد پہنچ جاتی۔ اس میں کوئی حرج بھی نہ تھا  
 کیونکہ پناہ کی ضرورت ناگزیر تھی۔ اگر وہ چاہتے تو شام کی طرف چلے جاتے جیسا  
 کہ امیر معاویہؓ نے دعوت دی تھی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ اس سے ظاہر ہے  
 کہ وہ مکہ کو دار اقامت نہیں بنانا چاہتے تھے۔ ان کے مد نظر محض مسلمانوں کی  
 بہبودی تھی۔ مسلمانوں نے بھی ان کی یہ بات تسلیم کر لی تھی۔ چنانچہ وہ حضرت  
 عثمانؓ کے ساتھ پوری رکعتیں پڑھتے رہے حالانکہ وہ اتمام صلوٰۃ کے سلسلہ  
 میں حضرت عثمانؓ کی پیش کردہ دلیل سے بالکل متفق نہ تھے۔

حضرت عثمانؓ کے مخالفوں نے ایک امداد پر بھی اعتراض کیا جس کا



تعلق بھی ارکان اسلام کے ایک رکن سے تھا۔ وہ کہنے لگے کہ حضرت عثمانؓ نے  
گھوڑوں پر زکوٰۃ لینا شروع کر دی ہے حالانکہ نبی اکرمؐ نے گھوڑوں اور غلاموں  
کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا تھا۔ حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کا بھی یہی طرز عمل رہا مگر  
جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے گھوڑوں پر بھی زکوٰۃ عائد کر دی۔  
اس ضمن میں سب سے پہلی چیز تو یہ ہے کہ یہ روایت متواتر نہیں، نہ جملہ راویوں  
کا اس پر اتفاق ہے، دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے زکوٰۃ میں کچھ  
بیرحایا تھا کہ نہ کیا تھا۔ گمان اغلب یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور  
ان کے دونوں خلفاء نے گھوڑوں کی قلت کی وجہ سے نیز ان کی فوجی ضرورت  
کو مد نظر رکھتے ہوئے انھیں زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا تھا کیونکہ اس وقت مسلمان  
حتی المقدور لشکر اور رسالے تیار کرنے میں لگے ہوئے تھے تاکہ اس کے ذریعہ  
خدا کے اور اپنے دشمنوں کو مرعوب کر سکیں، لیکن جب اسلام کو فتح نصیب  
ہوئی اور مال و دولت کی فراوانی ہو گئی تو مسلمان ملک عرب میں گھوڑوں  
کو تجارت و نفع کے لئے رکھنے لگے۔ لہذا حضرت عثمانؓ نے ان کے بارے  
میں دہی حکم الہی نافذ کر دیا جس کا اطلاق اس نفع بخش مال پر ہوتا ہے  
جو بعین تجارت و ثروت رکھا جائے۔

ایک اور اعتراض بھی مسلمانوں کی طرف سے حضرت عثمانؓ پر ہوا۔ وہ  
یہ کہ انھوں نے چراگاہ کو مخصوص کر لیا تھا۔ حالانکہ خدا و رسول کی جانب

سے ہوا پانی اور گھاس سب کے لئے مباح تھا۔ راویوں نے اس کی تفصیلات میں اختلاف کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ انھوں نے چراگاہ کو صدقہ کے اونٹوں کی خاطر اور اپنے اونٹ گھوڑوں اور بنی امیہ کے اونٹ گھوڑوں کے لئے مخصوص کر لیا تھا دوسروں کا اور خود حضرت عثمان کا قول یہ ہے کہ انھوں نے چراگاہ کو محض صدقہ کے اونٹوں کی خاطر مخصوص کیا تھا۔ لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے حضرت عثمان کے اس عمل پر بھی لے دے کی کہ انھوں نے چراگاہ کو صدقہ کے اونٹوں کی خاطر کیوں مخصوص کر لیا ہے۔ جس کے جواب میں انھوں نے یہ دلیل پیش کی کہ ان کا مقصد اس سے صرف یہ تھا کہ عوام اور حکومت کے مابین جانوروں کے چرانے پر جھگڑوں کو روکا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جھگڑے سے بچنا چاہتے تھے اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ لیکن اس کے باوجود جب انھوں نے دیکھا کہ مسلمان بے چین اور کبیدہ خاطر ہو رہے ہیں تو انھوں نے کوئی سختی نہ کی بلکہ چراگاہ کو داگزار کر دیا اور خدا سے طالب مغفرت ہوئے لہذا اس ضمن میں بھی ان پر کوئی حرج نہیں آتا۔

چونکہ زکوٰۃ اور شترانی صدقہ کی بحث جاری ہے لہذا مناسب ہے کہ اس ضمن میں ہم ایک اور اعتراض کا ذکر بھی کر دیں جو مخالفین حضرت عثمان ان پر وارد کرتے تھے۔ اور وہ اعتراض یہ تھا کہ حضرت عثمان اموال صدقہ کو معاملات جنگ اور دوسرے رفاہ عامہ کے امور میں خرچ کر دیتے تھے نیز

نے اس پر یہ کہا کہ اموال صدقہ کے لئے معین مصارف ہیں جن کی خدائے اس آیت میں وضاحت کر دی ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَ الْمَسْكِينِ وَ الْعَامِلِينَ  
عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ  
وَ الْغَارِمِينَ وَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ ابْنِ  
السَّبِيلِ فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَ اللَّهُ عَلِيمٌ  
حَكِيمٌ

صدقات فقراء و مساکین۔ اور صدقات فراہم کرنے والوں کے لئے  
ہیں نیز ان کے لئے جن کی تائید قلوب مطلوب ہو اور جو بند غلامی میں  
مقید ہوں۔ قرضدار ہوں۔ نیز راہ خدا میں اور مسافر کے لئے یہ خدا کی  
طرف سے قرض ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ کے ابتدائی حصہ میں انہما کے ذریعہ ان مصارف  
کا حصر کر کے پھر آخر میں "فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ" کے ذریعہ مال صدقہ کے  
مصارف کو بالکل واضح طور پر محدود کر دیا ہے۔ لہذا امام کو کوئی حق نہیں ہے  
کہ وہ اموال صدقہ کو ان مصارف کے سوا جن کی خدائے عزوجل نے اس  
آیت میں وضاحت کر دی ہے کسی اور مصرف میں لائے۔

اس اعتراض کا جواب اہل سنت اور معتزلہ متکلمین نے یہ دیا ہے۔



حضرت عثمانؓ نے یہ سب کچھ اس وقت کیا جب انھیں مال صدقہ میں فراوانی نظر آئی اور جب انھیں جنگ میں زیادہ صرف کرنے کی شدید ضرورت درپیش ہوئی چنانچہ انھوں نے اموال صدقہ میں سے بطور قرض اخراجات جنگ کے لئے رقم لئے لی۔ وہ بھی اس ارادہ سے کہ جب رقم زیادہ آجائے گی تو یہ قرض اُتار دیا جائیگا۔ امام کو حق پہنچتا ہے کہ وہ ایک مد سے دوسرے مصرف کے لئے رقم قرض لئے۔ اور جب تک یہ مہم ارادہ ہو کہ اموال صدقہ کی رقم لوٹا دی جائے گی اس وقت تک ایسا کرنا نہ مخالفت دینی ہے اور نہ سنت مورد ثنہ میں تبدیلی۔ ہم کہتے ہیں کہ دینی اعتبار سے مشکلیں کا جواب صحیح ہے لیکن خرابی تو یہیں سے پیدا ہوتی ہے۔ جب امام ایک مصرف سے دوسرے مصرف کے لئے قرض لیتا ہے، اس سے تو امام کی مالی دلوں تدبیری پر دلالت ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنگ اور دیگر امور کے اخراجات میں اسراف اور بے پڑائی برتی جا رہی تھی۔ نیز یہ کہ بخشش کے طور پر یہ روپیہ غیر مستحق لوگوں پر صرف کیا جا رہا تھا، ہم اس موضوع پر قریب ہی کسی جگہ بحث کریں گے۔ ✓

حضرت عثمانؓ کے مخالفین ان پر ایک یہ الزام بھی لگاتے ہیں کہ انھوں نے لوگوں کو ایک صحیفہ قرآنی کا پائید کر دیا تھا۔ دوسرے صحیفوں کے نہ ٹھنڈے پڑھنے ہی سے رد کا بلکہ ان کا وجود ہی سرے سے ختم کر دیا وہ یوں کہ اس صحیفہ کے علاوہ تمام ان صحیفوں کو جلادیا جن میں قرآن لکھا ہوا تھا۔ معتزین نے

حضرت عثمانؓ کے خلاف یہ آواز اٹھائی کہ رسول خداؐ نے فرمایا تھا کہ  
 نَزَلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرَفٍ كَلِّهَا كَلْفٌ

شاذ

یعنی خدا نے قرآن کو سات احرف میں نازل فرمایا اور ان میں سے ہر ایک  
 کافی و کافی ہے! لہذا جب حضرت عثمانؓ نے ان صحیفوں کی قرأت سے  
 روکایا انہیں جلایا تو گویا انہوں نے ان منزل من اللہ مقصود کی قرأت سے  
 روکا جنہیں خدا نے نازل کیا تھا اور ان صحیفوں کو جلایا جو اس قرآن پر مشتمل تھے  
 جسے مسلمانوں نے رسول خداؐ سے سنا اور حاصل کیا تھا۔ حالانکہ امام کو کوئی حق  
 نہیں پہنچتا تھا کہ وہ قرآن کے کسی حرف کو محو کرتا یا اس کی کسی آیت کو حبلا تا۔  
 لیکن مسلمانوں کو ایک صحیفہ پر کاربند کرنے کا معاملہ اتنا آسان نہیں تھا جتنا  
 کہ حضرت عثمانؓ کے مخالفین اور عاصی حضرات تصور کرتے ہیں۔ رسول خداؐ کی  
 طرف سے اس مضمون کی متعدد روایات نقل کی جاتی ہیں کہ انہوں نے فرمایا  
 نَزَلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرَفٍ (لیکن مسلمان اب تک اس حدیث  
 کی مختلف تاویلیں کرتے رہے ہیں۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ سات عبارتوں  
 سے مفہوم سات مضمون ہیں جو قرآن میں بیان ہوئے ہیں یعنی وعدہ  
 و وعید۔ امر و نہی۔ وعظ و قصص و غیرہ۔ دوسرا گروہ "احرف" کی تفسیر  
 میں متصوفین کی روش اختیار کرتا ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ سات

احرف سے مراد عربوں کی مختلف بولیوں کے لحاظ سے الفاظ کا اختلاف ہے۔  
 یہ حال مسلمان صحیح معنوں میں اس حدیث کی تفسیر یہ آج تک متفق نہیں ہو سکی۔  
 لہذا جب تک کہ مخالفین و موافقین عثمانؓ اس حدیث کے معانی پر باہم متفق نہ  
 ہو جائیں حضرت عثمانؓ کے خلاف یہ الزام درست نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے  
 اس حدیث کی مخالفت کی۔ روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں میں  
 قرأت قرآن کے متعلق خود عہد نبوی میں اختلاف تھا۔ اور یہ اختلاف بھوں کا  
 نہ تھا بلکہ اس کا تعلق ایسے مختلف الفاظ سے تھا جن کے معانی مشترک ہوتے  
 تھے۔ اختلاف کرنے والے اپنا جھگڑا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے  
 پاس فیصلہ کے لئے لے گئے۔ چنانچہ آپؐ نے ان سب کی قرأتوں کو جائز  
 قرار دے دیا۔ کیونکہ ان میں معانی کا کوئی اختلاف نہ تھا۔ اختلاف جو کچھ  
 عادہ الفاظ میں تھا۔

قرآن مجید حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں جمع کیا گیا حضرت  
 عثمانؓ کے پاس یہ شکایت پہنچی کہ محروسہ اور سرحدی علاقوں میں مسلمان

---

۱۵ یہ روایت بھی صحیح نہیں ہو سکتی۔ قرآن اپنے الفاظ میں قرآن ہے۔ اگر الفاظ کا اختلاف تسلیم  
 کر لیا جائے تو قرآن واحد کا وجود ہی باقی نہیں رہتا (طلوع اسلام) ۱۶ یہ صحیح نہیں۔ قرآن خود  
 رسول اللہؐ نے جمع اور مرتب شکل میں امت کو دیا تھا جو آج تک اسی شکل میں محفوظ چلا آرہا ہے۔  
 (طلوع اسلام)



قرأت قرآن کے مسئلہ پر مختلف الزائے ہو کر جھگڑنے لگ جاتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے کوئی شخص یہ بھی کہہ دیتا ہے کہ میرا قرآن دوسروں کے قرآن پر فضیلت رکھتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے عنقریب ان میں تفرقہ پڑ جائے حتیٰ کہ ایک روز حضرت حذیفہ بن الیمانؓ حضرت عثمانؓ سے یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ "امت محمدیہ کو قرآن کے مسئلہ پر افتراق پذیر ہونے سے پہلے پہلے سنبھال لیجئے" اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عثمانؓ کامرکز سے قرآن کا ایک ایک نسخہ بھیج کر اس اختلاف کا قلع قمع کر دینا اور قرأت قرآن میں مسلمانوں کو ایک عبارت یا ایک لہجہ کا پابند کر دینا بہت بڑا جرأت مندانہ اقدام تھا، لیکن اس میں جرأت مندی سے زیادہ مسلمانوں کی بہتری کا فرما تھی، اگر حضرت عثمانؓ مسلمانوں کو مختلف بولیوں اور لہجوں کے اعتبار سے متعدد قرأتوں اور متبائن لفظوں میں قرآن پڑھتے رہنے دیتے تو یقیناً یہ امر افتراق امت کا باعث بن جاتا اور پھر یہ یقینی امر تھا کہ فتوحات اسلامیہ اور عجمیوں کے عربی قومیت اختیار کر لینے اور بدوؤں کے قرآن خواں ہونے کے بعد یہ لفظی اختلاف بڑھ کر معنوی اختلاف کی صورت اختیار کر کے اور بھی زیادہ خطرناک شکل میں بافت افتراق و تشتت ہو جاتا۔

یہی وجہ ہے کہ اہل سنت اور معتزلہ نے حضرت عثمانؓ کی کارکردگی کی بلا تردید تائید کی اور ان کے اس احسان عظیم کا اعتراف کیا جس کے ذریعہ

انھوں نے مسلمانوں کو افتراق سے بچالیا اور انھیں ایک ایسی چیز پر متحد کر دیا کہ جس  
 میں کوئی اختلاف نہ ہونا چاہیے تھا۔ تاریخ میں نہیں بتاتی کہ حضرت علیؓ نے یا صحابہ  
 شوریٰ میں سے کسی نے بھی حضرت عثمانؓ کی اس کارروائی کو ناپسند کیا ہو۔ بلکہ  
 حضرت علیؓ سے ایک روایت اس طرح ہے کہ انھوں نے اپنی خلافت کے دوران  
 فرمایا اگر میں حضرت عثمانؓ کی جگہ ہوتا تو قرآن کے معاملے میں لوگوں کو  
 ایسا ہی بات پر کاربند کرتا جس پر حضرت عثمانؓ نے کیا۔ لہذا دینی نقطہ نظر سے  
 اس میں بھی حضرت عثمانؓ پر کوئی حرف نہیں آتا۔ ہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے  
 کہ انھوں نے کتابت مصحف کا کام اصحاب رسولؐ میں سے صرف چند افراد کے  
 سپرد کر کے ایسے بہت سے قاریوں کو نظر انداز کیوں کر دیا جنھوں نے قرآن نبی اکرمؐ  
 سے سن کر حفظ کیا تھا اور جو ممالک محروسہ میں پڑھتے رہے تھے۔ مناسب  
 یہ تھا کہ ان سب کو دعوت دے کر جمع کر کے کتابت مصحف کا کام ان کے سپرد  
 لیا جاتا۔ اندر میں شکل ہم عبداللہ بن مسعودؓ کے غصہ کا سبب بھی سمجھ سکتے ہیں۔  
 حضرت عبداللہ بن مسعودؓ قرآن کے جید ترین حافظ تھے اور عیساکہ وہ خود کہا  
 کرتے تھے انھوں نے قرآن کی ستر سو مرتبیں خود رسول خداؐ کے دہن مبارک سے  
 انذکیں اور اس وقت حضرت زید بن ثابتؓ سن بلوغ کو بھی نہ پہنچے تھے۔ اس  
 کے باوجود حضرت عثمانؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ اور ان کے ساتھیوں کو ترجیح  
 دی اور حضرت ابن مسعودؓ اور ان کے ساتھیوں کو جنہیں رسول خداؐ سے قرآن

سننے اور حفظ کرنے میں سبقت حاصل تھی نظر انداز کر دیا۔ اس ترجیح کی  
ان پر کچھ اعتراض ضرور وارد ہوا۔ لیکن یہ کوئی ایسا معاملہ نہیں جس کا سمجھنا  
اور وقت طلب ہو۔

ہو سکتا ہے کہ بعض مسلمانوں کو حضرت عثمان کا صحیفے جلا کر مسموم  
کا حکم ناگوار گزرا ہو اور انھوں نے حضرت عثمان کا یہ عذر کہ ایسا فتنہ کی  
اور اختلاف کے سدباب کے لئے کیا گیا ہے قبول نہ کیا ہو۔ اگر مسلمانوں  
تمدن معتد بہ حد تک ترقی کر گیا ہوتا تو ممکن تھا کہ حضرت عثمانؓ ان نذرانے  
کئے جاتے والے صحیفوں کو یہ حفاظت رکھ چھوڑتے اور انھیں محفوظ و مستحکم  
کی حیثیت سے نہ صرف عوام بلکہ خواص سے بھی بچا کر صرف ضائع نہ ہو جانے  
خیال سے محفوظ کر لیتے۔ لیکن مسلمان اس زمانے میں اتنے تمدن مند  
کہ انھیں کتب خانوں کی تنظیم اور محفوظات کی حفاظت کا شعور ہوتا ہو۔  
حضرت عثمانؓ کی اس کارکردگی پر نہ دینی اعتبار سے گرفت ہو سکتی  
نہ سیاسی اعتبار سے۔ البتہ ہمیں ان صحیفوں کے نذر آتش ہونے  
ہونا چاہیے اس لئے کہ گو حضرت عثمانؓ نے مسلمانوں کو کسی دینی مواد سے  
نہیں کیا پھر بھی انھوں نے تحقیق اور ریسرچ کرنے والے علماء کو اس  
سے محروم کر دیا جو تدریم عربی بولیوں اور ان کے مختلف لہجوں سے دنیا  
لئے قیمتی سرمایہ بنتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس معاملہ کی سنگینی و اہمیت



پولیوں اور لہجوں پر ریسرچ اور تحقیقات کرنے والے علماء کی بحث و تحقیق سے  
بہت بلند و بالا تر تھی۔

معتزین نے حضرت عثمانؓ کی ایک اور کارکردگی کو بھی ناپسند کرتے  
ہوئے اس پر اعتراض کیا، اور ہمارا خیال ہے کہ اس اعتراض کا ان کی طرف سے  
کوئی معقول جواب نہیں دیا جاسکتا۔ وہ اعتراض یہ ہے کہ انھوں نے اپنے چچا حکم  
بن ابی العاص اور ان کے خاندان کو مدینہ کیوں واپس بلا لیا جبکہ رسول خدا  
صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بڑی سختی کے ساتھ مدینہ سے نکال دیا تھا۔ عہدِ نبوت  
میں حکم بن ابی العاص کا گھر رسول خداؐ کے گھر سے ملا ہوا تھا اور حکم اپنے  
کریم الخصلت ہمسایے کو شدید ترین اور قبیح ترین ایذا پہنچایا کرتا تھا جسکے  
بن ابی العاص وہی شخص ہے جس نے خود حضرت عثمانؓ کی ایمان لانے کی وجہ  
سے مشکیں کس دی تھیں اور یہ قسم کھالی تھی کہ جب تک وہ اپنے آبائی دین  
کی طرف نہ لوٹ آئیں گے انھیں نہیں چھوڑے گا۔ اور پھر انھیں اس وقت  
چھوڑا جب ان کی طرف سے پوری طرح مایوس ہو گیا۔ فتح مکہ کے بعد حکم مسلمان  
ہو کہ مدینہ چلا آیا لیکن اس کا اسلام محض موت سے بچنے کا ایک حیلہ تھا۔  
اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ رسول خداؐ کو اپنے قول و فعل سے بدستور ایذا پہنچاتا  
رہا۔ وہ آپؐ کے پیچھے پیچھے رہتا تھا آنکھیں پکاتا اور آپؐ کی حرکات کی نقل  
اتارنا کے آپؐ کا تسویر اڑاتا تھا۔ ایک روز یہ بلا اجازت اچانک آپؐ کے کسی

حجرے میں داخل ہو گیا۔ آپ غصے میں باہر نکل آئے جب آپ نے اسے پہچانا  
 فرمایا۔ کوئی تپتے ہوئے مجھے اس لیچر سے نجات دلائے! ازاں بعد آپ نے اسے  
 شریف سے نکال دیا اور فرمایا "اس شہر میں کبھی بھی یہ میرے ساتھ سکونت  
 نہیں کرے گا۔" حضرت عثمانؓ نے رسول خداؐ سے اس کی داپسی کے بارے  
 میں سفارش کی لیکن آپ نے اسے واپس نہ آنے دیا۔ پھر حضرت عثمانؓ نے  
 درخواست حضرت ابوبکرؓ کے سامنے پیش کی۔ انہوں نے بھی انکار کر دیا۔  
 حضرت عثمانؓ نے یہی درخواست حضرت عمرؓ سے کی انہوں نے نہ صرف اسے  
 بلکہ حضرت عثمانؓ کو ڈانٹتے ہوئے آئندہ بھی حکم کے معاملہ میں گفت و شنید  
 سے منع کر دیا، لیکن جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے حکم کو  
 واپس بلا لیا۔ اس بات پر مسلمانوں نے اعتراض کیا۔ بڑے جلیل القدر  
 رموان اشد علیہم حضرت عثمانؓ کے پاس گئے اور انہیں اس عمل پر سختی  
 کی، حضرت عثمانؓ نے ان سے کہا کہ جب میں نے حضور اکرمؐ سے حکم  
 کے لئے کہا تھا تو آپ نے اس سلسلہ میں مجھے بالکل مایوس نہیں کیا  
 اور داپسی کا حکم جاری کرنے سے پہلے ہی آپ فوت ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ  
 کی طرف سے عذر پیش کرنے والے اہل سنت و معتزلہ حضرات یہ کہتے ہیں  
 کہ حضرت عثمانؓ کے خیال میں حضور اکرمؐ کا حکم اور اس کے خاندان کو مدینہ  
 نکال دینا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کوئی قطعی حکم نہ تھا۔ کیونکہ جلا وطنی کا حکم

نی اصلاح کر لینا ممکن ہے اور ایسی صورت میں اسے معاف کر کے وطن  
 واپس آنے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ اسی طرح وہ یہ بھی کہتے ہیں  
 حضرت عثمانؓ کے علم میں یہ تھا کہ رسول خداؐ حکم کی واپسی پر رضامند تھے۔  
 لیکن حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت عثمانؓ کی اس بات کو تسلیم  
 کیا کیونکہ اس بات کا علم تھا کہ حضرت عثمانؓ کو تھا لہذا صرف ان کی شہادت  
 کافی نہ تھی۔ لیکن جب وہ خلیفہ ہو گئے تو انہوں نے اپنے علم کے مطابق  
 فیصلہ صادر کر دیا اور امام کو اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنے کا حق حاصل  
 ہے۔

دوسری طرف حضرت عثمانؓ کے مخالفین یہ کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت  
 زماشی اسلام لانے کے بعد حکم کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طرز عمل پھر  
 رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ کوئی ہے جو مجھے اس لیچر سے  
 نکالت دلائے اور اسی طرح آپؐ کا یہ قول کہ "مدینے میں کبھی بھی یہ میرے  
 ساتھ سکونت نہیں کرے گا" وہ امور ہیں جو حضرت عثمانؓ کو حکم کے واپس  
 لانے سے روکتے ہیں، اور امام کے لئے یہ زیانہ تھا کہ محض اپنے علم کے مطابق  
 فیصلہ کر دیتا۔ بالخصوص جبکہ لوگوں کو اس فیصلہ کی وجہ سے امام پر کینہ  
 پوری کا شبہ بھی ہو سکتا تھا، اس لئے کہ حکم حضرت عثمانؓ کا چھٹا تھا۔ صرف  
 ہی ایک شبہ کا احتمال ہی اتنا وزن رکھتا تھا کہ حضرت عثمانؓ حکم کو مدینہ



واپس بلانے سے رک جاتے اور جب اس کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا بھی اضافہ کر دیا جائے کہ "وہ مدینہ میں کبھی میرے ساتھ سکونت نہیں کرے گا۔ تو آپ کی حرمت کا کم از کم تقاضا یہ تھا کہ حضرت عثمان بن حکم کو جسے رسول اکرمؐ نے تادم آخر مدینہ میں اپنے ساتھ سکونت پذیر نہ ہونے دیا تھا آپ کی وفات کے بعد وہ اسے مدینہ میں لا کر آپ کے ساتھ نہ بسلتے۔

بعد میں حکم اور اس کے بیٹوں کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے طرز عمل نے یہ کہ انہوں نے حکم کے خاندان کی سرپرستی کرنے میں مالی اور سیاسی امور میں ان کی مدد لینے کے لئے انہیں واپس بلایا تھا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے حکم کو بہت دولت عطا کی اور جب حکم مرا تو انہوں نے اس کی قبر پر شامیانہ لگایا۔ انہوں نے حکم کے بیٹے حارث کو شہر مدینہ کی منڈی کا نگران مقرر کیا۔ لیکن اس نے لوگوں پر بھی زیادتی کی اور خود اپنے آپ پر بھی۔ اس کا طرز عمل امانت اور پاکبازی کے بجائے حرص و طمع اور حب مال و زر کا آئینہ دار تھا۔

حضرت عثمانؓ نے اسی بات پر بس نہ کیا بلکہ حارث کو بہت سا مال بھی دیا جس کا ذکر آگے آئے گا۔ پھر حضرت عثمانؓ نے مروان بن حکم پر خصوصی توجہ کی۔ اسے مال دیا، اور مقرب بنا کر اپنا وزیر و شیر مقرر کر لیا۔ یہ ساری باتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے حکم اور اس کے بیٹوں کو صرف رحم و کرم کی وجہ سے واپس نہیں بلایا تھا بلکہ ان کے بلانے سے مقصد یہ تھا کہ وہ حضرت عثمانؓ کے دست و بازو بن جائیں۔

یہ ہیں مخالفین کی طرف سے حضرت عثمانؓ کے خلاف دینی اعتراضات۔  
 نے دیکھا کہ ان میں سے اکثر وہ ہیں جن سے حضرت عثمانؓ کے خلاف کوئی جرم  
 ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں حکم اور اس کے بیٹوں کا معاملہ ایسا ہے کہ اس میں حضرت  
 عثمانؓ کی مدافعت مشکل ہے۔ لیکن یہ بھی بہر حال اُن امور میں سے نہیں جو حضرت  
 عثمانؓ کے دین پر ضرب لگائیں ویسے اگر انہوں نے کبھی کسی سنت کی مخالفت  
 تو وہ اجتہادی تاویل کی بنا پر تھی خواہ وہ تاویل صحیح ہو یا غلط۔ مگر انہوں نے  
 کسی اصل اصول یا کسی رکن رکن کو منہدم نہیں کیا۔ ان سب باتوں سے  
 یہ نظریہ بھی بچا ہوا ہے کہ حضرت عثمانؓ بھی آخر ان ہی تھے۔ اُن کی رائے  
 بھی ہو سکتی تھی اور درست بھی۔ یہ بھی مد نظر رہے کہ ہر امام خواہ وہ لوگوں  
 کے ساتھ اس بات کا پیمانہ کر بھی لے کہ اس کا طرز عمل وہی ہو گا جو حضرات  
 دیگر و عمر رضی اللہ عنہما کا تھا۔ ان دونوں بزرگوں کی روش پر چلنے کی قدرت  
 میں رکھ سکتا۔

ہمیں یقین ہے کہ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراضات اسی  
 حد تک محدود رہتے تو مسلمان بھی نصیحت و خیر خواہی اور شدید تنقید کی حد  
 سے آگے نہ بڑھتے اور ان کی روش کے نتائج و عواقب کو ان پر ڈالتے ہوئے  
 ان کا محاسبہ خدا کے سپرد کر دیتے کہ وہ جس طرح چاہے سختی یا نرمی سے ان کا  
 محاسبہ کر لے۔

لیکن حضرت عثمانؓ کے معاملات اس حد تک محدود نہ رہے بلکہ ان سے اور ان کے عمال سے ایسے افعال سرزد ہوئے جن کا تعلق لوگوں کے حقوق و منافع اور ان کی آزادی سے تھا اور یہی وہ معاملات ہیں جو بد قسمتی سے ایک بہت بڑے فتنہ و فساد کا باعث بنے۔

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....



# پروپوزیشنیں

حضرت عثمانؓ کے نظم و نسق حکومت کے متعلق اعتراضات

حکومت کے ہمدان تفرری و معزولی  
حکمت علی اور تفرری و معزولی کی  
روشن سے اختلاف تھا۔ وہ کہتے  
کا مسئلہ

تھے کہ حضرت عثمانؓ نے مسلمانوں کے معاملات ایسے نوجوانوں کے سپرد کر دیے  
ہیں جو نہ ان کے سنبھالنے کی صلاحیت رکھتے ہیں نہ قدرت۔ جہنیں نہ دین کی  
بھلائی مطلوب ہے نہ خدا اور اس کے رسولؐ کے ساتھ محبت۔ انہیں یہ بھی اعتراض  
تھا کہ حضرت عثمانؓ نے ممالک محروسہ کی عملداری سے اصحاب رسولؐ کو معزول  
کر دیا ہے اور حضرت عمرؓ کی وصیت کو پس پشت ڈال کر بنی ابی معیط اور بنی امیہ

کو لوگوں کی گردنوں پر سوار کر دیا ہے۔ اس ضمن میں لوگوں نے ان کے خلاف غم و غصہ کا اظہار کیا لیکن ان کی شنوائی نہ ہوئی تا آنکہ حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ عمال سے فسق و فجور اور راہ حق سے انحراف کا علانیہ ارمکاب ہونے لگا، اور بالآخر جسے بھی انھوں نے معزول کیا اس کو بالکل آخری مجبوری کی شکل پیدا ہونے پر معزول کیا۔

حضرت عثمانؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی جگہ ولید کو کوفہ کی حکومت پر متعین کیا۔ عبد اللہ بن عامر کو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی جگہ مقرر کیا اور عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کو حضرت عمرو بن العاصؓ کا جانشین بنایا۔ اور سارا شام تنہا حضرت معاویہؓ کے حوالہ کر دیا۔

ان تمام امور کے متعلق اپنی رائے کا ہم پہلے ہی اظہار کر چکے ہیں۔ ساتھ ہی ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی مدافعت کرنے والے سنی و معتزلہ حضرات عثمانؓ کی مدافعت میں دو راز کار تاویلیں کرتے ہیں جس طرح ان کے مخالفین انہیں بدنام کرنے کے لئے مبالغہ آمیزی سے کام لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حضرت عثمانؓ کی مدافعت کرنے والوں کا یہ قول کہ حضرت عثمانؓ ان اعمال کی تقرری کے وقت معذور تھے کیونکہ ان کے باطنی احوال پوشیدہ تھے۔ اور ان کا ظاہر اچھا تھا اس لئے انھیں والی بنا دینے میں کوئی حرج نہ تھا، صحیح نہیں۔ کیونکہ ولید بن عقبہ کا حال عیاں اور معروف تھا، حضرت عثمانؓ کے علم میں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اسے فاسق کہہ کر پکارا تھا۔ یہ بات بھی سب کو معلوم تھی

کہ حضرت عمرؓ نے اسے اصلاح پذیر سمجھتے ہوئے بنی تغلب کی زکوٰۃ وصول کرنے پر متعین کیا تھا لیکن پھر جلد ہی معزول کر دیا۔ کیونکہ انھوں نے دیکھ لیا تھا کہ وہ ابھی تک جاہلیت کی عادتوں پر قائم ہے۔ حضرت عمرؓ کی اس رائے کا خود ولید کو بھی پوری طرح علم تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جب حضرت سعدؓ کی حبکہ والی بن کر کوفہ میں داخل ہوا تو حضرت سعدؓ نے اس سے کہا: "اے ابو دھب تم زاسر کی حیثیت سے آئے ہو یا حاکم کی حیثیت سے۔" جواباً ولید نے کہا: "اے ابو اسحاق میں حاکم کی حیثیت سے آیا ہوں۔" حضرت سعدؓ نے کہا: "بخدا میں نہیں جانتا کہ اس درمیانی عرصہ میں، میں بے وقوف ہو گیا ہوں یا تم عقل مند ہو گئے ہو۔" ولید نے کہا: "تم بے وقوف ہو گئے ہو نہ میں عقل مند ہو گیا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت ہماری قوم کے ہاتھ آگئی ہے اور وہ خویش پروری کر رہی ہے۔" حضرت سعدؓ نے کہا: "تم بالکل ٹھیک کہتے ہو۔" معلوم ہوا کہ ولید جانتا تھا کہ اسے کوفہ کا دالی اس لئے نہیں بنایا گیا تھا کہ وہ پہلے برائے اور اب اچھا ہو گیا ہے۔ یا پہلے بد چلن تھا اب نیک چلن ہو گیا ہے بلکہ اسے محض اس وجہ سے والی بنایا گیا تھا کہ حکومت اس کی قوم کے ہاتھ میں تھی اور وہ خویش پروری کر رہی تھی۔ حضرت عثمانؓ کو پوری طرح علم تھا کہ عبداللہ بن عامر ایک نوخیز جوان ہے جس کی عمر ابھی پچیس برس سے بھی متجاوز نہیں ہوئی۔ انھیں ہر بھی علم تھا کہ ہاجرین۔ انصار اور دوسرے عرب قبائل میں ایسے افراد موجود ہیں جو



عبداللہ بن عامر سے عمر بن بکر سے، پھر بے میں فائق اور ایمان لانے میں اس سے سابق تھے۔ حضرت عثمانؓ کو یہ بھی معلوم تھا کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے بارے میں خدا کے تعالیٰ نے قرآن میں آیات نازل کی ہیں۔ نیز یہ کہ فتح مکہ کے روز رسول خداؐ نے اس کا خون میاں کر دیا تھا۔ لہذا یہ کہنا درست نہیں کہ ان لوگوں کا حال پوشیدہ تھا کہ کم از کم حضرت عثمانؓ کی نگاہوں سے تو قطعاً پوشیدہ نہ تھا۔ پھر اہل سنت اور معتزلہ کا یہ قول بھی درست نہیں کہ جن عاں میں بھی حضرت عثمانؓ کو فسق و فساد نظر آتا وہ اسے معزول کر دیتے تھے۔ کیونکہ حضرت عثمانؓ نے ولید کو اس وقت معزول کیا جب اس کے سوا اور کوئی چارہ کار ہی نہ رہا تھا، ہم یہ نہیں خیال کرتے کہ حضرت عثمانؓ نے ولید کو شرعی سزا دینے سے پس و پیش کیا ہو گا۔ تاہم یہ بات بخوبی عیاں ہے کہ انھوں نے اُسے معزول اس وقت کیا جب اُس کی بد عملی رسوائی کی حد تک عام ہو چکی تھی۔ لوگوں نے اس کی شراب خواری کے متعلق شہادتیں دیں اور اہل کوفہ میں اس کے خلاف ہنگامہ بپا ہو گیا، مہاجرین و انصاریاں کی معزولی پر یقین ہو چکے تھے۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ نے ولید کے بعد سعید بن عاص کو خوشی سے معزول نہیں کیا تھا بلکہ اس معزولی پر سخت اظہار ناپسندیدگی کیا تھا لیکن مجبور تھے کیونکہ اہل کوفہ نے سعید کو کوفہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔ اور حضرت عثمانؓ کے لئے بغاوت یا حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی تقرری

میں سے ایک کا قبول کرنا ناگزیر بنا دیا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو بھی بہ طیب خاطر معزول نہیں کیا تھا بلکہ اس لئے معزول کیا تھا کہ مصری اکھنیں بغاوت کی دھمکی دے رہے تھے۔ ہاجرین و انصار اس کی معزولی پر مصر تھے اور حضرت علیؓ نے عبداللہ کے خلاف قتل کے الزام کی تحقیقات کا مطالبہ کیا تھا، اس وقت حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن سعد کو معزول کیا اور مصر کی حکومت محمد بن ابوبکر کے حوالے کی۔ ان میں سے کسی بات میں بھی کسی شبہ کا احتمال نہیں ہے۔ شبہ تو اس خط سے تعلق رکھتا ہے جو مصریوں کے قتل کے بارے میں بھیجا گیا تھا۔

بہر حال یہ ہرگز صحیح نہیں کہ ان اعمال کے حالات پوشیدہ تھے اور نہ یہ صحیح ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ان کی کج روی سے آگاہ ہونے ہی اکھنیں بلا جیل و حجت معزول کر دیا تھا۔

یہ بھی واضح ہے کہ مخالفین حضرت عثمانؓ کا یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ حضرت عثمانؓ کے متورک ہونے کا رندہ اعمال صلاحیت نہیں رکھتے تھے اور امور حکومت سے عہدہ برآ ہونے پر قادر نہ تھے۔ یہ اعمال بلاشبہ حکومت کے اہل اور اس کی ذمہ داریوں کے متحمل تھے اور اس بات پر ان کی شاندار فتوحات گواہ ہیں لیکن وہ اہل تھے اس حکومت کے جس کا نظام قوت و شوکت، دبدبہ و غرور اور جبر و استبداد پر قائم ہو۔ اسی حکومت کے اہل نہ تھے جس کا نظام اسلامی اصولوں یعنی عدل، انصاف، مساوات

اور پندی عہد پر قائم ہو۔ جس کا عہد حضرت عثمانؓ نے قوم سے کیا تھا، یعنی یہ کہ وہ  
قرآن و سنت اور سیرت ابو بکرؓ و عمرؓ پر قائم رہیں گے اور اس سے کسی قسم کا انحراف  
نہیں کریں گے۔

بہر حال حضرت عثمانؓ کی وہ حکمت عملی جس پر وہ عمال کی معزولی و تقرری کے  
صحن میں کاربند رہے ان کے عہد و پیمان کے موافق نہ تھی۔ لہذا کوئی شبہ نہیں  
کہ جن لوگوں نے ان عمال سے تنگ آکر ان کے خلاف بغاوت کی اور ان کی تقرری  
کے باعث حضرت عثمانؓ سے بگڑے وہ غلطی پر نہ تھے۔





# پہچان و اسباب

## حضرت عثمانؓ کے عہد میں نظام مالیات

حضرت عثمانؓ کی مالی سیاست جس پر وہ اپنی خلافت کے زمانہ میں کلربند رہے، ان کے بیشتر معاصرین اور اکثر مورخین و رواۃ کے لئے ناراضی و خفگی کا موضوع تھی گو بعد میں جا کر یہ مسئلہ تکلمین کے لئے موضوع بحث و تکرار بن گیا۔ معتزلہ اور اہل سنت اس سیاست کی حمایت کرنے لگے اور شیعہ و خوارج اس کی مخالفت کرتے رہے۔ ہم حضرت عثمانؓ کی مالی سیاست کے متعلق مختصر آئیہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ

مالی سیاست کے متعلق حضرت عثمانؓ کی رائے

اموال عامہ میں حسب ضرورت مصلحت

تصرف کو امام کا حق سمجھتے تھے۔ اور

چونکہ وہ خلیفہ ہونے کی وجہ سے ہر

مسلمانوں کے کاموں میں منہمک ہو گئے تھے۔ لہذا ان کا خیال تھا کہ جب تک وہ

ان کاموں میں مصروف رہیں انہیں حق پہنچتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے مال سے اتنی رقم لے لیا کریں جس سے وہ خود، ان کا خاندان، نیز ان کے اعزہ و اقربا اپنی ضروریات با فراغت پوری کر سکیں اور ایسا کرنے میں انہیں کوئی حرج یا خرابی نظر نہ آتی تھی۔ اس سلسلہ میں ایک چیز جس کی مورخین نے پوری طرح وضاحت نہیں کی قابل غور ہے اور وہ یہ کہ حضرت عثمانؓ بذات خود خلافت سے پہلے بڑے سخی، قیامی اور بخیر تھے۔ وہ بڑے صاحب مال تھے ان کی تجارت وسیع اور آمدنی کثیر تھی۔ لہذا ان کا مال، انہیں ان کے خاندان اور ان کے اعزہ و اقربا کو با فراغت ضروریات زندگی بہم پہنچانے کے لئے بالکل کافی تھا، خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد انہیں تجارت و اکتساب کے لئے وقت نہ مل سکا، لیکن ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ سابقہ معمول کے مطابق خلافت کے بعد بھی اپنے اور اپنے قریب و اقاربوں پر خرچ کرتے رہیں، اس سلسلہ میں بظاہر ان کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ خلافت کو ان کی مالی روش میں کسی قسم کا تغیر و تبدل کرنے کا حق نہیں۔ لہذا جب ان کے اپنے مال نے ان کے اخراجات کی کفایت نہ کی تو انہوں نے اموال عامہ سے مدد لی۔ کیونکہ اگر ان کے اپنے مال میں کمی واقع ہو جاتی تو اس کا واحد سبب یہ تھا کہ وہ اموال عامہ کے انتظام و اہتمام میں ہمت نہ مصروف ہو کر اپنے مال کا بندوبست نہ کر سکے۔ اور اسے نفع بخش کاموں میں نہ لگا سکے۔

حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما خلیفہ بننے سے قبل حضرت عثمانؓ کی طرح صاحب مال نہ تھے۔ ان میں سے کسی کے متعلق ہمیں تاریخ نہیں بتاتی کہ انھوں نے "بٹزرومہ" خریدا ہو۔ یا مسجد نبویؐ کی توسیع کے لئے زمین خریدی ہو یا غزوہ تبوک کے لشکر کے لئے اپنے خرچ سے ساز و سامان فراہم کیا ہو۔ اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ یہ دونوں حضرات بخل کرتے تھے بلکہ اصل سبب یہ تھا کہ وہ زیادہ مالدار نہیں تھے۔ اسی طرح یہ دونوں حضرات خود اپنی ذات پر نیز اپنے خاندان و اپنے اقربا پر حضرت عثمانؓ کی سی نثرخ دستی کے ساتھ خرچ بھی نہ کرتے تھے۔ کیونکہ ان دونوں کی محدود آمدنی انہیں اس کی اجانت ہی نہ دیتی تھی۔ لہذا خلیفہ بننے کے بعد بھی ان دونوں کی روش میں کوئی فرق نہ آیا۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ غلام اور گناہ سے بچنے کے لئے انھوں نے اپنے حق میں مال و دولت سے اجتناب و احتیاط میں تشدد اختیار کر لیا تھا۔ لیکن حضرت عثمانؓ خلیفہ ہونے کے بعد بھی اپنی سابقہ روش پر قائم رہے۔ اس لئے اغلب یہی ہے کہ ان کی دولت ان کے اخراجات کو پورا نہ کر سکی۔ چنانچہ انھوں نے اموال عامہ میں اتنا پیسہ لے لیا اپنے لئے جائز سمجھا جتنا کہ وہ اپنی دولت کو نفع بخش کاموں میں لگا کر اس سے حاصل کر سکتے تھے۔ ابتداءً ان کی کیفیت یہی تھی لیکن پھر جلد ہی وہ اور کھٹ کر خرچ کرتے لگے لہذا ان تسلط و اختیار نے ان کے لئے جو دشواریاں پیدا ہوئیں انھوں نے دیکھیں۔ حضرت عثمانؓ کی مالی سیاست کی وضاحت



خلافت کے متعلق حضرت عثمان کی رائے

عثمان یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ مسلمانوں کو خلیفہ کے اعمال پر گرفت اور سزا دینا  
ایک بھڑکاپس اعمال پر نگرانی اور پابندی عائد کرنے کا بھی انھیں حق حاصل نہیں۔ لہذا  
خویش انھوں نے جو جہد دیا تھا اس کے لئے وہ لوگوں کی بجائے خدا کے روئے  
جواب دہ تھے۔ ان کے اس عقیدہ پر یہ بات پوری طرح شاہد ہے کہ جب لو  
نے انھیں خلافت سے دستبردار ہو جانے کے لئے کہا تو انھوں نے ان کے  
مطالبہ کو نہایت ہی ناواقب اور عظیم الخطر مطالبہ قرار دیا۔ چنانچہ انھوں نے  
گیتے والوں اور دیگر حضرات کو یہی جواب دیا کہ "جو فیصلے مجھے خدا نے عزوجل  
پہنائی ہے میں اسے اتارنے کا مجاز نہیں" اسی طرح انھوں نے ان لوگوں  
یہ بھی فرمایا "مجھے یہ گوارا ہے کہ لوگ بڑھ کر میری گردن مار دیں مگر مجھے  
نہیں کہ میں اس پوشاک کو اتار دوں جو مجھے خدا نے عزوجل پہنائی  
گویا ان کے نزدیک خلافت کوئی ایسا قابل بازپرس منصب نہ تھا  
انھوں نے مسلمانوں سے حاصل کیا ہو اور جسے وہ اپنی خواہش سے یا  
کے داپسی کے مطالبہ پر انھیں واپس دے سکتے ہوں۔ بلکہ ان کی نظر میں  
ایک ایسا لباس تھا جو خدا نے ان کے زیب تن کیا تھا اس لئے نہ وہ خود  
اتارنے کا حق رکھتے تھے اور نہ کسی دوسرے کو اس کے اتار لینے کا حق  
حق صرف خدا کے تعالیٰ کو حاصل تھا کہ جس روز وہ انھیں لباس زندگ

برسے اس لباس کو بھی ان پر سے اتار دے۔ اس معاملہ میں حضرت عثمانؓ کا عذر یہ تھا  
 کہ انھوں نے اپنے دو پیشرو سابقینوں کو جو خلیفہ ہو گئے تھے دیکھا تھا کہ ان میں سے  
 کسی کا منصب بھی تادمین حیات نہیں بنا گیا تھا۔ وہ بھی اپنی کی طرح خلیفہ ہوئے  
 تھے۔ اس لئے جب تک کہ رشتہ زندگی ان کے ہاتھ میں ہے انھیں خلافت سے  
 ہی وابستہ رہنا پڑے گا۔ ظاہر ہے کہ جب خلافت اور اختیارات کے بارے میں  
 ہلکا سا بے یقینی تو پھر اس میں کوئی اچھبے کی بات نہیں کہ وہ ان لوگوں کو تنگ  
 و مجبور کرتے جو ان کے ساتھ اختیارات کے مسئلہ میں کشمکش کرتے اور انھیں  
 ہم منصب یا سیاست یا مال کے معاملے میں بعض تصرفات سے روکنا چاہتے تھے۔  
 چونکہ اپنی مذکورہ بالا رائے کے مطابق وہ لوگوں کے سامنے جوابدہ نہ تھے بلکہ  
 صرف خدا کے دیرو جوابدہ تھے۔ حضرت عثمانؓ نے یہ عقیدہ محض تصنع کی وجہ سے  
 اہمیت کرنے والوں کی ملامت کے ڈر سے یا غصہ اور اعتراض کرنے والوں کے  
 ہتھیار اور اعتراض سے بچنے کے لئے نہیں بنایا تھا، بلکہ ان کا یہ خیال صدق و نیت  
 و خلوص بصیرت پر مبنی تھا بلکہ شاید خلافت و اختیارات کے بارے میں حضرت  
 عثمانؓ کے بہت سے ہم عصر مسلمان بھی اپنی کے ہم خیال تھے۔ اسی خیال سے  
 اس امر کی ترجیح ہوتی ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ خلیفہ کے حکم سے سرتابی کو اپنے  
 لئے قطعاً جائز قرار نہیں دیتے تھے۔ خواہ خلیفہ اعتدال اور راہ حق سے انحراف  
 ہی کیوں نہ کر رہا ہو۔ وہ اس آئیہ پر اس کے ظاہری معنوں کے مطابق کار بند تھے

اور اس ارشاد خداوندی کی کوئی تاویل نہ کرنا چاہتے تھے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا  
الرَّسُولَ وَ أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (ہجہ)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور

اپنے میں سے اولوالامر کی۔

لہذا وہ امام کے پابگوں اس دنیا میں ظلم برداشت کر کے اس پر ثواب کا مستحق ہونے کو ترجیح دیتے تھے یہ بھی پسند نہ کرتے تھے کہ امام کی مخالفت اور مقابلہ کر کے کسی گناہ کے مرتکب ہوں، اور اس میں ان کا نقصان بھی کیا تھا کہ وہ ظلم نہ کر آخرت کا ثواب حاصل کر لیں، رہا امام تو وہ اپنے کئے کا ہوگا اور اسے اپنے اعمال کا حساب خدا کے حضور پیش کرنا ہوگا۔

یہی وہ مسلک ہے جس پر حضرت ابوذر غفاریؓ کا رہنا تھا جبکہ وہ عثمانؓ کے مظالم پر مقرر من ہونے کے باوجود ان کی اطاعت کرتے رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا تھا۔ وہ حضرت عثمانؓ کے غیظ و غضب کا شکار بھی نہیں حکم سے روکرواں نہ ہوئے اور انہوں نے (بمقام منی) حضرت عثمانؓ سے اختلاف کے باوجود محض اس لئے پوری نماز ادا کی کہ حضرت عثمانؓ نے نماز ادا کی تھی۔ یہی حال حضرت عثمانؓ نے اپنی انتظامی جنگی و مالی سیاست بھی جاری رکھا۔ وہ اجتہاد کو اپنا حق سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر اللہ



وہ صرف خدا کے سامنے جوابدہ ہیں، اور یہ کہ مسلمانوں پر ان کی نیرباہر داری  
 سب سے نیز یہ کہ مسلمانوں کا حق ہے کہ ان کی خیر خواہی کریں اور انھیں  
 مدد دیتے رہیں۔ پھر ان کی مرضی ہے چاہیں تو ان کے مشورے کو قبول کر لیں  
 اگر مستند واقعات ہیں انھوں نے کیا ملہ چاہیں تو انھیں مدد کریں جیسا کہ مختلف  
 پیش آیا۔ اقتدار کے استعمال کا یہ تصور بالکل نیا تھا۔ کیونکہ حضرات ابوبکر و عمر  
 رضی اللہ عنہما کے دہم و گمان میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ وہ اقتدار حکومت کو سلاطین  
 بالابالہ محض اپنی ذات تک محدود کر سکتے ہیں۔ بلکہ اس معاملہ میں حضرت عمرؓ  
 بن اوقات ایسی شدت اختیار کی کہ خود مسلمانوں کو ناگوار گزری۔ مثلاً وہ  
 کہ ملکہ روم نے آپ کی زوجہ اُمّ کلثوم بنت علی بن ابی طالب کو میرے جواب  
 رسیع بار بطور تحفہ بھیجا کیونکہ ام کلثوم نے بھی اسے عرب کے کچھ نوا اور ہدیہ  
 تھے۔ مگر جب ڈاک آئی تو وہ بار حضرت عمرؓ کو سلا اور انھوں نے اسے  
 ملیہ کو دینا پسند نہ کیا۔ چنانچہ ان کے حکم سے "الصلوة جامعۃ" کی منادیاں  
 بنیں۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے اس بار کے بارے میں ان سے مشورہ  
 کیا۔ سب نے یہ مشورہ دیا کہ ہارام کلثوم کو دیدیا جائے کیونکہ یہ ان کی  
 سب سے۔ لیکن چونکہ وہ ہار مسلمانوں کی ڈاک میں آیا تھا اس لئے حضرت عمرؓ  
 ان کو دینے میں بار خاطر محسوس کر رہے تھے چنانچہ آپ نے حکم دیا کہ بار  
 المال میں داخل کر لیا جائے اور ان کی بیوی کو اتنی رقم ادا کر دی جائے۔

جو ملک روم کو ارسال کردہ تحفہ پر خرچ ہوئی تھی۔

ہم جانتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا یہ متشددانہ طرز عمل بھنوں نے اپنے اور اپنے کنبہ  
لئے روار کھانٹا لوگوں کے دلوں پر گراں گزرا تھا اور یہی باعث تھا کہ عورتیں  
عمرؓ سے نکاح کرنا پسند نہ کرتی تھیں اور اسی چیز نے بعض عورتوں کو حضرت عمرؓ کا  
مشرد کر دینے پر مجبور کیا، ذرا مقابلہ کیجئے حضرت عمرؓ کے اس طرز عمل کا حضرت  
کے طرز عمل سے جبکہ انھوں نے بیت المال کے ہیرو کا اپنی ایک اہلیہ کو زبردستی  
اور پھر لوگوں کے اعتراض پر انھیں یہ جواب دیا: "تو راہ کوئی کتنا ہی ناک بھوں  
رہے ہم اپنی جملہ ضروریات اسی مال غنیمت سے پوری کریں گے؟  
ہیں تکلیف دہتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کا طرز عمل  
کے بارے میں بعینہ وہی ہے جسے زیاد نے اپنے اس مشہور خطبہ میں پیش  
تھا۔

إِنَّمَا النَّاسُ رِافِقٌ قَدْ أَصْبَحْنَا لَكُمْ سَاسَةً  
وَعَنْكُمْ زَادَةٌ فَتَسْوِمُكُمْ بِسُلْطَانِ اللَّهِ الَّذِي  
أَعْطَانَا وَنَدْوُ بِعَنْكُمْ بِهِيَ اللَّهُ الَّذِي خَوَّلَنَا  
اسے لوگو! ہم تمہارے مالک و محافظ بنائے گئے ہیں۔ ہم تم پر حکومت کرتے  
ہیں اس اختیار کی رو سے جو خدا نے ہمیں عطا کیا اور تمہاری حفاظت کرتے  
ہیں اس مال غنیمت کے عوض جو خدا نے ہمیں بخشا۔

میں چیز کو ملاحظہ کرتے ہوئے ہم حضرت عثمانؓ کی اس روایت کو حیرت کی نگاہ سے  
 نہیں دیکھتے کہ "حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ رضی اللہ عنہما خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے  
 اپنے آپ پر اور اپنے اقربا پر زیادتی کرتے تھے مگر میں خدا کی خوشنودی کے لئے  
 ملہ رحمی کرتا ہوں" گویا حضرات ابو بکرؓ و عمرؓ کے اجتہاد نے انہیں اپنے اقربا پر ظلم  
 زیادتی سکھائی اور حضرت عثمانؓ کے اجتہاد نے انہیں اپنے اقربا کے ساتھ صلہ  
 ہی کے نتیجہ پر پہنچایا، اور اس طرح انہوں نے اپنے آپ پر ظلم نہ کیا۔ اس تجزیہ کے  
 بعد ہمیں حضرت عثمانؓ سے متعلق ان روایات کی صحت کے بارے میں کوئی بحث  
 کرنے کی ضرورت نہیں رہتی جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مروان بن حکم  
 کو افریقہ میں مسلمانوں کے حاصل کردہ مال غنیمت کا خمس دیا، یا خمس دیا، یا خمس  
 یا خمس کی قیمت میں سے جو اس کے ذمہ باقی بچی تھی بخش دی تھی۔ نیز یہ کہ انہوں  
 نے اپنے چچا حکم کو دولت سے نوازا۔ حکم کے بیٹے عاص کو تین لاکھ۔ عبد اللہ  
 بن خالد بن اسید اموی کو تین لاکھ اور عبد اللہ بن خالد کے ہمراہ آنے والوں  
 میں سے ہر ایک کو ایک ایک لاکھ درہم بخشے۔ حتیٰ کہ بیت المال کے خزانچی  
 عبد اللہ بن ارقم نے تعمیل حکم سے انکار کر دیا اور اپنے منصب سے مستعفی ہو گئے۔  
 عبد اللہ بن ارقم کے مستعفی ہونے کے بعد خود ان کو تین لاکھ درہم بخش دیئے۔  
 مگر انہوں نے اپنے زہد و تقویٰ کی بنا پر اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح  
 حضرت عثمانؓ نے حضرت زبیر بن العوام کو چھ لاکھ درہم اور حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ



اور حضرت سعد بن العاصؓ کو ایک ایک لاکھ درہم دیئے۔ اپنی تین یا چار بیٹیاں قریش میں بیاہیں اور ان میں سے ہر ایک کے شوہر کو ایک ایک لاکھ درہم تفویض کر کے۔

حضرت عثمانؓ اس قسم کی بخشش دینا اپنا حق سمجھتے تھے۔ وہ بیت المال کے

خزانچی کو اس کا مجاز نہیں سمجھتے تھے کہ وہ اس ضمن میں ان کی حکم عدولی کرے یا ان سے

بحث و تفتیش کرے۔ جب حضرت عثمانؓ اس قسم کی بخششوں کو اپنا حق سمجھتے تھے

تو پھر ان کے اس حق میں تو کسی کلام کی گنجائش ہی نہیں کہ وہ ضرورت پر بیت المال

سے قرص لے لیں اور فراخ دستی پر اسے واپس کر دیں۔ ظاہر ہے کہ ان حالات

میں حضرت عثمانؓ کے عمال بھی مال کے معاملے میں اپنے امام کی اقتدا کرتے ہوں گے

لہذا انھوں نے بھی سخاوتیں کیں، بیت المال سے قرص لئے اور ان میں سے بعض

نے قرصہ کی ادائیگی میں مال مٹول بھی کی، چنانچہ جس طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

کو ذہ سے مستغنی ہوئے حضرت عبداللہ بن ارقم مدینہ کی حنا زنی سے مستغنی ہوئے

ظاہر ہے کہ جب امام اور ان کے عمال اموال عامہ کو اس طرح بیدریغ خرچ کرتے

ہوں تو شکریوں کا محتاج مال ہونا اور محروم رہنا کوئی تعجب خیز بات نہیں۔ نیز

یہ بھی کوئی حیرت انگیز بات نہیں کہ امام مالِ زکوٰۃ میں سے امور جنگ پر خرچ کرنے

کے لئے مجبور ہو جائے۔ اور اس طرح خود کو عوام کی مخالفتوں اور اعتراضوں کا نشانہ

بنائے جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے اور جس سے کم از کم یہ عیاں ہو جاتا ہے کہ

عہد عثمانؓ میں مالی سیاست بے ضابطہ و غیر محکم تھی۔

جب امام اموال عامہ کو بے دریغ خرچ کرنے لگ جلتے اور اس کے عمال بھی اس کی اقتدا کر رہے ہوں تو پھر اموال زکوٰۃ میں دست اندازی کر لینا کوئی ایجنے کی بات نہیں لطفت یہ ہے کہ یہ رقم امور جنگ پر ہی نہیں بلکہ سخاوت اور کنبہ پردری و صلہ رحمی کے لئے بھی مستعمل ہونے لگی، کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حارث بن حکم کو بنی قضاہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا اور واپسی پر جو کچھ وہ لایا تھا اسی کو بخش دیا۔ جب اموال عامہ کو اس بید روی سے اڑایا جا رہا ہو تو کوئی عجیب بات نہیں کہ بیت المال کو اخراجات جنگ و امن، اور امام و عمال کی سخاوتوں کے عہدہ برآ ہونے کے لئے رعیت پر سختی اور خراج و جزیہ اور زکوٰۃ کی وصولی میں جبر اور دباؤ تک نوبت پہنچ گئی ہو، اس صورت حال سے اس روایت کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ مصریوں نے عبداللہ بن سعد کے ظلم کا کیوں شکوہ کیا تھا۔ اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے کیوں کہا تھا "لیکن اونٹنی کے بچے تو بھوکے مر گئے" (یعنی رعیت نادار و تباہ حال ہو گئی)، اسی سے اس روایت کی بھی تشریح ہو جاتی ہے کہ کس طرح حکام وصولی صدقہ و زکوٰۃ میں صحرا نشینوں اور دیہاتیوں پر ظلم کرتے تھے اور پھر وہ ظلم حضرت عثمانؓ کی طرف منسوب ہو جاتا تھا۔ نیز یہ بھی کہ جب اس کی شکایتیں حضرت عثمانؓ تک پہنچتی تھیں تو وہ اس کا کوئی تدارک نہ کرتے تھے۔ مزید برآں یہ کہ حضرت عثمانؓ کی اس سخاوت کا سلسلہ جا بجا و منقولہ تک ہی محدود نہ رہا بلکہ پڑھ کر جا بجا و غیر منقولہ پر بھی اثر انداز

ہوا۔ چنانچہ لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے خلاف یہ بھی شکایت تھی کہ انھوں نے محدود علاقوں میں بنی امیہ کو بڑی بڑی جاگیریں عطا کر دی ہیں۔ حضرت عثمانؓ کے اس اقدام کی حمایت میں اہل سنت و معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ انھوں نے یہ سب کچھ زمین کی اصلاح اور اسے قابل کاشت بنانے کے لئے کیا تھا اور اس سے مسلمانوں کی بہتری مقصود تھی بشیہ حضرات اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ خود حضرت عثمانؓ نے کبھی اپنے حق میں یہ عذر پیش نہیں کیا۔ شبیہ یہ اعتراض بھی کر سکتے ہیں کہ تمام قریشیوں میں صرف بنی امیہ ہی زمین کی اصلاح کے ماہر خصوصی نہیں تھے، پھر یہ کہ سارے عرب قبائل میں صرف قریش ہی زمینوں کو زرخیز بنانے کی مہارت خصوصی نہیں رکھتے تھے، نیز یہ کہ تمام مسلمانوں میں محض عرب ہی غیر آباد زمینوں کو قابل کاشت بنانے میں ماہرین خصوصی نہیں تھے، غرضیکہ یہ تمام کا تمام سلسلہ محض حضرت عثمانؓ کے اسی تصور خلافت کی بدولت چل رہا تھا جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور حضرت عثمانؓ اور ان کے عمال کی یہ روش اسی تصور کے ایمان پر مبنی تھی۔ ہم حضرت عثمانؓ کے پیدا کردہ اقتصادی انقلاب کا ذکر بھی پہلے کر چکے ہیں وہ اس طرح کہ انھوں نے عربوں کو اہانت دیدی کہ اگر وہ چاہیں تو ابی ان جاگیروں کو جو محدود علاقوں میں ہیں بیچ کر ان کی جگہ جزیرہ عرب میں زمین خرید سکتے ہیں۔ ہم یہ وضاحت بھی کر چکے ہیں کہ اس انقلاب نے اسلام میں جاگیردارانہ نظام پیدا کر دیا تھا۔ اور اگر ہم اس میں ان سخاوتوں کا بھی اضافہ



کر لیں جو امام اور اس کے عمال کی طرف سے اموال عامہ میں سے بنی امیہ اور قریش کو ملتا تھا اور جس نے انھیں اس قابل بنا دیا تھا کہ مفتوحہ مملکتوں میں زمینیں خرید سکیں۔ تو یہ سب کچھ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی مالی سیاست سے دو نتیجے برآمد ہوئے اور دو دلدلوں پُرسے تھے۔ ایک اموال عامہ کا غیر واجب خرچ جو بالی پریشانی اور رعیت پر ظلم و زیادتی کا باعث ہوا۔ دوسرا اس دولت مند اور فضول خرچ طبقہ کا ظہور جس کی حرص و آرزو کی کوئی حد نہ تھی۔ جو اپنی ملکیت زمین کو بے عمل بنے چلا جا رہا تھا۔ اور کسان کی گلا گھونٹ رہا تھا۔ مزید برآں یہ کہ وہ طبقہ اپنے آپ کو دوسرے لوگوں سے ممتاز خیال کرنے اور اقتدار و تسلط میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرنے لگا تھا، اور بالآخر یہ باہمی رقابت و منافست امارت سے بڑھ کر خود خلافت میں بھی ہونے لگی اور اس کا سلسلہ ان فسادات و مصائب تک پہنچا جنہوں نے قتل عثمانؓ کے وقت سے لے کر بنی امیہ کے زوال اور بنی عباس کے آغاز تک مسلمانوں کے سارے نظام کو ورہم برہم کئے رکھا۔ یہ بدیہی امر ہے کہ بیت المال میں اتنی گنجائش نہ تھی کہ ہر فرد اس کی سخاوت سے بہرہ اندوز ہوتا لہذا یہ بھی نظری نتیجہ تھا کہ جو محروم رہتے وہ لینے والوں اور عطا کرنے والوں کے دشمن ہو جلتے تھے۔ چنانچہ نہ صرف عوام کے باہمی روابط بگڑ گئے بلکہ خلیفہ و عمال کے ساتھ بھی ان کے تعلقات خراب ہو گئے۔ وہ جب اس صورت حال پر غور کرتے اور عہد نبوی یا زمانہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا تصور ذہن میں لاتے تو

وہ نورا اس نتیجہ پر پہنچ جاتے کہ ایک طرف تو حضرت عثمانؓ کا طریقہ سنت موروثہ سے کچھ مختلف ہے دوسرے یہ کہ ان پر ظلم ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مفتوحہ علاقہ سے محاصرے قبل جو باغی آئے تھے انہوں نے حضرت عثمانؓ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ مال غنیمت کے مصارف پر از سر نو غور کریں۔ ان کا مطالبہ تھا کہ مال غنیمت میں سے صرف اپنی لوگوں کو ملے جہوں نے اسے لڑ کر حاصل کیا تھا یا ان بزرگوں کو ملے جو ان کے خدا کے اصحاب ہیں، اس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ ان کی نظر میں حضرت عثمانؓ اموال عامہ کے خرچ کرنے میں اسراف سے کام لے رہے تھے۔ چنانچہ ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ سے صرف یہ مطالبہ نہ کیا کہ وہ فضول خرچی سے باز رہیں بلکہ ان سے ایک ایسی نئی مالی سیاست کے مرتب کرنے کا بھی مطالبہ کیا جو خود فاروقی سیاست سے بھی جداگانہ ہو۔ مال غنیمت کے بارے میں حضرت عمرؓ کا طرز عمل معلوم تھا۔ وہ حکم اپنی کی رو سے مال غنیمت کا پانچواں حصہ رئیس کے لیے اور باقی چار حصے اس مال کے حاصل کرنے والوں (فوج) کے حوالے کر دیتے۔ یہ خمس خرچ اور حبزیہ کی وصول شدہ رقم میں شامل ہو جاتا۔ اس رقم میں رفاہ عامہ پر خرچ کرتے، ازاں بعد اسی رستم سے مسلمان مردوں اور عورتوں اور بچوں کو وظائف دیئے جاتے تمام فوجیوں کو دوسرے عام لوگوں کی طرح وظیفہ دیا جاتا تھا ہی ان میں سے جنگ میں حصہ لینے والوں کو ان کا مال غنیمت کا حصہ الگ ملتا، مگر جب علاقہ محروسہ کے باشندوں نے خلیفہ اور ان کے

عمال کا مال غنیمت کے صرف میں اسراف دیکھا تو انہوں نے مطالبہ کیا کہ اس مال  
 عامہ میں سے صرف ان لشکریوں کو دیا جائے جنہوں نے مال غنیمت حاصل کرنے  
 میں شرکت کی ہو۔ خواہ انہوں نے لڑائی میں حصہ لیا ہو یا نہ لیا ہو۔ لڑنے والوں  
 کے لئے وہ رقم ان کا اجر ہو گا اور نہ لڑنے والوں کے لئے۔ رقم از قسم "معاش"  
 (پنشن) ہو گی۔ ان لشکریوں کے علاوہ مال غنیمت سے اصحاب رسول کو حصہ  
 دیا جائے کیونکہ وہ آپ کے ہمراہ شریک جنگ رہے اور بہت سے بعد میں دوسری  
 فتوحات میں بھی شامل رہے۔ لہذا وہ اس مال غنیمت میں سے "معاش" حاصل  
 کرنے کے اسی طرح مستحق ہیں جس طرح ایسے سپاہی جو شریک جنگ ہوتے  
 رہے اور پھر محروح یا ضعیف ہو جانے کی وجہ سے پنشن کے حقدار ہو گئے۔ رہے  
 وہ مسلمان جو کسی معرکہ میں بھی شریک نہ ہوئے تو انہیں مال غنیمت میں سے کچھ  
 لینے کا کوئی حق نہیں۔ غرضیکہ اس طرح حضرت عثمانؓ کی مالی حکمت عملی نے ان  
 باغیوں کو اس حد تک پہنچا دیا کہ وہ ان سے خود فاروقی سیاست کو بھی بدل دینے کا  
 مطالبہ کرنے لگ گئے۔ پھر جبکہ خود حضرت عثمانؓ ایک ایسی دور کی سیاست پر  
 عمل پیرا ہو کر جو حضرت عمرؓ کی سیاست سے مختلف تھی ایک ایسا سرمایہ دار طبقہ پیدا  
 کر چکے تھے جو ہوس ملکیت اور اس کی توسیع کی تمام حدود عبور کر گیا تھا تو کوئی  
 وجہ نہ تھی جو باغیوں کو حضرت عثمانؓ اور ان کے عمال سے سیرت عمرؓ کی مخالفت کا مطالبہ  
 کرنے میں مانع ہوتی۔



جب ایسی حکومت سے پالا پڑ جائے جو ایثار کی بجائے خود غرضی و خود  
 پروری پر قائم ہو اور مسلمانوں کے سابقہ روایاتی تقسیم دولت کے مناسب  
 معارف ہو تو اس سے اس خود غرضی کے دور میں کم از کم عدل کا یہ تقاضا تو پورا کرنا  
 چاہیے کہ دولت اپنی لوگوں کے لئے خاص ہو جائے جو اسے اپنی محنت اور خون پسینہ  
 ایک کر کے کماتے ہیں۔ اہم بات یہ تھی کہ باغی حضرت عثمانؓ کی پیدا کردہ سرشاری  
 کو انتہائی ممکن حد تک منصفانہ اور سب کے لئے یکساں دیکھنا چاہتے تھے۔  
 وہ یہ بھی دیکھتے تھے کہ بہت سے جواتان قریش اور اہل مدینہ اپنے وظائف کے  
 سہارے بالکل بیکاری کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ بلکہ بعض حالات میں ان  
 ان وظائف کی ضرورت ہی نہ تھی۔ چنانچہ باغیوں نے یہ بھی کہا تھا ان میں سے  
 جو امیر ہیں انہیں ثوبیت المال سے کچھ لینے کا حق ہی نہیں ہے اور جو غریب  
 ہے اسے ہاتھ پیر چلا کر کمانا چاہیے۔ اموال عامہ کو نیکوں اور سبے کاروں پر  
 خرچ کرنے کا کیا مطلب ہے؟ حضرت عثمانؓ نے ان کا یہ مطالبہ مان لیا  
 اور لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ جس کے پاس زمین ہے وہ اپنی کھیتی  
 کاٹ کر بے جس کا کوئی کاروبار چل رہا ہے وہ اپنے کاروبار سے کمائے  
 بیت المال سے اب وظیفہ فقط مجاہدین اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
 وسلم ہی کو ملے گا۔

لیکن حضرت عثمانؓ اپنی اس حکمت عملی کو نافذ بھی نہ کرتے پاتے تھے کہ

نساد کا آغاز ہو گیا۔ اگر حضرت عثمانؓ اموال عامہ کے بارے میں سیرت عمرؓ کا اتباع کرتے اور مال کو صرف اس کے مستحقین پر خرچ کرتے تو وہ اپنے آپ کو بھی اور سلمانؓ کو بھی ایک بہت بڑے فساد سے بچا لیتے۔ اور ممکن تھا کہ اسلام انسانیت کے لئے ایک ایسا مناسب سیاسی اور اجتماعی نظام پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتا جو اسے بہت سی پریشانیوں اور مشاوات سے بچا لیتا جس میں وہ مبتلا ہوتی رہی، لیکن زندگی کے حالات و انقلابات حضرت عثمانؓ کے بس کا روگ نہ تھے اور کون کہہ سکتا ہے کہ شاید خود حضرت عثمانؓ بھی اگر وہ جلد ہی فوت نہ ہو جاتے تو ان کا مقابلہ کرنے کی تاب نہ لاسکتے۔

جہاں پہنچو وہاں

حضرت عمرؓ کے کوائف خلافت تو یہ بتاتے ہیں کہ اگر وہ کچھ عرصہ اور زندہ رہتے تو ایسا نظام مستحکم طور پر قائم کر جاتے جو نوع انسان کو ان پریشانیوں سے نجات دلا دیتا جن میں وہ مبتلا چلی آ رہی ہے۔

وطلوع اسلام

# پچیسواں باب

## حضرت عثمانؓ کا اپنے مخالفین کے ساتھ طرز عمل

مسلمانوں نے حضرت عثمانؓ کے اس طرز عمل پر کبھی اعتراضات کئے جو انہوں نے اپنے اوپر تنقیدیں کرنے والوں اور مخالفوں کے ساتھ روا رکھا، اس سلسلہ میں ان کا رویہ حضرت عمرؓ کی سیرت سے بہت زیادہ ہٹا ہوا تھا، حضرت عمرؓ نے جس شدت کے ساتھ اپنے عمال کو لوگوں کی آزادی سلب کرنے سے منع کیا اتنا اور کسی شے سے منع نہ کیا وہ کہا کرتے تھے کہ تم نے لوگوں کو اپنا غلام کیوں سمجھ رکھا ہے حالانکہ آزادی ان کا پیدائشی حق ہے۔ اسی طرح وہ رعایا کو ناحق جسمانی سزا دینے سے اپنے عمال کو جس قدر سخت ہدایات دے کر منع کرتے تھے اتنی سختی وہ کسی اور حکم پر نہیں کرتے تھے۔ شرعی حدود کے سوا کسی حالت میں بھی لوگوں کو مار کی سزا دینے کے روادار نہ تھے وہ کسی ایسے سرکاری عہدہ دار کو



جو شرعی سزا کے علاوہ رعیت کو مارتا پٹیتا یا ناحق کسی پر زیادتی کرتا بغیر قصاص لئے  
 کبھی نہ چھوڑتے۔ لیکن حضرت عثمانؓ کی طرف سے اہل سنت و معتزلہ حضرات خواہ  
 کتنے ہی عذر کیوں نہ پیش کریں اس امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا انھوں نے خود  
 بھی رعایا پر زیادتی کی اور اپنے مال کو بھی رعیت پر سختیاں اور زیادتیاں کرنے مار  
 پیٹنے اور حبلا وطن اور قید کرتے کے لئے آزاد چھوڑ دیا۔ خود ان کے ہاتھوں یا  
 ان کے حکم سے رسول خدا کے دو حبیبین القدر صحابی پائے۔ حضرت عمار بن یاسر  
 کو اس طرح مارا گیا کہ انھیں فتن کا عارضہ ہو گیا، حضرت عبداللہ بن مسعود کو مسجد  
 نبویؐ سے بڑی سختی اور ذلت کے ساتھ دھکے دے کر نکلوا یا گیا کہ ان کی ایک  
 پسلی ٹوٹ گئی۔ ان دونوں بزرگوں نے حضرت عثمانؓ پر خواہ کسی ہی سخت تنقید یا  
 اور طعن و تشنیع کیوں نہ کی ہوں۔ کتنا ہی ان کو بدنام کیوں نہ کیا ہو ہمارے  
 پاس کوئی ایسی اطلاع نہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ان کے خلاف مقدمہ چلایا ہو  
 یا ان کے خلاف عائد کردہ الزام پر کوئی پختہ ثبوت فراہم کیا ہو یا ان میں  
 سے کسی کو اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع دیا ہو۔ انھوں نے ان کے متعلق  
 جو کچھ اپنے عمال یا مقربین سے سنا اس پر کئی اعتماد کر کے بغیر کسی دلیل و ثبوت  
 کے انہیں سزا دیدی۔ حالانکہ انہیں اس قسم کا کوئی حق نہ پہنچتا تھا۔ اہل سنت  
 اور معتزلہ میں سے حضرت عثمانؓ کے حامی یہ کہتے ہیں کہ امام کو سزا دینے کا  
 حق حاصل ہے نہیں اس میں بھی کوئی شک یا اعتراض نہیں، بشرطیکہ مسلمان

اسی وقت منراوی جائے جبکہ اس کے خلاف جرم ثابت ہو جائے اور وہ سزا  
 مستحق ہو جائے، نیز یہ کہ مجرم سے جواب طلبی کر لی جائے اور اس کا عذر سنا جائے  
 ہمیں نہیں معلوم کہ حضرت عثمانؓ نے حضرات عمارؓ یا ابن مسعودؓ کے خلاف تحقیقات  
 یا مقدمہ چلایا ہو۔ اسی طرح انھوں نے یہ نفس نفیس حضرت ابوذر غفاریؓ پر سختی کی  
 یہاں تک کہ انھیں جلا وطن کر دیا یا جلا وطنی پر مجبور کر دیا کسی خاص جرم کی یاد  
 میں نہیں بلکہ محض اس لئے کہ حضرت ابوذرؓ اموال عامہ سے متعلق حضرت  
 کی حکمت عملی پر معترض تھے اور اس نظام اجتماعی کو ناپسند کرتے تھے جس نے دو  
 کا ایک طبقہ پیدا کر کے ان کے لئے زرو سیم جمع کرنے اور بے شمار جائیدادیں  
 حاصل کر لینے کا سامان مہیا کر دیا تھا۔ علاوہ ازیں حضرت عثمانؓ نے اپنے عمارؓ  
 کو یہ اختیار بھی دے رکھا تھا کہ جس کا بھی کوئی عمل ان کی پسند کے خلاف ہو  
 اسے جلا وطن کر دیں۔ چنانچہ ان کے عمال نے کوفہ کی ایک جماعت کو ایک  
 علاقہ اور کبھی دوسرے علاقہ میں بھیجا۔ سعیدؓ نے ان لوگوں کو حضرت معاویہؓ کے  
 پاس بھیجا اور حضرت معاویہؓ نے انھیں پھر سعیدؓ کے پاس بھیج دیا، اور سعیدؓ  
 پھر انھیں حضرت عبدالرحمن بن خالدؓ کے پاس روانہ کر دیا حالانکہ نہ ان  
 خلاف تحقیقات کی گئی نہ ثبوت لئے گئے اور نہ ان سے صفائی طلب کی گئی۔  
 طرح حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن عامرؓ کو یہ اجازت دیدی کہ وہ عامر بن عبداللہؓ  
 کو شام کی طرف جلا وطن کر دیں۔ لیکن امیر معاویہؓ عامر سے پہلی ہی ملاقات کے

بعد اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ وہ بے گناہ ہے اور اس کے خلاف دروغ بیانی کی گئی ہے  
 لہذا امیر معاویہؓ نے اسے پس بصرہ بھیج دینا چاہا مگر عاص نے جاننے سے انکار کر دیا۔ عہد  
 بن سعد بن ابی سرح کا حوصلہ اس قدر بڑھ گیا تھا کہ اس نے خلیفہ کے پاس شکایت  
 کرنے والے بعض افراد کو اس قدر زد و کوب کیا کہ ان میں سے ایک کی موت واقع  
 ہو گئی۔ آخر مجبور ہو کر مہاجرین و انصار اور اراج رسولؐ نے حضرت عثمانؓ پر زور  
 دیا کہ وہ مصریوں سے ان کے عامل کے ظلم کا انصاف کریں۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ  
 نے اس کا ارادہ بھی کیا لیکن عملی طور پر اپنا ارادہ پورا نہ کر سکے۔

اس سخت گیر سیاست کا جس نے خلیفہ اور ان کے عمال کو لوگوں کو جسمانی  
 ذہنی پینچانے اور غوام کے ہن و حریت سلب کرنے پر مسلط کر رکھا تھا۔ بھلا  
 سیرت رسول اکرمؐ اور حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے طرز عمل سے کیا تعلق تھا؟ سیرت  
 کے واقعات ہیں ہمیں ایک ایسے شخص کی جسارت کا واقعہ ملتا ہے جس نے خود آنحضرتؐ  
 پر اعتراض کر دیا تھا اور کہا تھا "اے محمدؐ انصاف کریں۔ آپؐ نے انصاف نہیں  
 کیا" اس نے تین بار جلد دھرایا۔ تیسری بار کے بعد آپؐ نے اس سے زیادہ  
 کچھ نہ فرمایا "ہوش میں آؤ۔ اگر میں انصاف نہیں کرتا تو اور کون کرے گا؟"  
 مسلمانوں نے اس شخص کو سزا دینی چاہی۔ لیکن آپؐ نے انہیں ایسا کرنے سے  
 منع فرما دیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عہد عثمانؓ میں مسلمانوں نے نئے طور طریق اختیار





# سائیسوال باب

## مخالفین و حضرت عثمان رضی

حضرت عثمان رضی کے خلاف ان کے معاصرین نے خلافت عثمان کا استقبال خوشی کی مخالفتوں کا تدریجی ارتقاء اور طمانیت کے ساتھ کیا تھا۔ کیونکہ

تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ سلاطین  
حضرت عثمان نے ان کے لئے ان چیزوں میں کٹکٹ کی گئی تھیں حضرت عمر رضی  
ننگی اور شدت برتتے تھے، اور انھوں نے ان کے لئے وہ امور آسان کر دیئے  
تھے جنہیں حضرت عمر رضی نے ان کے لئے سخت اور مشکل بنا رکھا تھا، جیسا کہ آپ نے  
ملاحظہ فرمایا انھوں نے سب سے پہلے خلیفہ بنتے ہی وظائف جبرھا دیئے۔ عداوت  
اور توام سے نرمی کا سلوک کیا۔ دل کھول کر سخاوتیں کیں اور بخششیں دیں۔

یہی وجہ ہے کہ لوگوں کو ان کے دور میں کچھ اس قسم کی آسودگی اور فارغ البالی محسوس  
 ہونے لگی جسے وہ عہد فاروقی میں نہ پاتے تھے، اسی طرح قریشیوں کو بھی ایک خاص  
 قسم کی آزادی کا احساس ہونے لگا جس سے وہ عہد فاروقی میں آشنا نہ تھے۔ گویا  
 حضرت عمرؓ کی طرح حضرت عثمانؓ سیاہ کنکریلی گھائی ٹکے سر پہ کھڑے ہو کر  
 قریش کا راستہ روکے نہ رہے تاکہ انہیں آگ میں گرنے سے بچالیں بلکہ اس کے  
 دہانے سے ہٹ گئے اور قریش کو اجازت دیدی کہ محرمؓ علاقوں اور شہروں  
 میں جہاں چاہیں آباد ہو جائیں۔ اس امر پر تقریباً تین سو سال تک نظر آتے ہیں کہ حضرت  
 عثمانؓ کی خلافت کے پہلے چھ سال ان وسلاسی سے گزر گئے اور جب دوسرے  
 ثانی کا آغاز ہوا تو سخت مشکلات اور پیچیدگیاں رونما ہونے لگیں۔

میرا خیال ہے کہ علامہ المسلمین حضرت عثمانؓ کی خلافت سے ابتدائی  
 چھ سال تک تو راضی رہے پھر ان کے چار برس تک اسے گوارا کرتے رہے اور جب  
 ان کی مدت خلافت دس برس سے آگے بڑھ گئی تو مسلمان حضرت عثمانؓ سے  
 تنگ آ گئے اور انہیں یہ مدت طویل نظر آنے لگی۔ ان لوگوں نے شروع میں  
 تو اس امر کا اظہار بڑی نرمی سے کیا۔ پھر بعد میں ذرا تندگی اور گرمی پیدا ہو گئی  
 پھر ان کی مخالفت نے روز بروز شدت اختیار کر لی تو رفتہ رفتہ منظر ناک  
 شکل اختیار کر گئی اور بالآخر اپنے نہایت انتہائی مقام تک پہنچ گئی  
 اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت عثمانؓ کو ان دس سالوں میں کسی مخالفت



سامانہ کرنا پڑا ہو کیونکہ مخالفت تو روز اول ہی حضرت عبید اللہ بن عمر کے جھگڑے سے شروع ہو گئی تھی، ہمارا مطلب یہ ہے کہ مخالفت نے خطرناک صورت حضرت عثمانؓ کی زندگی کے دو آخری سالوں میں اختیار کی۔ میرا یہ خیال تقریباً یقین کی حد تک پہنچ چکا ہے کہ جس دن حضرت عثمانؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر والی انگوٹھی چاہا اسی دن کھودی اسی دن سے لوگوں کے دلوں میں بدشگونی آہستہ آہستہ گھر کرتی چلی گئی۔ یہ انگوٹھی آنحضرتؐ کے بعد باری باری حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو ملی، اور وہ دونوں حضرات مملکت کے سارے معاملات اسی قائم کے ذریعے سرانجام دیتے رہے۔ وہ دونوں اسے باعث خیر و برکت سمجھتے اسے ایک اہم اور گرانقدر میراث جانتے تھے۔ دونوں حضرات خلیفہ رسول اور سنت رسول کو نافذ کرنے والے اور اپنی کے طریقہ پر کاربند ہونے کی حیثیت سے تمام معاملات اسی انگوٹھی کے ذریعے منبیل کرتے تھے۔ جیسے خود رسولؐ لفظ از زندگی بھر اس کی ہر ثبت فرما کر احکام نافذ فرماتے رہے۔ حضرت عثمانؓ کو یہ انگوٹھی حضرت عمرؓ سے ملی۔ اور حضرت عمرؓ کو یہ انگوٹھی حضرت ابوبکرؓ سے اور حضرت ابوبکرؓ کو جب وہ خلیفہ بنے تو یہ انگوٹھی اہل بیت رسولؐ سے ملی تھی۔ جب یہ انگوٹھی حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے کنوئیں میں گر پڑی اور بادیہ و پوری تماس دھبہ کے جب مسلمانوں کو اسے پانے میں ناکامی ہوئی یا مخصوص جبکہ کنوئیں میں پانی بھی نہ ایک اتفاقی حادثہ سے بدشگونی لینا قرآن کی تعلیم کے مطابق ہے نہ عقل و بصیرت کی رو سے مستحسن۔

(طلوع اسلام)

زیادہ نہ تھا تو مسلمانوں پر یہ بات شاق گزری اور انہوں نے اس سے ہشگوئی  
لی۔ خود حضرت عثمانؓ کو بھی اس انگوٹھی کے ضائع ہونے کا شدید قلق ہوا۔ بہر حال  
انہوں نے اسی کی تحریر و نقش کے مطابق دوسری انگوٹھی جس پر محمد رسول اللہؐ  
کندہ تھا بنوائی۔ لیکن یہ انگوٹھی انگشت رسولؐ سے نہ ہوئی تھی۔ نہ ہی وہ  
انگشت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے لگی تھی۔ وہ تو ایک نئی مصنوعی انگوٹھی تھی جو  
نہ دراثتاً ملی تھی۔ نہ قبل ازیں اس کے ذریعے فیصلوں اور احکامات پر ہر لگائی  
تھی۔ گویا اس نئی انگوٹھی کے ساتھ حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت کے ایک دور  
کا آغاز کیا، راویوں کا بیان ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ

پہلے شخص ہیں جس نے حضرت عثمانؓ  
حضرت عثمانؓ کی خلافت پہلی جرأت کے فیصلہ کی مخالفت کی جرأت کی۔

اس طرح کہ کچھ کارندے سے عدتے قے کے اونٹ لائے۔ حضرت عثمانؓ نے وہ اونٹ  
حکم کے کسی عزیز کو بخش دیئے۔ جب حضرت عبدالرحمنؓ کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں  
نے بعض صحابہ کرامؓ کو بلا کر اس سے وہ اونٹ واپس منگوائے اور انہیں دوسرے  
لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ حضرت عثمانؓ اپنے گھر میں ہی تشریف فرما رہے انہوں  
نے اس جرأت پر نہ تو اٹھا۔ ناگواری کیا اور نہ اس کا ردوائی میں کوئی تبدیلی کی  
حتیٰ کہ انہوں نے حضرت عبدالرحمنؓ اور ان کے رفقاء سے اس ضمن میں کوئی  
بھی نہ کی۔ بہر حال حضرت عبدالرحمنؓ اور ان کے رفقاء کی یہ جرات فی نفع

بہت بڑا اور خطرناک اقدام تھا، کیونکہ ان کی یہ کارروائی فرمان حکومت میں تغیر و تبدل کے مترادف تھی۔ پھر اس گستاخی پر حضرت عثمانؓ کی خاموشی اس سے بھی زیادہ خطرناک بات تھی۔ کیونکہ اس کا مطلب اپنا غلطی کا اعتراف اور حکومت کی دھاک کو کم کرنا تھا۔

اس کے بعد لوگوں کو حضرت عثمانؓ کی سیاست میں جو بات بھی ناگوار گزرتی وہ اس کے خلاف اظہارِ ناپسندیدگی اور اعتراضات کرنے لگے۔ ان کے اعتراضات کبھی صحیح ہوتے اور کبھی غلط، لیکن پھر حال وہ مخالفت کرتے رہتے۔ بعض لوگوں کو بھرے مجمع میں حضرت عثمانؓ کے ردِ پرو بھی مخالفت کرنے میں کوئی باک نہ تھا۔ بعض اشخاص ایسے بھی تھے کہ حضرت عثمانؓ کا حکم پاتے اور تعمیل سے انکار کر دیتے جیسے حضرت ابوذرؓ جو سرمایہ داروں کی خدمت بہ شدہ مد کرتے۔ اور یہ آئیہ کریمہ تملوت کرتے رہتے تھے۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا

فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (۲۴)

اور جو لوگ سونے پانڈی کے ذخیرے جمع کر رکھتے ہیں اور انہیں اہ

خدا میں خرچ نہیں کرتے انہیں المناک عذاب کی بشارت دیدے۔

حضرت عثمانؓ نے انہیں منع کر بھیجا۔ لیکن حضرت ابوذرؓ نے تمیل حکم سے انکار کر دیا۔

اور کہا: خدا کو ناراض کر کے عثمانؓ کو خوش کرنے کے مقابلے میں مجھے یہ زیادہ عزیز



ہے کہ میں عثمان کو ناراض کرنے کے خدا کو خوش کر لوں :-

ولید بن عقبہ کا واقعہ بھی ایسا نہیں جو لوگوں کو وقار حکومت کا احساس دلاتا۔ کیونکہ جب حکومت کے کسی عامل کے خلاف یہ ثبوت بہم پہنچ جائے کہ وہ شراب پیتا ہے اور خلیفہ کو اس عامل کے معزول کرنے اور اسے شرعی سزا دینے پر زور دیا جا رہا ہو نیز یہ چرچا عام ہو جائے کہ خلیفہ نے اسے حضرت سعد کی جگہ عامل بنا کر غلط اقدام کیا۔ اور یہ خیال بھی پھیلنے لگے کہ خلیفہ نے یہ جاننے کے باوجود کہ وہ حکومت کے لائق نہیں محض قرابت واری کی وجہ سے اسے حاکم مقرر کر دیا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ صورت حال ایسی نہ تھی جس سے حکومت کی شان و عظمت میں اضافہ ہوتا ہو۔ اس کے بعد مفتوحہ علاقوں میں مخالفت شدت اختیار کرنے لگی جس کی گونج مدینہ تک پہنچتی تھی۔ یہاں تک کہ عبودؓ حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو بلا وطن کرنے کا طریقہ رائج کیا اسی گونج پر خود مدینہ میں مخالفت روز بروز بڑھتی چلی گئی جس کی گونج مفتوحہ علاقوں تک پہنچ رہی تھی۔ جس سے اطراف ملک کے مخالفین کی سختی اور جرأت میں اضافہ ہوتا تھا۔ آخر تنگ آ کر حضرت عثمانؓ نے اپنے ان مخالفین پر سختی کرنا شروع کی۔ دھمکا بھی ڈرایا بھی، اور کبھی بے قابو ہو کر کسی مخالف کو زد و کوب بھی کر بیٹھے۔

مورخین کا بیان ہے کہ ۳۴ھ میں لوگوں کی طرف سے حضرت عثمانؓ کی مخالفت بہت بڑھ گئی، ان کے ساتھ وہ نازیبا سلوک کئے گئے جو کسی کے ساتھ

روا نہیں رکھے جاتے۔ اصحاب رسول یہ سب کچھ دیکھتے اور سنتے تھے۔ لیکن ایک نہایت ضعیف سی جماعت کے سوا جو زید بن ثابتؓ۔ ابو اسید الساعدیؓ۔ کعب بن مالکؓ۔ اور حسان بن ثابتؓ پر مشتمل تھی کوئی بھی نہ تو ان مخالفوں کو منع کر رہا تھا نہ خلیفہ کی حفاظت و مدافعت کر رہا تھا۔ بلکہ مدینہ میں مقیم محاسب ان اصحاب رسولؐ کو جو سرحدی علاقوں میں منتشر تھے لکھ رہے تھے کہ مدینہ میں واپس آجائیے تاکہ خلافت کے معاملہ میں جو بل پڑ گئے ہیں انہیں نکالا جائے۔ یہ لوگ ان کو یہ بھی لکھتے تھے کہ آپؐ لوگ جہاد کی جستجو میں تکل کھڑے ہوئے حالانکہ میدان جہاد آپؐ کے پیچھے ہے یعنی مدینہ میں (دین کی سلامتی اور حفاظت کی خاطر مدینہ کی طرف لوٹ آؤ کیونکہ اقتدار نے دین کو ایک بہت بڑے فساد کی نذر کر دیا ہے۔

اسی دوران میں ایک دفعہ لوگوں نے لوگوں کی طرف سے حضرت عثمانؓ کے پاس حضرت علیؓ کی نمایندگی پر باہم گفتگو کی اور حضرت عثمانؓ کو برا بھلا کہا۔ پھر حضرت علیؓ کو آمادہ کیا کہ حضرت عثمانؓ کے پاس جا میں وہ ان سے کچھ کہیں سنیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ سے ملے اور کہا مجھے لوگوں نے آپؐ کی خدمت میں بھیجا ہے اسمنوں نے آپؐ کے بارے میں مجھ سے بہت کچھ کہا ہے۔ مجذامیں نہیں جانتا کہ آپؐ سے کیا کہوں۔ کوئی ایسی چیز میں نہیں

جانتا جس کا آپ کو علم نہ ہو۔ نہ میں کسی ایسے معاملے کی طرف توجہ دلا سکتا ہوں جس سے آپ بے خبر ہوں۔ جو ہم جانتے ہیں وہ آپ پر بھی روشن ہے میں کسی چیز کے بارے میں آپ پر سبقت حاصل نہیں کہ آپ کو مطلع کریں۔ کوئی بات ایسی نہیں جو صرف ہم تک محدود رکھی گئی ہو کہ ہم اسے آپ تک پہنچائیں۔ غرض کسی معاملے میں بھی آپ کو چھوڑ کر ہمیں کوئی خصوصیت نہیں بخشی گئی۔ آپ نے رسول خدام کو دیکھا۔ ان کی باتیں سنیں۔ ان کی صحبت میں رہے۔ آپ کو ان کی دامادی کا شرف بھی حاصل ہے۔ بل حق میں حضرت ابوبکرؓ کو یا اعلیٰ خیر میں حضرت عمرؓ کو آپ پر کوئی فضیلت نہ تھی۔ رشتہ کو دیکھا جائے تو آپ رسول خدام سے قریب تر ہیں۔ کیونکہ آپ کو ان کی دامادی کا شرف حاصل ہے جو حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو حاصل نہ تھا۔ اس کے علاوہ بھی وہ آپ سے کسی معاملہ میں فائق نہ تھے۔ لہذا اے عثمان! اپنے بارے میں خدا کا خوف کیجئے۔ سچا آپ نابینا نہیں کہ آپ کو بصارت دی جائے آپ نادان نہیں کہ آپ کو دانش عطا کی جائے۔ راہ واضح اور روشن ہے دین کی حدود و علامات قائم ہیں۔ جان لیجئے اے عثمان! کہ خدا کے نزدیک اس کا سب سے برگزیدہ بندہ امام عادل ہے جس نے ہدایت پائی اور ہدایت دی جو سنت مردودہ کو قائم رکھے اور ہر بدعت متروکہ کا قلع قمع کرے۔ سچا سب کچھ عیاں ہے۔ سنت کے اپنے حدود و علامات ہیں اور بدعتوں کے اپنے یہ بھی جان لیجئے کہ خدا کے نزدیک بدترین انسان وہ جو پیشہ امام ہے جو خود گمراہ



ہو اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے۔ اور جس نے سنت معروفہ کا قلع تمع کر کے بد  
 متروک کو حیاتِ نو بخشی۔ میں نے رسولِ خدا کی زبانی سنا ہے کہ قیامت کے روز  
 ایک ظالم دنیا سزا امام کو پیش کیا جائے گا جس کا نہ کوئی مددگار ہو گا نہ عذر خواہ۔  
 چنانچہ اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ پھر وہ جہنم میں اسی طرح گرداں  
 رہے گا جیسے چکی۔ یہاں تک کہ جہنم کے کنڈ میں غرق ہو جائے گا۔ میں آپ  
 کو خدا کا خوف دلاتا ہوں۔ اس کے جلال و انتقام سے ڈراتا ہوں۔ اس کا  
 عذاب بڑا شدید اور المناک ہے۔ میں آپ کو خوف دلاتا ہوں کہ مسیحا  
 امت کے امام مقتول آپ ہی ہوں کیونکہ کہا گیا ہے کہ اس امت کا ایک  
 امام قتل ہو گا اور اس کے قتل سے امت میں کشت و خون کا جو سلسلہ شروع  
 ہو گا وہ تا قیامت جاری رہے گا اس قتل کی وجہ سے امت کے معاملات  
 مشکوک اور مشتبہ ہو جائیں گے۔ گروہ بندیاں ہوں گی اور لوگ باطل کے  
 تسلط کی وجہ سے حق کو پہچان ہی نہ سکیں گے اور تا ابد اسی حق و باطل کی کشمکش  
 میں حیران و سرگرداں رہیں گے۔

نہیں معلوم کہ بیان کردہ گفتگو ہو ہو رہی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے

۱۔ اگر یہ بیان کسی روایت پر مبنی ہے جسے رسول اللہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو  
 وہ روایت یقیناً دھنی ہوگی۔ اس لئے کہ علم غیب خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔  
 (علومِ اسلام)

کی یا ان مطالب کو اپنے الفاظ میں ڈھالا گیا ہے۔ یہ حال اہم چیز ہے کہ مدینہ میں مخالفت و تنقید ان انفرادی حدود سے بہت آگے نکل گئی تھی جن میں اکابر کا متفرق مقامات پر اعتراضات و مخالفتیں ہوتی ہیں جو ذریعہ ہوتیں اور جلد رفع دفع ہو جاتی ہیں۔ بلکہ اس کے برخلاف یہ مخالفت ایک اجتماعی اور منظم شکل اختیار کر چکی تھی جس کی زو اب براہ راست خلیفہ پر پڑتی تھی۔ اب خلیفہ کے طرز عمل اور ان کی سیاست کے خلاف جو اعتراض بھی ہوتا وہ ان تک پہنچا دیا جاتا اس کے بعد اس کے رد عمل کا انتظار کیا جاتا، گویا ہماری آج کی بولی میں یہ مخالفت سیلی حیثیت سے نکل کر ایجابی شکل اختیار کر گئی تھی۔ یہ حال حضرت عثمانؓ نے مخالفین کے نمائندہ کی گفتگو سنی اور جواباً کہا "مجھ سے علم تھا کہ یہ لوگ یہی کچھ کہتے ہیں جو آپ نے کہا۔ خدا کی قسم اگر آپ میری جگہ ہوتے تو نہ میں آپ کے ساتھ یہ درشتی روا رکھتا نہ آپ کا ساتھ چھوڑتا۔ نہ آپ کی عیب جوئی کرتا اور بھلا بتائیے کہ صلہ رحمی کر کے، ضرورت مند کی حاجت روائی کر کے، بے سہارے کو پناہ دے میں نے کون سا نازیبا اور منکر کام کیا ہے؟ میں نے اسی قسم کے لوگوں کو والی بنایا۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بناتے تھے۔ علیؓ! میں سمجھتا تھا کہ اسطرح کے لوگ جو ہوں کیا آپ جانتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہ اس طرح کے نہ تھے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا "بجائے" حضرت عثمانؓ نے کہا "آپ کو معلوم ہے کہ انہیں حضرت عمرؓ نے متعین کیا تھا؟ حضرت علیؓ نے کہا "بجائے"۔ حضرت عثمانؓ نے کہا "تو

پھر عبداللہ بن عامر کی تولیت پر آپ لوگ مجھے اقرباً و نوازی کا الزام لگا کر  
 کیوں ملامت کرتے ہیں؟ حضرت علیؑ نے کہا: میں آپ کو بتاتا ہوں کہ حضرت  
 عمر بن الخطابؓ جیسے بھی حاکم بناتے تھے اس کے سر پر مدار بستے تھے۔ اگر ایک  
 حرف بھی ان کے خلاف انھیں معلوم ہوتا تھا تو فوراً جواب طلبی کرتے اور پھر  
 انھیں اتہاتاک پہنچا کر دم لیتے تھے لیکن آپ ایسا نہیں کرتے۔ آپ کمزور ہیں  
 اور اپنے اعزہ سے نرمی کا سلوک اور رعایت کرتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا  
 ”وہ لوگ آپ کے بھی تو اعزہ ہیں“ حضرت علیؑ نے کہا ”واقعی وہ لوگ میرے  
 قریبی رشتہ دار ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ دوسرے لوگ ان سے زیادہ حسنا  
 فضیلت ہیں“ حضرت عثمانؓ نے کہا ”کیا آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت عمرؓ نے  
 معاویہؓ کو اپنی تمام مدت خلافت حاکم مقرر رکھا۔ لہذا میں نے بھی انھیں بحال  
 رکھا“ اس پر حضرت علیؑ نے کہا میں آپ کو خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں  
 کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جس قدر معاویہؓ حضرت عمرؓ سے ڈرتے تھے اتنا حضرت  
 عمرؓ کا غلام ہر فرد بھی ان سے خائف نہ تھا؟“ حضرت عثمانؓ نے کہا ہاں،  
 حضرت علیؑ نے کہا ”لیکن معاویہؓ آپ سے مشورہ کئے بغیر خود ہی معاملات کا  
 فیصلہ کر دیتے ہیں پھر آپ کو علم ہے کہ وہ لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ حضرت عثمانؓ  
 کا حکم ہے۔ پھر جب معاملہ آپ تک پہنچتا ہے تو آپ معاویہؓ کی کارروائی میں  
 کوئی تبدیلی نہیں کرتے“

۱۔ تاریخ طبری سہ ماہی کے حادثات۔



یہ مختصر نامکالمہ جہاں اس ناگواری اور ناپسندیدگی کی صحیح ترین تصویر ہے جسے حضرت عثمانؓ کے خلاف مدینہ میں محسوس کیا جاراہا تھا۔ وہاں اس امر کی بھی صحیح ترین تصویر ہے کہ اس مخالفت کا حضرت عثمانؓ کیا جواب دیا کرتے تھے۔ مخالفین کو جو امر ناگوار اور تاہل اعتراض معلوم ہونا تھا وہ تھا حضرت عثمانؓ کا اموال و مناصب حکومت کے معاملہ میں اقربا نوازی، نیز ان عمال کے جو ان کے اعزہ بھی تھے محاسبہ میں رعایت اور دھیلی گرفت کرنا، حضرت عثمانؓ نے اس کا جواب یہ دیا کہ اکھنوں نے ایسا صلہ رحمی، حاجتمندی و حاجت روائی خانہاں برباد کو پناہ بخشی کے لئے کیا ہے، نیز یہ کہ عمال کے انتخاب میں وہ حضرت عمرؓ کے طریق کار پر کاربند رہے ہیں۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو حضرت عمرؓ نے عامل مقرر کیا تھا۔ اسی طرح حضرت معاویہؓ کو بھی حضرت عمرؓ نے تمام دور خلافت میں عامل رکھا۔ اس کا جواب حضرت علیؓ نے یہ دیا کہ حضرت عمرؓ اپنے عمال پر بڑی کڑی نگاہ رکھتے تھے اور اگر ان سے ذرا سی بھی غلطی تھی تو فوراً اس پر سخت گرفت کرتے تھے۔ نیز یہ کہ معاویہؓ حضرت عمرؓ سے آدھ درجہ دُور تھے کہ خود حضرت عمرؓ کا غلام سیرفؓ بھی ان سے اتنا مخالفت نہ کرتا۔ دونوں بزرگ کسی متفقہ فیصلہ پر پہنچے بغیر ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؓ کے اس رویہ سے رنج پہنچا کہ اکھنوں نے ان کا چھوڑ کر اکھنیں تصور دار بھڑایا اور ان پر نکتہ چینی کی۔ حالانکہ ان کا فرض

لہوہ باہمی قرابت کا لحاظ کرتے پھر حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کے ساتھ  
 بی بی اس گفت و شنید ہی کو کافی نہ سمجھا بلکہ خود جملہ مخالفین سے اجتماعی شکل  
 میں خطاب کرنے کا ارادہ کیا تاکہ انہیں ڈرامیں دھمکائیں۔ چنانچہ وہ گھر سے  
 نکل کر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور لوگوں سے خدا کی حمد و تعریف کے بعد  
 یہ خطاب کیا۔ ”مجھے آپ سے یہ کہنا ہے کہ ہر شے کے لئے ایک آفت ہے

اور ہر معاملہ کے لئے ایک بربادی  
 حضرت عثمانؓ کی سخت ترین تقریر | مقرر ہے۔ اس امت کی آفت اور

اس نعمت کی بربادی وہ عیب چین اور زبان دراز لوگ ہیں جو تمہارے سامنے  
 تمہاری پسندیدہ باتوں کو برملا بیان کرتے ہیں اور جو تمہاری ناپسندیدہ  
 باتوں کو تم سے چھپاتے ہیں وہ برابر بہتے چلے جاتے ہیں۔ مگر ان لوگوں  
 کی مثال شتر مرغوں کی سی ہے جو پہلی آواز پر ایک کے پیچھے ایک اندھا دھند  
 جاگتے چلے جاتے ہیں۔ انکا محبوب گھاٹ وہ ہوتا ہے جو دو ہو۔ ہمیشہ گلے  
 پانی پراترتے ہیں۔ ان کا کوئی نگہبان اور ناظم امور نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ  
 معاملات کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور ان کے لئے روزی کے ذرائع مسدود ہو جاتے  
 ہیں۔ یاد رکھو مجد اتم مجھے ایسا کام کرنے پر مورد طعن و الزام بنا رہے ہیں  
 حضرت عمرؓ کو تم نے کچھ نہ کہا اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے تمہیں اپنے پاؤں  
 سے روندنا اپنے ہاتھوں سے مارا اور زبان سے تمہیں ٹوکا اور تنبیہ کی لہذا

تم نے طوعاً و کرہاً اطاعت کی، لیکن چونکہ میں نے تمہارے ساتھ نری کالہ کی  
 کیا تمہاری عزت افزائی کی، اپنے ہاتھ اور زبان سے تمہیں کوئی ایذا نہ پہنچا  
 لہذا تم میرے تیر پر چڑھ گئے اور گستاخ ہو گئے۔ سچا میں لوگوں اور قبیلوں  
 میں سب سے بلند مرتبہ ہوں میرے حامی و مددگار بہت قریب اور تعداد میں  
 کثیر ترین ہیں اور میری ایک آواز اس قابل ہے کہ اس پر لوگ میری طرف  
 آجائیں، میں نے تمہارے لئے تمہارے مد مقابل تیار کر رکھے ہیں بلکہ ہر  
 کچھ زیادہ کا بندوبست کر رکھا ہے۔ تم نے میرا مزاج بگاڑ دیا، اور مجھے اپنے  
 اخلاق اور ایسی گفتگو کرنے پر مجبور کیا جو میری طبیعت پسند نہیں کرتی۔ وہ  
 اپنے والیوں کے خلاف زبان طعن دراز کرنے اور ان پر زبکتہ چینی کرنے اور  
 عیب لگانے سے باز آئے۔ میں نے تم سے ایسے شخص کو دور کر دیا تھا  
 کہ اگر وہ تم سے بات کرتا تو جو کچھ وہ کہتا تم اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے  
 اور مجھے اس تقریر کی ضرورت ہی لاحق نہ ہوتی۔ مجھے بتاؤ تو یہی تمہارا کوئی  
 حق مارا گیا ہے؟ سچا میں نے اپنی طرف سے ان امور تک پہنچنے میں کوئی کوتاہی  
 نہیں کی جن تک میرا پیش رو پہنچتا تھا، وہ شخص جس کے کاموں پر تم کو  
 اختلاف نہیں کرتے تھے، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ مال و دولت کا ایک  
 تقسیم کے بعد بچ گیا، تو اس میں کونسا امر مانع ہے کہ میں اس فاصلہ دور  
 سے جو چاہوں کروں، ادھر پھر میرے امام ہونے کے کیا معنی ہیں؟



موقع پر مروان بن حکم نے کچھ کہنا چاہا حضرت عثمانؓ نے اسے یہ کہتے ہوئے  
ڈانٹ دیا مٹاموش! میرے اور میرے ساتھیوں کے معاملہ میں دخل نہ دو  
اس موقع پر تمھارا بولنا کیا معنی رکھتا ہے! کیا میں نے تمھیں پہلے نہ کہہ دیا تھا کہ  
تم کوئی بات نہ کرنا؟

یہ حضرت عثمانؓ کے تمام چند خلافت میں ان کا سب سے زیادہ سخت خطبہ  
تھا انہیں خود بھی اس امر کا احساس تھا، چنانچہ اپنی نرم طبیعت اور خوش خلقی  
کی بنا پر پا کھوں نے ہلکی سی تعذرت بھی پیش کر دی کہ "تم نے مجھے ایسے  
خلاق اور ایسی گفتگو پر مجبور کر دیا جو میری افتاد طبع کے خلاف ہے" علاوہ بریا  
بھی وہ اپنی تقریر ختم بھی نہ کر پائے تھے کہ حسب معمول وہ اپنی شگفتگی و خوش  
خلقی کی جانب لوٹ آئے۔ اور مروان سے کہا "میرے اور میرے ساتھیوں  
کے معاملہ میں دخل نہ دو" جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اپنے مخالفین سے نہیں ساٹھیوں  
سے باتیں کر رہے تھے۔ اور اگر اکھوں نے کوئی سخت کلامی کی بھی تو اس لئے  
کہ ان کے ساتھیوں نے تشدد و کر کے انھیں بد مزاج کر دیا تھا۔ بہر حال علیم  
علیم ہی رہتا ہے گو کھوڑی دیر کے لئے اس پر غصہ کی کیفیت طاری ہو جائے  
الغرض حضرت عثمانؓ کو یہ بات گوارا نہ گئی کہ ان کے ساتھی نیکہ چینوں

ادخلتہ بازوؤں کی گفتگو پر کان دھریں جن کا شیوہ بر ملا تو لوگوں کی پسندیدہ باتیں کرنا تھا لیکن دل میں ان کے جو باتیں تھیں وہ ناپسندیدہ تھیں، یہ لوگوں کو ان کے امام کے خلاف بہکا رہے تھے اور کچھ ایسی چیزوں کا لاپرواہی رہے تھے جن کے حصول کی کوئی صورت نہ تھی۔ حضرت عثمانؓ نے اپنی ہر تقریر میں اس خاص گروہ کی طرف اشارہ کیا جسے وہ مخالفت کی جڑ سمجھتے تھے، اور جس کے متعلق ان کا خیال تھا کہ وہی افراد اپنے مقاصد ویر میں بر آری کے لئے ان کے خلاف لوگوں کو اکھارتے اور ہلکا بھگتہ کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ وہی افراد ہوں گے جنہیں حضرت عثمانؓ خلافت کے بارے میں اپنا قیبت و حربیت گمان کرتے تھے، اور جو اپنی خلافت کے متمنی و خواہاں تھے، عین ممکن ہے کہ ان کا اشارہ اہل شورشی کے بقیہ ارکان کی طرف عمار بن یاسر جیسے ہاجرین و انصار کی طرف ہو جو ان کے خلاف نکتہ چینی اور اعتراضات کرنے میں لگے رہتے تھے۔

دوسری بات جو حضرت عثمانؓ نے یہی یہ تھی کہ لوگ ان کی ایسی کامیابی پر اعتراضات کرتے ہیں جو حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں کیں اور کسی نے ان کے خلاف آواز نہ اٹھائی اس لئے کہ لوگ حضرت عمرؓ کی سخت گیر سے مخالفت رہے۔ لیکن چونکہ وہ عثمانؓ (نرم خیمے تھے لہذا لوگ ان کے خلاف بولنے کی جرأت کرنے لگے۔ بعد ازاں حضرت عثمانؓ اپنے سر پر

اور دوسرے مخالفوں کو جو ان کے خلاف لوگوں کو ورغلائے اور بھڑکاتے ہیں  
 ڈراتے اور دھمکاتے ہوئے بتلاتے ہیں کہ قبیلہ کے اعتبار سے وہ سب سے  
 قوی تر ہیں۔ ان کے مددگار سب سے قریب اور تعداد میں بھی زیادہ ہیں وہ بھی زیادہ  
 اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کی آواز پر لوگ لبیک کہیں۔ کوئی شک نہیں  
 کہ اس دھمکی کا روئے سخن حضرت عثمان غنیؓ کے ان حریفوں کی طرف ہے جو قوت  
 و تدبیر کے اعتبار سے حضرت عثمان غنیؓ کی فکر کے نہ تھے۔ بلاشبہ بنو امیہ  
 قریش کے باقی تمام قبائل کے مقابلے میں افراد و تعداد کی رو سے سب سے  
 زیادہ قوی تھے اور ان کے مددگار سب سے زیادہ تھے اس کے بعد پلٹ کر  
 وہ اپنے ساتھیوں سے سوال کرتے ہیں کہ آخر وہ چاہتے کیا ہیں، ان کا  
 اعتراض کیا ہے، انہیں فقہ  
 اس بات کا ہے؟ جبکہ وہ سب  
 کا حق پورا پورا ادا کر رہے ہیں

اموال عامہ کے متعلق حضرت عثمان غنیؓ کا خیال

جہاں تک حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پہنچے تھے اس تک پہنچنے میں ان  
 سے کوتاہی نہیں ہو رہی ہے۔ اس کے بعد وہ خطبہ کا رخ اموال عامہ کی طرف  
 پھیرتے ہوئے کہتے ہیں، مال و دولت کا ایک حصہ تقسیم کے بعد بچ گیا تو  
 اس میں کون امر مانع ہے کہ میں اس فاضلہ دولت سے جو چاہوں کروں  
 ورنہ پھر میرے امام ہونے کے کیا معنی ہیں؟ ان کا مطلب یہ ہے کہ جب



بیت المال سے تمام مسلمانوں کا حق ادا کر چکنے کے بعد کچھ بچ جائے تو اسے  
 اس بقیہ مال کو حسب منشا خرچ کرنے کا پورا پورا اختیار ہے اور یہ اختیار  
 امانت کے عہدہ سے ملا ہے۔ لہذا کسی کو اس ضمن میں اعتراض یا بحث کرنے کا حق نہیں۔

گویا حضرت عثمانؓ اور ان کے مقابلوں کے مابین یہ پہلا مقابلہ ہے۔  
 نئی اصطلاح کے مطابق تہا ر حیت کے بغیر برابر رہا۔ مخالفین نے پہلے اعتراض  
 کئے پھر اپنے اعتراضات کی ایک منظم شکل بنائی۔ پھر اسے خلیفہ تک پہنچا دیا۔  
 حضرت عثمانؓ نے ان کے اعتراضات کی تردید کی پھر ان سے خطاب کر کے  
 ہوتے انھیں ڈرایا دھمکایا اور سخت ہو گئے آخر میں قدرے سری اختیار  
 لیکن اپنے موقف سے ہر موافق نہ کیا اسی طرح مخالفین بھی اپنے موقف  
 پر اڑے رہے اور ذرا بھی ادھر ادھر نہ ہوتے تھے تاہم جو حادثات و واقعات  
 رونما ہو رہے تھے وہ حضرت عثمانؓ اور ان کے حریفوں کے لیے زیادہ طاقتور  
 تھے۔ مخالفین نے اپنے اعتراضات کی روش کو جاری رکھا۔ اسی دور  
 میں حضرت عثمانؓ کے پاس ملک کے اطراف سے خبریں آنے لگیں کہ وہاں  
 کی مخالفتوں نے جو شکل اختیار کی ہے وہ کسی طرح بھی مدینہ والوں کی  
 سے کم تر حیثیت نہیں رکھتی، حضرت عثمانؓ رضہ حضرت عمرؓ کے طریق  
 کی اتباع کرتے تھے۔ لہذا انھوں نے اپنے دور خلافت میں دو مرتبہ

ہر سال خود حاجیوں کی قیادت کی۔ پہلے سال تودہ بیماری کی وجہ سے معذور  
تھے، اور آخری سال وہ محصور تھے۔ وہ حج کے موقع پر اپنے تمام عمال سے  
مل کر کچھ ان سے سنتے کچھ اپنی کہتے۔ چنانچہ جب ۱۲۴۷ھ میں وہ اپنے  
عمال سے ملے تو سب کو مشورہ کے

حضرت عثمانؓ کا اپنے عمال  
کے ساتھ مشورہ  
لئے جمع کیا۔ راویوں کا یہ بیان ہے  
کہ اس مشورہ میں حضرت عمرو بن العاصؓ

بھی شریک تھے مگر مجھے اس میں شبہ ہے۔ کیونکہ عمرو بن العاصؓ ۱۲۴۷ھ  
میں حضرت عثمانؓ کے عامل نہ تھے اور پھر یہ کہ جب سے حضرت عثمانؓ نے  
انہیں مصر کی حکومت سے معزول کیا تھا انہیں حضرت عثمانؓ سے کوئی ہمدردی  
نہ تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ راویوں نے عمرو بن العاصؓ کا نام اس مشورہ میں  
اس لئے شامل کر لیا کہ حضرت عثمانؓ کے لئے، ان کی حیرت انگیز چال بازی  
و حلیم سازی کا نقشہ بھی سامنے لے آئیں۔

گمان غالب یہ ہے کہ اس مجلس شوریٰ میں ان کے چار بڑے عامل  
ہی شامل ہوئے تھے جو مملکت کے اہم صوبہ جات کی حکومت پر فائز تھے  
اور وہ تھے حضرت معاویہؓ۔ عبداللہ بن ابی سرح۔ عبداللہ بن عامر۔ اور سعید  
بن العاص۔ جب یہ سب حضرات ایک جگہ جمع ہو گئے تو حضرت عثمانؓ نے ان  
سے کہا۔ ہر امام کے وزیر ہوتے ہیں اور میرے وزیر آپ لوگ ہیں، آپ



دیکھ رہے ہیں کہ لوگ کن طرح میری دشمنی پر اتر آئے ہیں اور کس قدر زبردستی  
 مطالبہ کر رہے ہیں کہ میں اپنے عمال کو معزول کر دوں، آپ اس فتنہ سے  
 بے خبر نہیں جو اپنا سراٹھا رہا ہے۔ آپ لوگ مجھے مشورہ دیجئے کہ اس مسئلہ  
 حال کا کیونکر مقابلہ کیا جائے۔ حضرت معاویہؓ نے تو اس سے زیادہ کچھ  
 کہا کہ عمال کو ان کے صوبہ جات میں واپس بھیج دیا جائے اور ان کے ذمے  
 مخالفین سے بخوبی عہدہ بنرا ہونے کا فریضہ ڈال دیا جائے، اور اس بات  
 ضمانت لی جائے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے صوبہ کو پوری طرح بھال کر حق  
 و احتیاط سے اپنا فریضہ انجام دے گا اور خلیفہ کو اپنے علاقہ کے لوگوں کی طرف  
 سے مطمئن رکھے گا۔ حضرت سعید بن العاصؓ نے یہ مشورہ دیا کہ قائد بن عثمان  
 اور زعمائے فتنہ کو قتل کر دیا جائے۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ کہا کہ ان لوگوں  
 خوش کر لیا جائے اور بیت المال سے روپیہ کالا لے دیکر انہیں اپنا ہمنوا بنا  
 جائے، عبداللہ بن عامر نے یہ مشورہ دیا کہ لوگوں کو جہاد پر بھیج کر جنگوں میں  
 مصروف کر دیا جائے اور پھر انہیں ویر تک سرحدی علاقوں ہی میں رکھ دیا جائے  
 اور یہی رائے حضرت عثمان کو پسند آئی۔ چنانچہ انہوں نے عمال کو ان کے  
 صوبہ جات میں واپس بھیج دیا اور انہیں حکم دیا کہ بطریق احسن حکومت کریں  
 حقوق اللہ کے معاملہ میں سختی سے کام لیں۔ رعیت کے معاملات حسن و  
 مستعدی کے ساتھ انجام دیں اور انہیں جہاد پر بھیج دیں اور جس سے کچھ



انحراف نہ نہا ہوا اس کا وظیفہ بند کر دیں۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ مدینہ لوٹ

آئے۔ حضرت معاویہؓ بھی شام  
 مدینہ میں مخالفین کے تھے حضرت  
 عثمانؓ کا مشورہ

ایک اور مجلس مشاورت منعقد کی جس میں حضرت معاویہؓ کے علاوہ بہت سے  
 صحابہ کرامؓ نے جن میں حضرات علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ اور سعدؓ بھی شریک تھے،  
 سب سے پہلے حضرت معاویہؓ نے مجلس کو خطاب کیا۔ انہوں نے حاضرین  
 مجلس کو بزرگ و مہتر حلیفہ کے ساتھ تعاون و خوش سلوکی کی ہدایت کی  
 اور انہیں فتنہ و افتراق کے نتائج سے متنبہ کیا۔ اس انتباہ میں قدرے  
 دھمکی بھی ملی جلی تھی۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کو ٹوک دیا۔ جس پر  
 دونوں میں خاصی جھڑپ بھی ہو گئی۔ پھر حضرت عثمانؓ نے بڑے علم اور  
 نہایت نرمی سے اپنی تقریر شروع کی اور بتایا کہ وہ اس روشن پرگامزن  
 ہوں گے جس کا وہ لوگ انہیں مشورہ دیں گے۔ اس پر ان سے کہا گیا کہ آپ  
 نے فلاں فلاں کو جو کچھ فرمایا ہے وہ پس لے لیں۔ حضرت عثمانؓ نے ان کا  
 مطالبہ پورا کرنے کا وعدہ کر لیا۔ اس پر وہ لوگ راضی ہو گئے۔ چنانچہ  
 محفل ایک مدت تک خوشگوار جذبات کے ساتھ برخواست ہوئی، اور اس میں  
 کوئی شبہ نہیں کہ فریق مخالف بہر صورت ایک طرح سے فائدہ میں رہا کیونکہ

حضرت عثمانؓ نے اُن کے زعمار سے مشورہ لیا اور ان کے بعض مطالبات کو مان بھی لیا۔

حضرت معاویہؓ نے دوبارہ پھر نہاجرین کو بزرگ و مہمتر خلیفہ کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے کی ہدایت کی اور بار و گرا انتیاء و عقوبت کا احساس دلا کر چلے گئے۔ لوگوں میں یہ چرچا عام تھا کہ ۳۵ھ

**کوفہ میں بغاوت** | لوگوں کے لئے ایک قسم کے سکون و عافیت کا بیج

لے کر آئے گا۔ لیکن اہل کوفہ نے بغاوت کرنے کے اپنے والی سعید کو جیسا کہ

پہلے بیان ہو چکا ہے واپس کر دیا۔ اور مطالبہ کیا کہ ابو موسیٰ اشعریؓ کو ان کا

حاکم مقرر کیا جائے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کو مجبوراً اُن کا مطالبہ ماننا پڑا۔ یہ

گویا پہلا فتنہ تھا جسے اہل کوفہ نے دوسرے صوبہ حات کے لئے بطور نمونہ

پیش کیا اور فوراً ہی دوسرے علاقوں نے بھی ان کا اتباع کیا اور لوگوں پر

یہ راز منکشف ہو گیا کہ بغاوت ہی ایک ایسا راستہ ہے جس پر گامزن ہو کر

وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

دیکھتے ہی دیکھتے مصریوں نے بھی اہل کوفہ کی توش اختیار کر لی اور

ایانہ ماہ رجب ۳۵ھ میں ایک

**مصری وفد کی مدنیہ میں پہلی بار آمد** | بہت بڑا وفد بھیج دیا جو بظاہر تو

عمرہ کی نیت سے جا رہا تھا لیکن آگے چل کر وہ عازم مدنیہ ہو گیا۔ جہاں پہنچ

اس نے ظاہری کیا کہ وہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ ان کی سیاسی حکمت عملی اور  
 اعمال کی تقرری کی پالیسی پر مباحثہ کرنا چاہتا ہے۔ رادیوں میں باہم اختلاف  
 ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ سے ان کی ملاقات مدینہ سے باہر ایک  
 گاؤں میں ہوئی۔ یہاں انہوں نے حضرت عثمانؓ سے بحث و تحقیق کی اور ستر آن  
 کو اپنے اور حضرت عثمانؓ کے درمیان ثالث بنایا۔ چنانچہ بہت سے معاملات  
 میں حضرت عثمانؓ نے انہیں تسلی بخش جواب دے کر مطمئن کر دیا۔ اسی طرح  
 بہت سی باتوں میں ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو تسکین کر لیا۔ جس پر حضرت  
 عثمانؓ نے سعادت پیش کی اور آئندہ احتیاط کا وعدہ کیا۔ بعض راوی یہ کہتے  
 ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ہاجرین کی ایک جماعت کو ان کے پاس بھیجا تھا جس  
 میں حضرت علیؓ اور محمد بن مسلمہ انصاریؓ بھی تھے اور انہیں اپنی جانب سے  
 یہ عہد دیا کہ وہ جو فیصلہ کر آئیں گے اس پر عمل کیا جائے گا۔ چنانچہ ان سفیروں  
 نے اہل وفد سے ملاقات کر کے انہیں سمجھا سمجھا کر راضی کر لیا۔ پھر وہ ان میں  
 سے چند آدمیوں کا وفد بنا کر حضرت عثمانؓ کے پاس لائے جہاں حضرت عثمانؓ  
 نے بھی اس عہد کی تصدیق و تائید کی، اس کے بعد حضرت عثمانؓ باہر تشریف  
 لائے اور لوگوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے اہل وفد کی تعریف کی اپنی فہم و تدبیر  
 پر اظہارِ شہادت کیا۔ خدا سے مغفرت  
**حضرت عثمانؓ کا رقت انگیز خطبہ** | جاہی۔ خود بھی روئے اور دوسروں کو بھی



ر لایا جن سے لوگوں کے دل بزرگ و معزز خلیفہ کے لئے گداز ہو گئے اور مصری خوشی خوشی واپس چلے گئے۔ راویوں کا قول ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اس خطبہ کے آخر میں یہ بھی کہا تھا کہ جب کوئی آفت پڑے تو اپنے بہترین نامید سے میرے پاس بھیج دیں۔ کوئی ظلم ایسا نہ ہوگا جسے میں رفع نہ کروں اور کوئی حاجت ایسی نہ ہوگی جسے میں پورا نہ کروں۔ لیکن جو بنی وہ گھر پیچھے مردان سے نہیں بہ اس چیز سے متحرف کر دیا جس کا مروان کی مداخلت اور اس کی تاثیر وہ عہد دے چکے تھے اور باہر نکل کر برمی سختی اور ترش روی کے ساتھ لوگوں کو گھڑی چار دیواری کے گرد سے دور ہٹا دیا۔ بہر حال سلام یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ اس معاہدہ کے بعد نیز وفد کی دل جوئی اور اس کے سامنے اظہارِ پیمانی سے لوگوں کے دل جیت سکتے تھے اور انہیں اطاعت، محبت اور امید خیر کے نقطہ پر مرکوز کر سکتے تھے۔ لیکن دن بدن گزرتے گئے اور حضرت عثمانؓ نے نہ تو کسی عامل کو معزول کیا اور نہ تغیر و تبدل کا کوئی وعدہ پورا کیا۔

ابھی اس سال کا ماہ شوال بھی شروع مصری وفد کی دوبارہ آمد ہوا تھا کہ مصری دوبارہ نکل کھڑے

ہوئے، روایات کے مطابق ان کی کم از کم تعداد چھ سو اور زیادہ سے زیادہ ایک ہزار تھی۔ عین اسی وقت کچھ لوگ کوفہ و بصرہ سے بھی نکل کھڑے ہوئے

لوگوں نے جب دیکھا کہ خلیفہ نے وہ وعدے ایفا نہیں کئے جن کے ایثار کا ان سے عہد و پیمان کیا تھا تو انہوں نے مایوس ہو کر مخالفت میں نکلنے کے لئے باہم وقت مقرر کر لئے جب یہ لوگ مضامات مدینہ میں پہنچے تو حضرت عثمانؓ کو ان کی آمد کا علم ہوا۔

حضرت علیؓ اور حضرت محمد بن مسلمہؓ  
انصاری کا دوبارہ درمیان میں  
پٹرنے سے انکار

کرویا۔ محمد بن مسلمہؓ نے جواب دیا کہ ایک ہی سال میں خدا کے ساتھ دو مرتبہ جھوٹ نہیں بولوں گا، بایں ہمہ اہل مدینہ کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ مدینہ پر دوسرے لوگ چڑھ آئیں لہذا وہ ان باہر سے آنے والوں کو روکنے کے لئے اٹھ

کھڑے ہوئے۔ مصری، بصری اور کوئی  
دفعہ آگے بڑھتے چلے آئے لیکن جب  
مدافعت مدینہ کی تیاری

اور حضرت زبیرؓ میں سے ہر ایک اپنے رفقاء کے ساتھ مقابلہ کے لئے مورچہ لگائے ہوئے اور وہ دارالہجرت میں کسی کا جبراً داخلہ گوارا نہیں کرتے تو

وہ پلٹ گئے اور انہوں نے ایسا  
ظاہر کیا کہ زیادہ اپنے اپنے علاقوں

باغیوں کی چال بازی

کی طرف واپس جا رہے ہیں اور مصافات مدینہ سے اپنے مورچے اٹھا رہے ہیں  
 اور جب اہل مدینہ کو ان کی دہری کلا یقین ہو گیا تو وہ بھی اپنی نذر مرہ کی زندگی میں  
 مشرقت ہو گئے۔ پھر جس چیز نے انہیں حیران و سر اسیمہ کر دیا وہ نعرہ تکبیر کی گونج  
 تھی جس نے سارے مدینہ کو سر پر اٹھا لیا اور اس وقت انہیں معلوم ہوا کہ ان  
 لوگوں کی واپسی محض ایک چال تھی جس سے وہ اہل مدینہ کو اس طرف سے غافل  
 کر دینا چاہتے تھے اور جب انہیں یقین ہو گیا کہ اہل مدینہ عافیت گزرتی ہو گئے  
 ہیں تو وہ پلٹ آئے اور مدینہ میں داخل ہو کر بغیر جنگ کے شہر پر قبضہ کر لیا۔  
 ان کے نقیبوں نے یہ منادی کر دی جو اپنے  
**مدینہ پر باغیوں کا قبضہ** گھر میں رہے گا اسے امان حاصل ہے، اور جو  
 ہمارے درپے آزار نہ ہو گا اسے امان حاصل ہوگی، بعد ازاں ان لوگوں نے  
 حضرت عثمانؓ کے گھر کے گرد گھیرا ڈال دیا۔

یہاں اس خط کا قصہ بھی سامنے آتا ہے جس کے بارے میں  
**خط کا قصہ** راویوں کا خیال ہے کہ وہ واپسی میں مصریوں کو ملا تھا۔ کہ  
 وہ وہیں سے پھر واپس مدینہ آ گئے، میرے خیال میں تو یہ قصہ سرے سے بے بنیاد  
 اور من گھڑت ہے۔ اس ضمن میں سب سے بڑا ثبوت خود راویوں ہی کا یہ قول ہے  
 کہ جو بنی اصحاب رسولؐ نے اس خط کے متعلق یہ سوال کیا کہ اہل بصرہ و کوفہ کو  
 اس کا کیونکر علم ہو گیا کہ تم نے خط پکڑا ہے حالانکہ تم میں سے ہرگز وہ اپنے



اپنے علاقہ کی طرف چلا گیا تھا، تو وہ بے بس اور لاجواب ہو گئے اور انہوں نے کہا "اس بارے میں آپ جو چاہیں سمجھ لیں، ہمارا تو یہ فیصلہ ہے کہ ہمیں اس شخص (حضرت عثمانؓ) کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ناقابل قبول اور غیر مدقول بات ہے کہ حضرت عثمانؓ مسلمانوں کے ساتھ ایسی چال چلتے کہ ادھر تو وہ ان کی ایک جماعت کے ساتھ پیمان صلح باندھیں اور ادھر ان کے عامل کے پاس پوشیدہ طور پر آدمی کے ہاتھ پیغام بھیج دیں کہ ان کی سخت گرفت کی جگہ اور ان پر عمر حیات تنگ کر دیا جائے۔ نہ یہ بات قابل قبول اور مقبول ہے کہ مردانِ خلیفہ کی طرف سے اتنی بڑی جرأت کر ڈالے کہ یہ خط لکھ کر اس پر خلیفہ کی ہر نیت کر دے اور خلیفہ ہی کے غلام کو دے کر خلیفہ ہی کے اونٹ پر سوار کر کے روانہ کر دے یہ ایک حقیقی واقعہ سے زیادہ پُر از حماقت افسانہ ہے، معاملہ ان تکلفات سے زیادہ آسان ہے۔

سیدی سی بات ہے کہ صوبہ عات کے لوگوں سے خلیفہ نے کچھ وعدے کئے جن سے وہ مطمئن ہو گئے۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ خلیفہ نے اپنے وعدے ونا نہیں کئے چنانچہ وہ بغاوت کے جذبہ سے سرشار آئے کہ اس جھجھٹ ہی کو ختم کر ڈالیں اور بغیر معاملہ صاف کئے واپس نہ جائیں۔ مگر جب مدینہ کے قریب پہنچے تو وہاں اصحاب رسولؐ کو آمادہ جنگ پایا اور ان سے لڑنا پسند نہ کیا، لہذا اپنی حیاں کو کامیاب بنانے کے لئے پیچھے ہٹ گئے، مگر جب انہیں یہ یقین

ہو گیا کہ وہ بزرگ صحابہؓ ہتھیار اتار کر اپنے گھروں میں عاقبت گزریں ہو گئے تو  
 پٹ آئے اور بغیر جنگ کئے مدینہ پر قابض ہو گئے۔ یہ لوگ صحابہ کرامؓ سے نہ جنگ کرنا چاہتے تھے نہ انہیں قتل کرنا چاہتے  
 تھے اور نہ اس بات کے خواہاں تھے کہ مدینہ کے گرد و نواح میں کوئی ایسی  
 لڑائی لڑیں جو جنگ احد یا جنگ احزاب کی یاد تازہ کر دے۔ ان کا مقصد تو  
 یہ تھا کہ خلیفہ کا محاصرہ کر لیں اور جس قدر جلد ممکن ہو یا تو انہیں خلافت سے  
 دست برداری پر مجبور کر دیں یا پھر انہیں قتل کر ڈالیں۔ چنانچہ وہ اپنے  
 مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے مدینہ میں گھس کر خلیفہ کا محاصرہ کر لیا  
 مجھے یقین سلیہ ہے کہ خود اہل مدینہ میں بھی باغیوں کے حامی اور مددگار  
 موجود تھے جنہوں نے انہیں بلایا تھا اور جو ان کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے  
 جنہوں نے باغیوں کو اصحاب رسول کے ارادہ سے آگاہ کیا تھا پھر انہیں  
 یہ خبر بھی پہنچائی تھی کہ اب اہل مدینہ عاقبت گزریں ہو چکے ہیں۔ پھر یہ لوگ باغیوں  
 کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے محاصرہ میں بھی شامل ہو گئے محاصرہ ابتدائی روزوں  
 جو مدینہ پر قبضہ اور خانہ حضرت عثمانؓ کے محاصرہ سے آگے نہ بڑھا تھا خلیفہ  
 کو گھر سے باہر آنے کی اجازت تھی۔ وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے اور خود  
 باغی بھی ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ وہ لوگوں کو خطاب کر کے وعظ و نصیحت  
 کرتے رہتے، اس اثنا میں دونوں طرف کے سفراء مابین صلح کی کوشش میں





# اٹھائیسواں باب

## حضرت عثمانؓ کی شہادت

(ایک روز حضرت عثمانؓ حسب سابق مسجد میں حضرت عثمانؓ سے سے نکلے اور معمول کے مطابق نماز کوٹ جھونک اور زیارتیاں منبر پر بیٹھ گئے اور اپنی عادت کے لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے لگے۔ دوران وعظ میں فرمایا "اے دشمنو! خدا کا رسول خدا کا خوف رکھو، بخدا اہل مدینہ جانتے ہیں کہ تم لوگ رسول خدا کے کے مطابق ملعون ہو، لہذا اپنی خطاؤں کو اپنی خویشی عملی کی مدد سے کیونکہ خدا نے عز و جل بدی کو صرف نیکی کے ذریعہ ہی مٹاتا ہے۔ مورخین ہے کہ اس پر محمد بن مسلمہ کھڑے ہوئے اور کہا: میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ حکیم بن جبہ اُسے اور انھوں نے محمد بن مسلمہ کو بٹھا دیا۔

زید بن ثابتؓ لکھے اور کہا۔ مجھے کتاب امثالہٴ دو۔ ایک جانب سے محمد بن ابی قتیرہ آئے اور انھوں نے زید بن ثابتؓ کو بٹھا دیا۔ بات یہ تھی کہ محمد بن مسلمہؓ نے حضرت عثمانؓ کے اس قول کی تائید کی تھی کہ خدا بدی کو صرف نیکی کے ذریعہ ہی دور کرتا ہے۔ زید بن ثابتؓ اسی بات کو قرآن سے نکال کر بتانا چاہتے تھے اور لوگوں کے سامنے یہ آیت قرآنی تلاوت کرنا چاہتے تھے۔

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (۱۱۵)

بیشک حسنات سئیات کو دور کر دیتی ہیں۔

بن لوگوں نے دونوں کو بٹھا دیا۔ اس کے بعد انصار میں سے ایک شخص حبشہ کا عمر والی نے اُٹھ کر کہا۔ اے عثمانؓ! میرے اتر جاؤ تاکہ ہم تمہیں لے لے کر چلا پٹھا کر ایک دوازقہ اونٹ پر سوار کر کے جبل دغان کی طرف اسی رخ حبلا وطن کر دیں جس طرح تم ہمارے بہترین انسانوں کو بے گھر کرتے ہو؟ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا: خدا جانتے اور تیرے ارادہ کو کبھی کامیاب کرے! یہ جیلہ کئی بار حضرت عثمانؓ کو کنایۃ و اشارۃٴ قتل کی دھمکیاں دیتا رہا تھا۔ یہ بھی کہا کرتا تھا کہ اگر یہ (حضرت عثمانؓ) اپنے قریبی رشتہ داروں کو مار داریں گے تو ان کے گلے میں طوق ڈال کر انہیں خارش دہ اونٹنی پر بٹھا کر جبل دغان میں پھینک دیا جائے گا۔ یہ شخص خاص طور پر حضرت عثمانؓ پر ان کے عمال کے تقرر نیز مردان اور آل حکم نوازی کے بارے میں





وہ انہیں بہت تلخ جواب بھی دیدیتے۔

## حضرت عثمانؓ کی مدافعت کرنے والی جماعت

بنی امیہ کے تمام روای میں شریک ہونے کے قابل افراد جن میں باجرین کے جوان بیٹے بھی شامل

ہو گئے تھے جمع ہو کر حضرت عثمانؓ کے گھر میں پہنچ گئے تھے اور باغیوں سے گھر اور حضرت عثمانؓ کی مدافعت کر رہے تھے، ان لوگوں میں حضرات عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن دبیر، حسن اور حسین اور محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔ حضرت عثمانؓ نے اس گروہ کی قیادت حضرت عبداللہ بن زبیر کے سپرد کی اور انہیں روائی نہ کرنے کی سختی سے تاکید کر دی، حالات اور بگڑتے گئے حتیٰ کہ اب نہ کوئی حضرت عثمانؓ کے گھر میں رہنے والا باہر نکل سکتا تھا نہ باہر والا ان کے گھر کے اندر جاسکتا تھا۔ کئی دن تک یہ صورت حال جاری رہی، پھر یہ خبریں آئیں کہ عراقی ملک مدینہ کے قریب پہنچ گئی ہے، اور شامی ملک

## ملک قریب پہنچنے کی خبریں وادعی القرئی تک آگئی ہے۔ یہاں رادپوں میں شدید اختلاف پایا جاتا

ہے۔ حضرت عثمانؓ کے طرفدار کہتے ہیں کہ یہ خبریں سن کر باغی ڈرے۔ انہیں خوف ہوا مبادا یہ امدادی لشکر آکر انہیں حصول مقصد سے روک دیں، لہذا انہوں نے بہت ہاتھ پاؤں مارے اور ایک دستہ جس کی قیادت محمد بن ابوجہر

کر رہے تھے مرتب کیا یہ لوگ دلوں  
 باغیوں اور مدافعت کرنے والوں میں  
 بھڑپ کی ابتدا ان کے

گھر کی پشت پر دیوار میں تھی حضرت عثمانؓ کے پاس جا پہنچے اور انھیں قتل کر دیا۔  
 باغیوں کے حامیوں کا کہنا ہے کہ خود اہل خانہ عثمانؓ ہی نے پہل کر کے باغیوں  
 کو چھیڑا۔ ہوا یوں کہ حضرت عثمانؓ چھت پر سے جھانک رہے تھے کیونکہ باغیوں  
 میں سے ایک صلیف العجم صحابی نیار بن عیاض نے حضرت عثمانؓ کو بلایا تھا اور  
 انھیں پند و نصیحت کے ذریعہ سمجھا رہے تھے کہ آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔

نیار بن عیاض محو گفتگو تھے کہ حضرت عثمانؓ کے گھر سے کسی نے انھیں تیرا ہوا  
 مارا جس سے ان کی موت واقع ہو گئی۔ باغیوں نے حضرت عثمانؓ سے مطالبہ  
 کیا کہ ہمارے ساتھ ہی کا قاتل ہمارے حوالے کیا جائے تاکہ ہم اس سے قصاص  
 لیں۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتا قاتل کون ہے اور کے  
 نامتعارفے حوالہ کروں؟ حضرت عثمانؓ نے یہ جواب دیا تھا میں اس آدمی کو  
 حوالے نہیں کروں گا جو میری مدافعت کر رہا تھا اور تم تو مجھے قتل کرنا چاہتے

حضرت عثمانؓ کے مکان پر حملہ  
 صبح کو باغیوں نے حضرت عثمانؓ

کے مکان پر حملہ کر دیا، اس کے وز و سازوں کو آگ لگا دی۔ گھر والے باغیوں کے

جنگ کرنے کی خاطر باہر نکل آئے۔ جنگ نے شدت اختیار کر لی۔ عبداللہ بن  
زبیر کو بہت سے زخم لگے۔ مروان بیہوش ہو گیا۔ حتیٰ کہ لوگ سمجھے کہ وہ مر گیا

ہے، دوسرے بہت سے مارے گئے اور

**حضرت عثمان کا قتل** | یعنی بزور گھر کے اندر گھس گئے۔ اسی اثنا

میں عمرو بن حزم نے اپنا دروازہ کھول دیا اور چند افراد کو گھر کی میں سے گزارا  
جنہوں نے بڑھ کر حضرت عثمان کو قتل کر دیا۔

ان لوگوں کا غالب یہ ہے کہ جب امدادی لشکروں کے مدینہ سے قریب پہنچے

ان کی خبریں باغیوں کو ملیں تو انہوں نے چاہا کہ ان کے پیچھے سے پہلے ہی وہ

اس جھگڑے کا فیصلہ کر ڈالیں، ملکوں کے پیچھے کی جو خبریں باغیوں کو پہنچی

تھیں مروان کو بھی پہنچیں لیکن وہ ضبط سے کام نہ لے سکا اور جلدی سے جنگ

پھیر دی اس کا خیال تھا کہ وہ حاضرین کو گھر سے دور بھگا دے گا اور ملکوں

کے آنے تک لڑائی جاری رکھ سکے گا۔ اسے یہ پسند نہ تھا کہ امیر معاویہ یا ابن

عالمس پر یہ احسان بتائیں کہ ان کی فوجوں نے انہیں گھر میں محصور پایا پھر

حاضرہ توڑ کر انہیں حیات بخشی۔ یہ چاہتا تھا کہ جب امداد آئے تو اسے

مدینہ میں رہنے والے اموی افراد کے دوش بدوش یا مروی و کامیابی سے

روتے ہوئے پائے اسی خیال کے تحت وہ رجز پڑھتا، دعوت مبارزت دیتا

گھر سے باہر نکلا۔ اس کے ساتھ بنی امیہ کی ایک جماعت بھی رجز پڑھتی ہوئی نکلی،



حضرت عثمانؓ انہیں صبر کا حکم دیتے اور جنگ سے روکتے رہے مگر انہوں نے ان کی کوئی بات نہ مانی۔ یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ کو مجبور ہو کر یہ قسم دینی پڑی کہ جو سیری اطاعت کا دم بھر تاسہ وہ تلوار رکھ دے۔ چنانچہ ان کے بہت سے اصحاب نے تلواریں رکھ دیں۔ لیکن بنو امیہ باز نہ آئے۔ اس دوران میں کہ لوگ زراعی میں مشغول تھے، مخالفین غایہ اذہر اذہر منتشر ہو گئے اور مخالفین گھر میں گھس گئے، اور ایک خبر دینے والے نے گھر سے باہر نکل کر اعلان کیا۔ ہم نے عثمانؓ کو قتل کر دیا۔ پھر کیا تھا دروازے کھلوا دیئے گئے۔ حضرت عثمانؓ کا گھر اور بیت المال لوٹ لیا گیا۔ لوگوں کے منتشر ہوتے ہوتے حادثہ وقوع پذیر ہو چکا تھا قہر رونما ہو چکا تھا اور جو بلائے عظیم مسلمانوں پر نازل ہوئی تھی وہ نازل ہو چکی تھی۔

بعض روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے

کیا حضرت عثمانؓ آخری وقت میں

کہ حضرت عثمانؓ احسنہ الامرائیک کو

خلافت سے دستبرداری کے لئے

عافیت پسندی کی طرہ مانگ ہوئے

تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت سعد

بن ابی وقاصؓ حضرت عثمانؓ کے

پاس گئے ان سے بات چیت کی پھر وہ انالشد الخ کہتے ہوئے حضرت علیؓ کی تلاش

میں نکلے اور مسجد نبویؐ میں انہیں پالیا۔ حضرت سعدؓ نے کہا اے ابوالحسنؓ

لو میں تمہارے پاس ایسی بہترین تجویز لایا ہوں جس سے بہتر کوئی حل پیش نہیں کیا جاسکتا، اور وہ یہ ہے کہ آپ کے خلیفہ نے اپنی مرضی آپ لوگوں کے حوالہ کر دی ہے۔ دوشیئے ان کی مدد کیجئے۔ اور اس فضیلت میں بے وقت فرمائیے، لیکن ابھی دونوں کی یہ سرگوشی جاری تھی کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر آگئی۔

مجھے یقین کی حد تک اعتقاد ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت سعد کو بلوا کر کہیں اپنے اور حضرت علیؓ کے مابین سفارت پر آمادہ کیا ہوگا تاکہ لوگوں کو قتل و قتال سے روک دیا جائے۔ اور یہ شرط طے پائی ہوگی کہ خلافت کا معاملہ مسلمانوں کے اصحاب شوریٰ اور ارباب حل و عقد کے سپرد کر دیا جائے تاکہ وہ جسے چاہیں خلافت کا عہدہ سونپ دیں۔ لیکن انہوں نے کہ اس سفارت میں دیر ہوگئی، اور تقدیر خداوندی اپنا وقت پورا کر چکی تھی۔



یہ سب کچھ دیکھ کر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنے لیے جو کچھ چاہا ہے اسے لے لیا ہے  
 اور میں نے اپنے لیے کچھ نہیں لیا ہے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنے لیے  
 جو کچھ چاہا ہے اسے لے لیا ہے اور میں نے اپنے لیے کچھ نہیں لیا ہے۔

## انتہی سوال باب

حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنے لیے جو کچھ چاہا ہے اسے لے لیا ہے اور میں نے اپنے لیے  
 کچھ نہیں لیا ہے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنے لیے جو کچھ  
 چاہا ہے اسے لے لیا ہے اور میں نے اپنے لیے کچھ نہیں لیا ہے۔

ابیر معاویہ کی دو تجویزیں | ابیر معاویہ نے ان کئے تھے۔ پہلی تجویز یہ تھی کہ حضرت  
 عثمانؓ کی جگہ سے تشریف لے جائیں اور دار الحکومت کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ قیام کرنا  
 پسند نہ کیا، گمان غالب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے دل میں اس تجویز کے  
 دوسرے پہلوؤں پر بھی غور کیا ہوگا جس کا تذکرہ ابیر معاویہ سے نہ کیا ہوگا۔ مثلاً  
 یہ کہ اگر وہ مدینہ چھوڑ دیں تو گویا خلافت کا دار الحکومت اس شہر کی بجائے  
 جہاں اسلام نے اپنے دشمنوں پر فتح پائی تھی جہاں رسول خداؐ نے اسلام کے



علم گاڑے تھے اور جہاں حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے عظمت اسلام کو قائم کیا تھا کسی اور شہر میں منتقل ہو جائے گا۔ اور حضرت عثمانؓ کے لئے اس سے زیادہ مینوس بدست اور کوئی نہ ہوتی، ان کی طبع حساس پر صحابہ کرام کا یہ اعتراض بھی بڑا شاق گذرنا کہ آپ نے اسلامی حکومت کے مرکز کو اس جگہ سے ہٹا کر جہاں سے رسول خداؐ اور حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے برقرار رکھا تھا ایک اجنبی شہر میں منتقل کر دیا۔ علاوہ ازیں اگر حضرت عثمانؓ ایسا کر بھی لیتے تو گویا وہ امیر معاویہؓ کے ہاتھ میں اسیر ہو جاتے۔ مگر حضرت عثمانؓ کو یہ گوارا تھا کہ وہ معاویہ بن ابوسفیان کی بجائے اپنے ساتھیوں کے ہاتھوں میں اسیر ہو جائیں۔ جنہوں نے ان کے ہمراہ ہجرت کی تھی اور جنہوں نے مہاجرین کو پناہ دی اور ان کی مدد کی تھی جو ان کے اور رسول خداؐ کے دشمن بدوش شریک بھادور ہے تھے اور جنہوں نے ان کی ہم نشینی میں رسول خداؐ کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کیا تھا قطع نظر اس قرابت کے جو ان کے اور امیر معاویہؓ کے مابین تھی اور قطع نظر اس قوت و غلبہ اور امن و حفاظت کے جو انھیں امیر معاویہؓ کے پاس میسر آسکتا تھا۔

امیر معاویہؓ کی دوسری تجویز یہ تھی کہ وہ شامیوں کا ایک لشکر حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بھیج دیں جو مدینہ میں ان کے پاس رہے اور انھیں پیش آنے والے خطرات سے بھٹو ڈال سکے۔ حضرت عثمانؓ نے یہ پیش کش بھی ٹھکرا دی اور کہا میں اصحاب رسولؐ اللہ کو شکر کی موجودگی و ہمتائیگی سے مستانما نہیں چاہتا۔

گمانِ اغلب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے دل میں اس تجویز کے دوسرے  
گوشتوں پر بھی نظر ڈالی ہوگی جس کا انھوں نے امیر معاویہؓ سے تذکرہ نامناسب  
نہ سمجھا ہوگا۔ مثلاً وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ  
کی روش کو چھوڑ کر یہ پسند نہ کرتے تھے کہ اپنے اقتدار کو قوت و غلبہ کے بل بوتے  
پر منوائیں اور دارالہجرت کو امیر معاویہؓ کی پیش کردہ قوت سے تابع فرمان  
کر کے اسلام میں اس بہت بڑی بدعت کا آغاز کریں۔ یعنی یہ کہ مہاجرین و  
انصار مسجد نبوی اور شہر مدینہ منورہ کو اس لشکر سے محکوم و مغلوب کر دیں  
جسے معاویہؓ بن ابی سفیان نے ایسے لوگوں میں سے بھیجا ہے جنہوں نے  
رسول خداؐ کے ارشادات گرامی سے تھے نہ آپؐ کے اخلاق و عادات کو دیکھا  
تھا اور نہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے طرز عمل کا نظارہ کیا تھا۔ حضرت عثمانؓ وہ  
پہلے شخص نہیں بننا چاہتے تھے جو خلافت کو شاہی میں تبدیل کر دیتے۔  
انھیں یہ گوارا نہ تھا کہ خلافت کو اس کے جلتے پہچانے نری و محبت کے طریقہ  
سے ہٹا کر تہر۔ جبراد و بدبہ میں منتقل کر دیں۔ اگر حضرت عثمانؓ اب کرتے تو  
ان کی حیثیت ایک ایسے خود سر کی ہوتی جو صحابہ کرامؓ پر اس لشکر کے ذریعہ  
حکومت کرتا جو انھیں ان کے ساتھیوں سے محفوظ رکھتا، جب تک وہ اپنے  
گھر میں رہتے یہ شکر اس گھر کی پاس پائی کرتا رہتا، جب وہ اپنے گھر سے باہر  
نکلے تو وہ شکر ان کے ساتھ ان کی حفاظت کے لئے چلتا، جب وہ مہاجر و انصار

دیتے تو یہ شکرانہ کو اپنے گھیرے میں لے لیتا، اور جب وہ مدینہ کی گلیوں میں گشت کرتے تو یہ شکر بھی ان کے آگے پیچھے رہتا، لیکن اس تمام طرز عمل کا سیرت نبویؐ اور سیرت ابو بکرؓ و عمرؓ رضی اللہ عنہما اور خود حضرت عثمانؓ کی اپنے ساتھ طرز حکمت سے کیا تعلق تھا! وہ تو مدینہ میں بغیر کسی محافظہ کے گھومتے رہتے تھے۔ لوگوں کی محفلوں میں جلتے، ان کی سنتے اور اپنی کہتے تھے۔ وہ تو اپنی چادر کا ایک حصہ اپنے بدن پر لپیٹ کر اس کے دوسرے کنارہ کو سر کے نیچے تکیہ کی طرح رکھ کر مسجد نبویؐ میں سوجھتے تھے، اور جمعہ کے دن وہ منبر رسولؐ پر جلوہ گرہوتے تو لوگوں سے ایک شفیق باپ، مہربان بھائی، یا حباں شمار دوست کی طرح مختلف موصوفاں پر باتیں کرتے تھے۔ ان کے مرصیوں کی خیریت پوچھتے، ان کے دیگر عمومی معاملات و ضروریات دریافت کرتے۔ منڈی کے نرخ معلوم کرتے۔ اور جب مؤذن اذان دیتا تو حسب موقع خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ پھر فارغ ہوتے تو لوگوں کے ساتھ بیٹھ جلتے اور دوسرے مرصیوں کی خیریت، احوال و ضروریات اور منڈی کا نرخ دریافت کرنے لگ جاتے۔ پھر جب مؤذن دوسری اذان دیتا تو اٹھ کر لوگوں کو نماز پڑھا دیتے تھے۔ یہ اُنھیں کیسے گوارا ہو سکتا تھا کہ اس سارے نظام کو بدل کر شام چلے جائیں، دار ہجرت کو چھوڑ دیں، منبر رسولؐ پر بیٹھ کر خطبہ پڑھیں۔ مسجد نبویؐ میں نماز پڑھیں، جہاں رسولؐ خدام اور حضرات ابو بکرؓ و عمرؓ نمازیں ادا کرتے رہے تھے، وہ یہ بھی کیوں کر گوارا کر سکتے تھے کہ مدینہ میں شامی لشکر کے



گھبرے میں رہتے جو انھیں ان لوگوں سے بچانے رکھتا ہر رسول خدا اور خود  
 لان کے ساتھ ہر میدان جنگ میں شریک رہے، پھر حال حضرت عثمان امیر  
 معاویہ کی شام منتقل ہونے کی تجویز یا شامی لشکر کے مدینہ بھیجے جانے کی  
 پیشکش کسی طور منظور کر ہی نہیں سکتے تھے، بالآخر حبیب امیر معاویہ نے ان  
 سے کہا: اگر آپ ان دونوں تجاویز میں سے کوئی تجویز بھی منظور نہیں کرتے تو  
 پھر حالات کی نزاکت بتلا رہی ہے کہ یا تو آپ کے خلافت لڑائی کی جائے گی  
 یا پھر اچانک بے خبری میں آپ کو مار ڈالا جائے گا۔ اس پر حضرت عثمان نے  
 جواب دیا: **لَا تَخَفَنَّ، لَنْ يَكُونَ لِي بَلَاءٌ يَكُونُ لِي بَلَاءٌ يَكُونُ لِي بَلَاءٌ**  
**لَا تَخَفَنَّ، يَحْسِبُنِي اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ** میں نے اپنے لیے  
 آگے ان سے اب میرے لیے خدا کافی ہے اور وہ بہترین چارہ ساز ہے۔ یہ بات  
 پھر حال حضرت عثمان نے جب سے خلافت کا عہد سنبھالا ان کی نیت یہی رہی  
 کہ وہ اپنے پیش رو دونوں خلفاء راہِ بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی روش پر گامزن رہیں  
 اور اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی کریں، اور مجموعی طور پر دیکھا جائے تو وہ راہِ بکر  
 و عمر رضی اللہ عنہما کی طرز پر قائم بھی رہے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے اور لوگوں  
 کے درمیان کوئی حجب یا دریائے بھی نہ رکھا، نہ لوگوں پر اپنی بڑائی و برتری  
 یا اور غلبہ کا رعب ڈالا نہ کسی قسم کے جائزہ اقبیہ اور تسلط کا اظہار کیا، ان  
 زمین جو کمزوری تھی اس کا سبب بدینی یا قانون سے بغاوت نہ تھا بلکہ وہی

مزدی تھی جو بعض شخصیتوں میں کریمانہ و فاضلانہ اخلاق نیز خیر خواہی اور بھلائی میں رغبت کے باعث پیدا ہو جاتی ہے۔

ان حالات کا خلاصہ جو بالآخر  
 ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جب حضرت  
 عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو وہ شہر برس کے  
 بڑھے تھے۔ وہ نہایت درجہ سخی و  
 نیاز اور بہت صلہ رحمی کرنے والے

حضرت عثمانؓ کی شہادت کا بیان گئے

نہایت شرمیلے، بڑے نرم دل اور خوش خلق تھے، وہ لوگوں کے متعلق ابھی  
 رائے اور حسن ظن نہ رکھتے، ان کی ان صفات کو ذرا ان کے رشتہ داروں اور خاندان  
 والوں کی صفات میں ملا کر دیکھئے۔ جو نہایت درجہ حرص و طماع بے پناہ خواہشات  
 رکھنے والے، اپنے مفاد کی خاطر دور دور تک نظریں دوڑانے والے اور تسلط و غلبہ کے  
 پورے ساز و سامان سے آراستہ و مسلح تھے، یہ سب چیزیں مل کر از خود وہ خراب  
 شکل پیدا کر دیتی ہیں جس کا حضرت عثمانؓ کو سامنا کرنا پڑا، پھر اگر حضرت عثمانؓ کی  
 خوبیوں اور ان کے رشتہ داروں کی عادتوں میں اس امر کا بھی اضافہ کر لیا جائے  
 کہ خود صحابہ کبارؓ میں سے ایک جماعت جس نے اپنے کاروبار کو وسیع کر کے بڑا  
 سرمایہ جمع کر لیا تھا اپنے عظیم سرمایہ کے بل بوتہ پر اپنے دنوں میں یہ خیال  
 کرنے لگی تھی کہ وہ حضرت عثمانؓ سے کسی طور خلافت کی کمتر مستحق نہیں ہے، بلکہ  
 شاید وہ بار خلافت کی ذمہ داریاں اٹھانے میں حضرت عثمانؓ سے زیادہ مستعد



اور قابل ثابت ہو سکے گی کیونکہ وہ حضرت عثمانؓ کی طرح سن رسیدہ نہیں ہے۔ ان تمام حالات سے مل کر جو شکل بنتی ہے وہ یقیناً اس قابل ہے کہ حضرت عثمانؓ کی ذمہ داریوں کو مشکل سے مشکل تر بنا دے اور ان کی سیاسی گتھیوں کو بھید سے ترک کرتی چلی جائے اور حالت یہ ہو جائے کہ جب وہ ایک الجھاؤ کو سلجھائیں تو دوسری اس سے زیادہ مشکل و پیچیدہ ابھریں ان کے سامنے آتی چلی جائیں۔

پھر ان تمام امور کے ساتھ یہ بھی اضافہ کیا جائے کہ ان بڑے مہاجرین کو انصاف نے جو زندگی بسر کی تھی اگر وہ ٹھٹھ دیہاتی اور خالص خانہ بدوش زندگی نہ بھی تھی تو بہر حال مہذب شہری زندگی کے مقابلہ میں بہت زیادہ دیہاتی اور غیر متمدن ضرور تھی۔ پھر اچانک جب ان لوگوں نے آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو ایک ایسی عظیم سلطنت کے سامنے پایا جو در دراز تک پہنچی ہوئی تھی، جسے گوناگوں پیچیدہ مسائل درپیش تھے جن سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کسی نئی ہمت کی نہیں بلکہ ایک ایسے قدیم و مستحکم تمدن کی ضرورت تھی جس کے اصول و ضوابط معین ہوں اور جو مقررہ خطوط پر چلے جا رہے ہوں، جب ان تمام امور کو ایک دوسرے سے ملا کر دیکھیں گے تو آپ اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ جن حالات نے حضرت عثمانؓ کو آگھر اتحادہ حضرت عثمانؓ اور ان کے اصحاب کی طاقت باہر تھے۔ یہ کہنا بے جا ہو گا کہ حضرت عمرؓ نے بھی تو ایسے ہی حالات کا سامنا کیا تھا اور ان پر تباہی کیا تھا، اس لئے کہ حضرت عمرؓ ان چند منفرد شخصیتوں



ہیں سے تھے جنہیں عالم انسانیت شاذ و نادر ہی پیدا کر سکتا ہے۔ ہر قسم  
 غیر معمولی شخصیتیں اپنے جانشینوں کو سخت مشکلات اور آزمائشوں میں مبتلا  
 بناتی ہیں، بلکہ اگر احتیاط مانع نہ ہو تو یہ کہوں گا کہ ازل و آخر صرف حضرت  
 بنی اللہ عنہ کی عبقریت (غیر معمولی استعداد و صلاحیت) ہی ان حالات کی  
 دوا رہے جن میں حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھی گھر گئے تھے۔ وہ عبقریت  
 حضرت عمرؓ کے بعد ان کے ساتھیوں میں سے کسی کو بھی نہ ملی جن میں حضرت  
 عائشہؓ بھی شامل ہیں۔

لہذا ان کے سامنے آنے والا دور ہے

پہلا مرحلہ طے کر چکا تھا۔ مسلمانوں کو  
 دورِ راستہ پر کھڑا کر دیا تھا، ان کے سامنے دو راستے تھے اور دونوں راستے  
 اسی سے اولیٰ پوری طرح واضح تھے۔ جن میں کوئی کچی موڑ یا پیچیدگی نہ تھی  
 راستہ وہ تھا جس پر اہم سابقہ گامزن رہی تھیں۔ یعنی ملوکیت، حبس میں  
 موت کو تدبیر، عزم و حزم، قوت و استبداد۔ زور اور دبدبہ کے ذریعہ  
 جاکے اور دنیوی مشکلات کو دنیوی وسائل کے ذریعہ حل کیا جاتا ہے  
 سلطنت رو بہ ترقی ہوتی ہے، طاقت بڑھتی ہے، اور خوب بھلتی بھولتی  
 پھر وہ کمزور ہو کر رو بہ زوال و انحطاط ہو جاتی ہے تاکہ وہ ایک حال سے

دوسرے حال میں ایک ریاست سے دوسری ریاست میں ایک قوم سے  
 دوسری قوم میں منتقل ہو جائے۔ دوسرا راستہ وہ تیار راستہ تھا جن کی طرف  
 رسول خداؐ نے ڈالی تھی۔ اور جسے آپؐ کے بعد آنے والے دو خلفاء راشدینؓ نے  
 سر بند ہی و تقویت دی تھی۔ یہ وہ طرز حکومت ہے جس میں اقتدار کا دار  
 و مدار قوت پر نہیں ہوتا بلکہ اقتدار کی بنیاد محبت اور انصاف پر مبنی ہوتی ہے۔  
 جو قوت کو اپنے ذرائع میں سے ایک ذریعہ اور وسائل میں سے ایک وسیلہ  
 بناتی ہے۔ جس میں خود غرضی۔ تحکم اور زور و جبر سے کوئی واسطہ نہیں  
 اس میں دنیوی مشکلات کو دنیوی وسائل سے حل نہیں کیا جاتا۔ بلکہ  
 دینی وسائل سے حل کیا جاتا ہے اور وہ وسائل جن کی اس امر بالمعروف  
 نہی عن المنکر، نیکی سے محبت، اور شر سے نفرت، قربانی و ایثار اور خود غرضی  
 سے برأت پر مبنی ہے۔ اس حکومت کی اولین شرط باطن کی صفائی و صمیمیت  
 پاکیزگی اور دلوں کی طہارت ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس میں دنیا کو بھروسہ  
 آخرت ہی بنا دیا جاتا ہے۔ بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ ایک اعتبار سے اسے  
 آخرت اور دوسرے اعتبار سے اسے ایک ایسی نئی دنیا کا وسیلہ بتایا گیا  
 ہے جو زمانہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی، پاکیزگی، رونق و صفائی میں  
 برتری حاصل ہو۔

قتل عثمانؓ کے بعد مسلمانوں نے دیکھا کہ وہ اسی دوراہہ پر کھڑے ہیں

ان میں سے اکثر لوگوں نے تو پہلی راہ اختیار کر لی، انہیں اس راہ میں وہی آزمائش پیش آئی اور اب تک پیش آرہی ہیں، جو دوسری قوموں اور نسلوں کو پیش آئی، البتہ ان میں سے بہت کھوڑے افراد نے دوسری راہ اختیار کرنے کی کوشش کی لیکن آخر وہ بھی انسان ہی تھے، جیسے ہی وہ اس راہ میں ذرا آگے بڑھے ان کے خون اور ان کی جانیں ابتلا پر و آزمائش میں پھگنیں، اور بالآخر اکثریت ان پر غالب آگئی۔

آج بھی مسلمان دیکھ رہے ہیں کہ اس پہلے راستہ پر مسلمانوں کی بڑی طیر اور ہجوم ہے اور وہ اس پر پروانہ وار ٹوٹے جا رہے ہیں۔ ان کے سامنے منتر راستہ بھی ہے جدید تصورات اور واضح ہے لیکن وہ خالی ہے۔ اس صرف اولو العزم ہی چل سکتے ہیں۔ مگر اولو العزم لوگ ہیں کہاں؟

✽ ✽ ✽



# تیسواں باب

## ایک جواب طلب سوال

اس مقام پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے جن کا قدامت نے کوئی تسلی بخش  
جواب نہیں دیا بلکہ اکثر بزرگوں نے تو اس کا جواب دینے کی کوشش ہی نہیں  
کی۔ لیکن باب ہمہ ہیں اس سوال کا کوئی جواب تلاش کرنا ہی پڑے گا۔  
یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے عمال نے ان کو مدد دینے میں کس طرح اور کس  
اتنی تاخیر اور سستی روا رکھی کہ باطنی حضرت عثمانؓ کا دیر تک محاصرہ کئے رہے  
اور آخر کار ان کو قتل کر دینے میں کامیاب ہو گئے؛ کہا جاتا ہے کہ محاصرہ  
چالیس دن تک جاری رہا۔ یہ صحیح ہے کہ ذرائع نقل و حمل آسان اور قریب  
نہ تھے لیکن دوسری طرف ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خبریں حیرت انگیز  
کے ساتھ صوبہ جات میں پہنچ رہی تھیں، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح

کو علم تھا کہ مصری حضرت عثمانؓ کے خلاف غم و غصہ کے جذبات لئے ہوئے  
 گئے ہیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ انہوں نے امیر معاویہؓ کو اس امر کی  
 اطلاع بھی دی تھی۔ اسی طرح انہوں نے خود حضرت عثمانؓ کو بھی خطا کے ذریعہ  
 اس صورت حال سے مطلع کر دیا تھا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے بھی اہل کوفہ  
 کو مدینہ کا رخ کرتے دیکھا تھا، وہ بھی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی طرح  
 جانے والوں کے مقصد و ارادہ سے آگاہ تھے۔ یہی صورت بصرہ میں عبداللہ  
 بن عامر کی بھی پھر آخر کیا سبب ہے کہ اتنی خبر ہونے کے باوجود یہ عمال خلیفہ  
 کی امداد پر سرعت متسام کر بستہ نہ ہو سکے، پھر ان عمال کو کیا ہو گیا تھا کہ وہ  
 حضرت عثمانؓ کی طرف سے امداد کے مطالبہ پر شتمل خطوطا ملنے کے بعد بھی تیزی سے  
 مدینہ نہ پہنچے؟ آخر ان لوگوں نے کیوں اتنی دیر لگائی امدت اہل بیتؑ کی  
 مدد پہنچنے سے قبل ہی شروائع ہو گیا امداد امام قتل کر دیئے گئے، پھر ان سب امور  
 سے بڑھ چڑھ کر یہ کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے عمال کو پابند کر رکھا تھا کہ وہ حج کے  
 دنوں میں ان سے ضرور ملا کریں آخر کیا سبب ہے کہ ان کے عمال اس سال  
 اپنے اپنے صوبوں میں رہے اور حج پر نہ گئے۔ یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ نے  
 حضور ہونے کی وجہ سے مجبوراً حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو حج کی قیادت پر  
 مقرر کیا۔ ان سب سے بھی زیادہ حیرت انگیز و تعجب خیز بات یہ ہے کہ مورخین  
 کے بیان کے مطابق حضرت ابن عباسؓ حضرت عثمانؓ کی طرف سے حاجیوں کے

نام ایک چھٹی لے گئے تھے جس میں انھوں نے اپنا قضیہ پیش کیا تھا اور اپنا قصہ  
ہونا ثابت کیا تھا۔ مورخین کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے یہ چھٹی حج کے موقع پر  
لوگوں کو پڑھ کر سنائی، یہ خط جس کا مکمل متن طبری نے بیان کیا ہے کس طرح  
لوگوں نے سن لیا اور ان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی اسب اپنے اپنے  
گھروں کو چلے گئے اور کوئی بھی خلیفہ کی مدد پر کمر بستہ نہ ہوا اور کوئی گروہ بھی مدینہ  
کے حادثات کا شاہدہ کرنے کے لئے وہاں نہ پہنچا، یہ کیسے ہو گیا کہ حضرت  
عثمانؓ کا عامل مکہ خاموشی مے بسی اور اطمینان سے اس خط کو پیگیا اور اس  
نے لوگوں کو خلیفہ کی امداد پر برا نگینہ نہ کیا، اگر وہ اہل مکہ ہی کو جو سن و لا کر  
بھیجتا اور وہاں کے صحرا نشینوں کا ایک لشکر جمع کر لیتا تو یقیناً یہ فوج  
باغیوں کو اس وقت تک مشغول کئے رکھتی جب تک کہ صوبہ جات سے باقاعدہ  
فوجی کمک پہنچ جاتی۔ کیا سبب ہے کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہ ہوئی؟ کیا  
وجہ ہے کہ کسی عامل نے بھی حرکت نہ کی؟ کیا سبب ہے کہ حاجی بھی خلیفہ کی  
امداد پر آمادہ نہ ہوئے؟ کیا اس کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ تمام امت نے متفقہ  
طور پر اس خلیفہ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا، رعیت تنگ گئی تھی۔ عمال اپنے دلوں  
میں کچھ اغراض چھپانے کی جیسے کاہلی اور سستی کر رہے تھے، ان میں سے  
ہر ایک کو اپنی پٹری ہوئی تھی۔ اور انھوں نے خلیفہ کو مدینہ والوں کے سپرد  
کر دیا تھا کہ وہ جو کچھ ان کے ساتھ کرنا چاہیں کر دیں، یا حضرت عثمانؓ جو کچھ



ان کے ساتھ کر سکیں کر لیں، آپ دیکھ چکے ہیں کہ خود اہل مدینہ کی اکثریت باغیوں کے ساتھ شامل تھی۔ مدینہ میں صحابہ کرامؓ کی ایک مختصر جماعت ایسی بھی تھی جس نے عملاً تو حضرت عثمانؓ کا ساتھ چھوڑ رکھا تھا لیکن زبانی وہ اس صورت حال پر اپنے غم و غصہ کا اظہار کرتی تھی، اگر اصحاب رسولؐ کی یہ جماعت ہی باغیوں کے مقابلہ میں کھڑی ہو جاتی اور ان کی امیدیں خاک میں ملا دیتی تو یہ باغی لوگ بے نل مرام واپس ہو جاتے۔ جیسا کہ بعض تدبیر مورخین کی رائے ہے، ان چیزوں کے پیش نظر حضرت عثمانؓ کا وہ قول صحیح معلوم ہوتا ہے کہ لوگ میری درازی عمر کو لامتناہی سمجھ کر مجھ سے دل برداشتہ ہو گئے ہیں۔ مگر غالباً لوگوں کے لئے صرف ان کی درازی عمر ہی ایک اکتا دینے والا مسئلہ نہ تھا بلکہ وہ اس سیاست کے لامتناہی سلسلہ سے دل برداشتہ ہو گئے تھے جو انہیں عہد و نافرستی کی سیاست سے مختلف معلوم ہو رہی تھی اور جو ان کی دیکھی بھالی فیصد کسریٰ کی ملکیت سے بھی الگ کوئی سیاست نظر آتی تھی، انہیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان دونوں سیاستوں کے بین بین کوئی سیاست ہے۔

میں نے یہ سب باتیں لکھ کر اپنے دوستوں کو دکھائی ہیں۔

میں نے یہ سب باتیں لکھ کر اپنے دوستوں کو دکھائی ہیں۔

میں نے یہ سب باتیں لکھ کر اپنے دوستوں کو دکھائی ہیں۔

میں نے یہ سب باتیں لکھ کر اپنے دوستوں کو دکھائی ہیں۔

# الکلیسواں باب

حضرت عثمانؓ کے خون ناحق کی فداہی کس کی عائد

ہوتی ہے؟

جس رات وہ تیرا پتھر مارا گیا جس سے بنار بن گیا  
حضرت عثمانؓ کا خواب اسلامی کی موت واقع ہوئی اس کی صبح حضرت  
 عثمانؓ نے روزہ رکھا اور اپنے اصحاب سے کہا  
 کہ میں آج مار ڈالا جاؤں گا۔ اصحاب نے کہا۔ اے امیر المومنین! غم  
 آپ کے دشمنوں سے آپ کو محفوظ رکھے گا۔ تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ اے  
 تم یہ نہ کہو کہ میں اپنے دل سے بات بنار ہوں تو میں تمہیں ایک عجیب

سناؤں" اصحاب نے کہا ہم یہ نہیں کہیں گے "اس پر آپ نے کہا" میں نے  
 آج رات رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو  
 خواب میں دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا "اے عثمان! آج  
 روزہ ہمارے پاس کھولنا"

ازاں بعد حضرت عثمان اپنے اصحاب کے  
کس جرم پر مجھے قتل کر رہے ہو؟ ساتھ باتوں میں مشغول رہے۔ انہیں  
 باتوں میں آپ نے کہا "یہ لوگ مجھے کس بنا پر قتل کرنا چاہتے ہیں؟ میں نے آنحضرت  
 صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ حدیث سنی ہے جس میں آپ نے فرمایا تھا "مرد مسلم  
 کا خون صرف اسی شکل میں روا ہے جبکہ وہ ان تین کاموں میں سے ایک کام  
 کا مرتکب ہو جائے یا تو وہ اسلام لانے کے بعد کافر ہو جائے، یا شادی کے  
 بعد زنا کرے یا کسی حیوان کو ناحق قتل کر دے" بخدا میں نے نہ کبھی جاہلیت  
 میں زنا کیا نہ اسلام لانے کے بعد، اور جب سے خدائے تعالیٰ نے مجھے  
 ہدایت سے سرفراز فرمایا میں نے اپنے دین کے عوض کبھی کسی اور دین کی  
 تمنا بھی نہیں کی اور نہ میں نے کسی نفس کو قتل کیا ہے؛ پھر آخر یہ لوگ میری  
 گردن کس جرم میں مارنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے سلسلہ کلام جاری رکھتے  
 ہوئے اپنے اصحاب سے کہا "اگر مسلمانوں نے مجھے قتل کر دیا تو پھر اس کے  
 بعد وہ سب مل کر کبھی ایک جا نماز نہ ادا کریں گے نہ متحد ہو کر کسی دشمن کے خلاف



صفت آراہوں گے :- پھر حضرت عثمانؓ اپنے اصحاب کے ساتھ گفتگو کرتے رہے وہ ان لوگوں کو جو باغیوں سے جنگ کرنے پر مہر تھے قتل و قتال سے روک رہے تھے، اسی ضمن میں حضرت عثمانؓ نے کہا "رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا اور میں اس عہد پر اس وقت تک یحشگی سے قائم رہوں گا جب تک کہ خدا کی طرف سے مقرر کی ہوئی جگہ پر قتل نہ کر دیا جاؤں، وہ اسی طرح مجھ کو گفتگو تھے کہ باغیوں نے آکر اہل شہید کر دیا۔"

حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کے بارے میں لوگوں میں بڑا **خون ناسخ** سخت اختلاف ہے، بہر حال یہ بات یقینی اور قطعاً

غیر مشکوک ہے اور اس میں کسی قسم کے نزاع کی گنجائش نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پانوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون ان کے قاتلوں کے لئے مساح نہیں کیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ان کی سیاسی حکمت عملی یہی ہو کہ خطایا مبنی بر صواب ہو یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے اصحاب نے دائیہ یا نادائیہ طور پر ظلم روا رکھا ہو۔

بہر حال معتز ضیق و مخالفین کے لئے زیادہ سے زیادہ آخری حد یہ تھی کہ وہ مخالفت کرتے اور تمام امت کو اس مخالفت میں ہم خیال بن کر شامل کر لیتے اور جب تمام قوم کو خلیفہ کی مخالفت پر متحد کر لیتے تو ہر شہر اور ہر صوبے میں سے مسلمانوں کے نمایندے منتخب کر لیتے ان نمایندوں کا فرض ہوتا

کہ وہ حضرت عثمانؓ سے گفت و شنید اور بحث و تمحیص کرتے۔ پھر وہ جیسا کہ سمجھتے یا تو حضرت عثمانؓ کو بحال رکھتے یا خلافت سے معزول کر کے ان کی بجائے نیا خلیفہ چن لیتے۔ پھر وہ قصاص یا مال سے متعلق حضرت عثمانؓ پر لگائے ہوئے الزامات کی باج پڑتاں اور محاسبہ کا کام نئے خلیفہ کے سپرد کر دیتے۔ لیکن یہ طرز عمل کہ باغی خود ہی نما مذ سے بن بیٹھیں اور مسلمانوں سے حقوق و کالنت حاصل کئے بغیر ہی خلیفہ کو معزول کر دیں۔ تو اس کا حق انھیں ہرگز نہیں پہنچتا تھا، چہ جائیکہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کو صرف معزول ہی نہیں بلکہ قتل ہی کر ڈالا حالانکہ ان کا خون بھی اسی طرح حرام تھا جس طرح دوسرے مسلمانوں کا، بلکہ ان کے خون کی حرمت خلافت کے عہدہ کی وجہ سے دوہری ہو گئی تھی۔

لوگوں نے باغیوں کی حمایت میں بہت عذر تراشے باغیوں کے عذر ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ مصر و شام اور عراق کے عمال کے خوف سے باغیوں میں یہ ہمت نہ تھی کہ خلیفہ کو معزول کر دیتے اور اپنی عمال کے خوف کی وجہ سے وہ زیادہ دیر انتظار بھی نہ کر سکتے تھے کیونکہ اگر وہ حضرت عثمانؓ کو قتل نہ کرتے تو یا تو خود حضرت عثمانؓ انھیں قتل کر دیتے یا حضرت عثمانؓ کے عمال ان کا خاتمہ کر دیتے لیکن یہ تمام عذر تراشیاں ہیں یہ حق نہیں دیتیں کہ وہ اس خون کو مباح کر لیں جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے

اور اقتدار خلافت کو اس طرح بے حرمت کر ڈالیں۔

شاید اس حادثہ فاجعہ کے لئے ایک

ہی عذر ہے جو نہ صرف باغیوں بلکہ حضرت

عثمانؓ کے حق میں بھی پیش کیا جاسکتا

ہے نیز ان لوگوں کے حق میں بھی جو

اس خون ناحق کے ذمہ دار

بے قابو ہو جانے والے حالات

تھے

بعد ازاں اس حادثہ کی بنا پر باہمد گردست و گریبان ہوئے خوں ریزیاں

کیں اور ان نفوس و اموال کو مسباح کیا جنہیں خدا نے حرام قرار دیا تھا۔

اور وہ عذر یہ ہے کہ اس دوز کے احوال ہی اس درجہ قوی تھے کہ ان میں

سے کوئی بھی ان کے مقابلہ کی تاب نہ لاسکتا تھا اور خدا نے ہی ان کے لئے

مقرر کر دیا تھا کہ اس فتنہ کبریٰ کے ذریعہ ان کے دین و دنیا کو آزمائے۔

فتنہ کی شرح کرتے ہوئے حضرت علیؓ نے اہل کوفہ سے کیا خوب کہا تھا۔

”حضرت عثمانؓ نے اپنے اقربا کو تزییح دی تو بڑا کیا اور تم نے اس پر احتجاج

کر کے تانوں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا یہ بھی بڑا کیا“ ابن سعد نے بروایت ابن

دکین۔ ابان بن عبد اللہ الجلی۔ نعیم بن ابی ہند رعی بن حراش یہ واقعہ

بیان کیا ہے کہ میں رعی بن حراش (حضرت علیؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ان

کے پاس حضرت طلحہؓ کے صاحبزادے آئے اور سلام کیا۔ حضرت علیؓ نے انہیں

خوش آمدید کہا اس پر حضرت طلحہؓ کے صاحبزادے نے کہا اے امیر المومنین !



آپ نے میرے والد کو قتل کیا اور میرا مال چھین لیا پھر خوش آمدید بھی فرما کر  
 ہیں؛ حضرت علیؑ نے جواب دیا "تمہارا مال بیت المال میں الگ جمع ہے۔"  
 وہاں جا کر لے لے لو۔ رہا تمہارا یہ قول کہ میں نے تمہارے والد کو قتل کیا  
 تو اس کے جواب میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ مجھے امید ہے کہ میں اور تمہارے  
 والد قیامت کے روز ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے بارے میں خدا  
 تعالیٰ نے فرمایا ہے

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ  
 مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَى  
 سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ

اور ہم ان کے دلوں کا غبار  
 صاف کر کے انہیں سمبائی سمبائی  
 بنا دیں گے جو مسہریوں پر ایک  
 دوسرے کے بالمقابل بیٹھے  
 ہوں گے۔

یہ سن کر ہمدان قہقہہ کے ایک کانے شخص نے کہا  
 "اللہ اس سے زیادہ عدل  
 کرنے والا ہے۔"



میں



غزل

# حضرت عثمان کا بولنے کا مکتبہ

(برائے مدد طلبی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اما بعد! اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ و نذیر بنا کر بھیجا، آپ نے حکم خداوندی کے مطابق اللہ کے پیغامات لوگوں کو پہنچائے اور اپنا قرعہ انجا دینے کے بعد آپ اللہ سے جاملے اور اپنے بعد ہمارے لئے کتاب اللہ کو چھوڑ دیا جس میں اللہ کی طرف سے حلال اور حرام کی ہوتی چیزوں کا بیان ہے اور ان کا بیان ہے جسے اس نے قانون بنا کر جاری و ساری کر دیا ہے خواہ بیت

اسے پسند کریں یا ناپسند، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کے پہلے ہانشین ستر  
ابو بکر رضی اللہ عنہ ہوئے، اور دوسرے خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہوئے۔

پھر یہ عہدہ شوریٰ نے ایک نمایندہ جماعت کی موجودگی میں متفقہ طور پر مجتہدین  
کیا، میں اس عہدہ کا نہ امیدوار تھا نہ خواہاں، نہ مجھے اس کے ملنے کا پہلے سے کوئی  
علم ہی تھا، الغرض میں نے لوگوں کے معروف طریقہ کے مطابق خود نمونہ بننے کی نہیں  
بلکہ اپنے پیش روؤں کو نمونہ بنا کر ان کی اتباع کرنے کی کوشش کی، مقررہ اصول  
نہ ابط کی پیروی کی اور اس میں اپنی طرف سے کوئی بدعت ایجاد نہ کی، پھر جب معلوم  
اپنی حدود پر پہنچے، اور مشر نے اپنے ساتھیوں کو اکسایا، تو کینے اور خود غرضیاں  
ابھر کر بندھنے آئے لگیں جن کا کوئی معقول سبب نہیں، نہ میری گزشتہ کوئی  
ایسی بدعتی ہے جس کی پاداش میں یہ کچھ کیا جا رہا ہو۔ ہاں ایک خط کا معاملہ ضرور  
ہے جس پر دستخط کر لئے گئے، بغیر کسی معقول عذر اور مناسب ثبوت کے یہ لوگ مسر  
ہیں مرتضیٰ کچھ اور ہے ظاہر کچھ اور کر رہے ہیں، میرے خلاف ان باتوں پر اعتراض  
کر رہے ہیں جن پر پہلے وہ خود بھی راضی تھے، بہت سی ایسی باتوں پر مکتہ عیسیٰ  
کر رہے ہیں جو اہل مدینہ کی نمایندہ جماعت کے سامنے طے کی گئیں اور جن کا ان  
کے سوا کوئی تدارک ہی نہ تھا، میں نے ان کی ان تمام مخالفانہ سرگرمیوں پر صبر کیا  
تمام حالات جانتے بوجھتے برسوں میں نے خود کو ان سے بچایا، لیکن یہ اللہ عز و  
جل کی مخالفت میں اپنی گستاخی اور حبارت میں بڑھتے ہی چلے گئے، تا آنکہ

سرزمین ہجرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار و حرم میں یہ لوگ ہم پر  
 حملہ آور ہو گئے، ان لوگوں نے عرب کے جاہل دیہاتیوں کو بھی اپنا ہم نوا بنا لیا  
 ان کے اجتماع کی بالکل وہی کیفیت ہے جو جنگ خندق، یا جنگ احد میں ہمارے  
 مخالفین کی تھی فرق صرف یہی ہے کہ ان کا ظاہر کچھ اور ہے۔  
 بہر حال ان حالات میں جو بھی ہماری مدد کے لئے پہنچنے کی قوت رکھتا ہو  
 اس کا فرض ہے کہ وہ مرکز میں پہنچے۔

————— مزید —————



# حاجیوں کے نام حضرت عثمان کا خط

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

امیر المومنین بندہ نذا عثمان کی طرف سے جملہ مومنین و مسلمین کی خدمت میں السلام علیکم۔۔۔ میں آپ کے سامنے خدا کے واحد و برتر کی حمد بیان کرتا ہوں جو وحدہ لا شریک ہے اور جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔

عبادِ اِلاہ ہیں آپ لوگوں کو اللہ عزوجل کے وہ انعامات و احسانات یاد دلاتا ہوں جو اس نے آپ لوگوں پر اسلام کی تعلیم دے کر، گمراہی سے ہدایت کی طرف لا کر، کفر سے نجات دے کر، دشمن دلائل و کھلا کر، روڑی میں وسعت و فراوانی بخش کر، دشمن پر غلبہ دے کر، اور اپنی کامل نعمتوں سے سرفراز کر کے۔۔۔ فرمائے۔ جس کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا بجا ارشاد ہے۔

وَ إِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۚ إِنَّ  
الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُفَّارٌ (۱۰۰)

اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گنتے لگو تو ان کا پورا پورا شمار نہیں  
کر سکو گے، بلاشبہ انسان بڑا ہی ظالم اور نہایت ناشکرا اور  
ناقدرا ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ  
تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝  
وَ اعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا  
وَ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً  
فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا  
وَ كُنْتُمْ عَلَى شِقَاٍ فَفَرَّقَكُمْ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ  
مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ  
تَهْتَدُونَ ۝ وَلَتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ  
إِلَى الْخَيْرِ وَ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ يَنْهَوْنَ  
عَنِ الْمُنْكَرِ وَ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَلَا  
تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَ اخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ

مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ  
عَذَابٌ عَظِيمٌ (۱۰۱-۱۰۳)

لے ایمان والو! اللہ سے اس طرح ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور تمہاری موت صرف ایسی حالت میں واقع ہو کہ تم خدا کی اطاعت شعاری میں لگے ہو اور اللہ کی رشتی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو، اور فرقہ فرقہ نہ ہو جاؤ، اور اللہ نے تم پر جو انعام و احسان کیلئے ہے اسے یاد کرو کہ ایک وقت وہ تھا جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو باہم جوڑ دیا اور تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی ہو گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے دہانہ پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچالیا، اس طرح اللہ اپنی آیات تمہارے لئے بیان کرتا ہے تاکہ تم صحیح راہ پر لگ جاؤ، اور تمہیں ایک جماعت بن جانا چاہیئے جو خیر کی طرف دعوت دے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر شدہ بتلے اور یہی کامیاب لوگ ہیں، اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو روشن دلائل آ جانے کے بعد فرقہ فرقہ بن گئے۔ اور باہم اختلافات کرنے لگے ایسے لوگوں کے لئے تو برا عذاب ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بالکل حق ہے۔



وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ  
الَّذِي لَقَّيْتُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَ  
أَطَعْنَا (۵۰)

اور تم اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو اور اس پختہ عہد کو بھی جس  
کے ذریعہ اس نے تمہارے یہ کہنے پر ہم نے سنا اور اطاعت  
کی تم سے پختہ قرار لیا۔

اور فرمان خداوندی حق ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقُ  
بِنْيَاءٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا  
عَلَىٰ مَا كُنتُمْ تَادِمِينَ ۝ وَاعْلَمُوا أَن  
فِيكُمْ رَسُولٌ اللَّهُ لَوْ لَطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ  
الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبِيبٌ إِلَيْكُمْ أَتَىٰ  
وَرَيْنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَثَرَتِ الْكُفْرُ  
وَالْفُسُوقُ وَالْبِغْيَانُ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ  
فَضَلُّوا مِنَ اللَّهِ وَنِعْمَةِ اللَّهِ عَلَيْهِمْ  
مَعَكِيمُ ۝ (۵۱)

اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خیر لائے تو اس کی

تحقیق کر لو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم لا علی سے کسی قوم کو تکلیف پہنچا دو  
پھر اپنے کئے پر پھٹلنے لگ جاؤ، اور جان لو کہ تم میں اللہ کا رسول ہے  
اگر وہ تمہاری بہت سی باتوں کی اطاعت کرنے لگ جائے تو تم مشقت  
میں پڑ جاؤ گے، لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایمان محبوب کر دیا  
ہے اور تمہارے دلوں میں اسے خوشنما بنا دیا ہے اور اس نے تمہاری  
نظروں میں کفر، فسق اور عصیان کو برا کر دیا ہے اور ایسے لوگ ہی  
صحیح راہ پانے والے ہیں، یہ اللہ کا فضل اور نعمت ہے، اور اللہ جاننے  
والا حکمت والا ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ  
ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي  
الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ  
يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ  
أَلِيمٌ (۲۴)

بے شک جن لوگوں نے اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی  
قیمت لے لی، ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے، اللہ  
قیامت کے دن نہ ان سے بات کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ

ان کو پروان چڑھانے کا اور ان لوگوں کے لئے عذاب الیم ہے۔

اور فرمان باری تعالیٰ حق ہے۔

فَاَطِيعُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا

وَأَنفِقُوا خَيْرًا لِّأَنفُسِكُمْ، وَمَنْ يُّؤْتِ

تِلْكَ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (۲۴۱)

جہاں تک تم سے بن کے اللہ سے ڈرتے رہو اور سنو اور اطاعت

کرو اور خرچ کرتے رہو بھلائی کو اپنی جانوں کے لئے، اور جسے

اس کی جان کے نخل سے بچا دیا گیا تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان حق ہے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ آدَمَ إِذَا قَالَ لَكَ

وَلَا تَقْضُوهَا وَالْأَيْمَانُ بَعْدَ تَوَكُّدِهَا وَقَدْ

جَعَلْتُمْ آيَةً عَلَيْكُمْ كَفِيلًا، إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ

مَا تَفْعَلُونَ ۝ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَقَضَتْ

عُرْلَهُمَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَارًا تَتَخَذُونَ آيَاتِنَا

دِفْلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَابُ مِنْ

أُمَّةٍ إِمَّا يَكِلُوكُمْ اللَّهُ بِهِ وَلِيِّينَ لَكُمْ

يَوْمَ الْقِيَمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝



وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ  
يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ  
لَتَسْلُكُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝  
أَيْمَانَكُمْ وَخَلَقَ بَيْنَكُمْ فَزَلَ قَدْ مَرَّ بَعْدَ  
ثُبُوتِهَا وَتَذَرُوهَا الشُّرُوءَ بِمَا صَدَدْتُمْ عَنْ  
بَيْعِ اللَّهِ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝  
يَعْقِدُ اللَّهُ ثَمَنًا قَلِيلًا إِنْ مَا عِنْدَ اللَّهِ هُوَ  
خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ مَا عِنْدَكُمْ  
يَنْفَدُ ۚ فَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ ۚ وَ لِيُخْزِيَنَّ الَّذِينَ  
صَبَرُوا أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

(۱۶۷-۱۶۸)

اور اللہ کے عہد کو جب بھی تم عہد کر دو پورا کرو، قسموں اور معاہدوں کو پختہ  
کرنے کے بعد نہ توڑو، حالانکہ تم نے اللہ کو اس پر گواہ و ضمان بنا لیا ہے،  
بے شک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اسے جانتا ہے، اور اس صورت کی طرح  
نہ ہو جاؤ جو اپنے سوت کو پختہ کر کے جانے کے بعد ڈھیل کر دیتی ہے، تم  
اپنی قسمیں آپس میں ایک دوسرے کو فریب دہی کے لئے استعمال...  
کرتے ہو، تاکہ ایک جماعت دوسری سے زیادہ بڑھ چڑھ جائے، اللہ

اس ذریعہ سے تمہاری آزمائش کرتا ہے اور تاکہ ان چیزوں کو جن میں تم اختلاف کرتے ہو قیامت کے دن تمہارے لئے آشکارا کر دے اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو ایک جماعت بنا دیتا لیکن وہ تو اسے گمراہ کرتا ہے جو گمراہ ہونا چاہتا ہے اور اسے ہدایت دیتا ہے ہدایت چاہتا ہے، اور تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس ہوگی، اور اپنی تمیں ایک دوسرے کو فریب دہی کے لئے استعمال نہ کرو ورنہ قدم جہنم کے بعد لغزش کا چاٹے گا اور تمہیں اللہ کے راستہ سے انحراف کرنے کا برا نتیجہ چکھنا پڑے گا اور تمہارے لئے جہنم عذاب ہوگا، اور اللہ کے عہد کو بخواری قیمت کے عوض نہ دے ڈالا بے شک جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم علم رکھتے ہو جو کچھ تمہارے پاس ہے ختم ہونے والا ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے، اور وہ ضرور صبر کرنے والوں کو ان کے بہتر کاموں کا بدلہ دے گا۔

اور فرمان خداوندی حق ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَ اطِيعُوا  
الرَّسُولَ وَ أُوْلِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ، فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ  
فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ

كُنْتُمْ تُوْمِنُوْنَ بِاللهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ، ذَالِكَ  
خَيْرٌ وَ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ (۱۶)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے  
میں سے حاکموں کی، پھر اگر تم میں آپس میں کسی بات پر جھگڑا ہو جائے  
تو اسے اللہ اور رسول کی طرت پلٹا دو اگر تم اللہ پر اور روز آخر پر یقین  
رکھتے ہو یہ بہتر اور انجام کے اعتبار سے خوب تر ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ حق ہے۔

وَ مَّا اَلَلَهُ الدِّينَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ  
لِيَسْتَقْلِفَنَّهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ مَّا اَسْتَخْلَفَتِ الدِّينَ  
مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لِيَمَكِّنَ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى  
اَرَادْنٰى لَهُمْ وَ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ خُرُوجِهِمْ  
اٰمَنَّا، يَعْبُدُوْنَ سِغْنِىْ لَوْ لِيْسِيْ كُوْنِ بِنِ شَيْئًا وَ مِّنْ  
كَفَرٍ بَعْدَ ذَالِكَ فَاَوْفَكُ هُمْ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (۲۳)

وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ان سے اللہ کا  
وعدہ ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین کی خلافت دے گا جیسے ان سے پہلے  
لوگوں کو خلافت دی اور ان کے لئے اس دین پر کاربند ہونا ضرور ممکن  
بنادے گا جیسے۔ ان کے لئے پسند کرتا ہے اور انہیں خوف کے



عبداللہ میں منتقل کر دے گا وہ میری عبادت کریں گے اور میرا کسی کو شریک

نہ بنائیں گے اور جس نے اس کے بند کھڑ کیا تو یہی لوگ ناسق ہیں۔

اور زمان باری تعالیٰ حق ہے۔

إِنَّ الدِّينَ يُبَاقُونَكَ إِنَّمَا يُبَاقُونَكَ اللَّهُ يَدُ

اللَّهُ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ، مَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ

عَلَى نَفْسِهِ، وَمَنْ أَوْفَى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ

اللَّهُ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

بے شک جو لوگ کہ آپ سے بیعت کر رہے وہ اللہ سے بیعت کر رہے

ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے، تو جو پیمانہ خود اپنی ہی طرف

کرتے گا، اور جس نے اللہ سے کئے ہوئے عہد کو وفا کیا تو وہ اسے

بڑا اجر دے گا۔

بعد ازاں عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے جن اصول کو

پسند کیا ہے وہ منع و طاعت اور نظام جماعت کی پابندی ہے اس نے آپ کو

نافرمانی، فرقہ بندی اور اختلافات کے ہلکے عواقب سے ڈرایا ہے، اس نے

تم سے پہلی اتوار کے حالات کھینچے، اور تمہیں پہلے سے اس سلسلہ میں

کردی تاکہ اگر تم اس کے قوانین کی نافرمانی کرو تو اس کے پاس تمہارے خلاف ہتھیار

موجود ہو، لہذا اللہ عزوجل کی نصیحت قبول کرو اور اس کے عذاب سے ڈرو،

دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسی قوم نہیں ملے گی جو اجتماعی توازن برقرار رکھنے کے باوجود فنا ہو گئی ہو۔ ہلاکت اسی وقت آتی ہے جب قوم میں اختلاف و تشتت رونما ہو جاتا ہے، اور جب بھی تم ایسا کرنے لگو گے تو تم یک جا جمع ہو کر نماز ادا نہ کر سکو گے، اور تمھارے اوپر تمھارے دشمن مسلط کر دیئے جائیں گے۔ اور تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کی حسرتوں کو حلال کرنے لگو گے، اور جب ایسا کیا جائے گا تو اللہ کا دین برقرار نہیں رہ سکے گا، اور تم فرقہ فرقہ ہو جاؤ گے، اللہ عزوجل نے اپنے

رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

إِنَّ الدِّينَ فَرَقْنَا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعَةً  
لَسْتُ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ، إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى  
اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ

یشک جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور جماعت <sup>(پیشہ)</sup> بٹ گئے، تیرا ان سے کوئی بھی واسطہ نہیں ہے، ان کا معاملہ اللہ

کے حوالہ ہے پھر وہ انہیں ان کے اعمال کے بارے میں بتائے گا۔

میں بھی آپ لوگوں کو اسی تعلیم کی وصیت کرتا ہوں جس کی اللہ تعالیٰ آپ کو تعلیم دیتا ہے اور میں آپ کو اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔ حضرت شعیب نے اپنی قوم سے کہا تھا۔

يَا قَوْمِ لَا يَخِمْ عَلَيْكُمْ شِقَاقِي أَنْ يَصِيبَكُمْ

مِثْلُ مَا أَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ  
 أَوْ قَوْمَ صَالِحٍ وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِنْكُمْ بِبَعِيدٍ  
 وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ إِنَّ  
 رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ ۝ (۹۰-۹۱)

اے میری قوم! کہیں تمہیں میری مخالفت اس جرم کا مرتکب نہ کر دے  
 جس کی وجہ سے تمہیں بھی وہ عذاب پہنچے جو قوم نوح قوم ہود یا قوم  
 صالح کو پہنچا اور لوط کی قوم تو تم سے کچھ ایسی دور بھی نہیں ہے،  
 اور اپنے رب سے مغفرت چاہو پھر اس کی طرف رجوع کرو بیشک  
 میرا رب رحیم وودود ہے۔

اما بعد۔ یہ لوگ جو میرے خلاف احتجاج کرتے ہوئے جمع ہو گئے  
 ہیں، لوگوں کو یہی بتا رہے ہیں کہ وہ کتاب اللہ اور حق کی طرف لوگوں کو  
 دعوت دے رہے ہیں نیز دنیا اور دنیوی اغراض سے کوئی سروکار نہیں رکھتے  
 لیکن جب ان کے سامنے حق پیش کیا گیا تو یہ مختلف احوال ہو کر علیحدہ علیحدہ  
 جماعتوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک گروہ حق کو نلے لیتا ہے اور دوسرا جب اسے  
 حق دیا جاتا ہے تو اس سے گریز کرتا ہے۔ ایک اور گروہ جو حکومت کے معاملہ  
 کو ناحق بھجور لے لینا چاہتا ہے وہ حق کو تھوڑا پتلے ہے۔ میری درازی عمران  
 پر گراں گز رہی ہے اور ان کے حکومت کے قواعد کی تعبیر میں دیر ہو رہی



بہذا یہ قانون قدرت میں دخل اندازی کر کے اس سے جبری نتائج برآمد کرنے کے لئے بصد میں۔ یہ لوگ پہلے آپ کو لکھ چکے ہیں کہ وہ میرے طے کئے ہوئے معاہدہ پر رضامند ہو کر واپس چارہ ہے ہیں، اور میرا خیال ہے کہ میں نے معاہدہ کی کوئی شق بھی ایسی نہیں چھوڑی جس پر عمل نہ کیا ہو، ان لوگوں کا خیال ہے کہ یہ حدود کو نافذ کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں، تو میں نے ان سے کہہ دیا کہ میں کے متعلق بھتیں یہ معلوم ہو کہ اس نے کسی حد سے تجاوز کیا ہے اس پر حدود نافذ کرو، جس نے بھی بھتاری حق تلمی کی ہے خواہ وہ دور کا ہو یا قریب کا اس پر حدود نافذ کرو، انہوں نے کہا کہ کتاب اللہ کی تلاوت کی جائے گی، تو میں نے کہا ضرور تلاوت کی جائے گی، لیکن تلاوت کرنے والے کو چاہیے کہ اس میں غلو نہ کرے اور کتاب میں اللہ کی نازل کردہ تعلیمات سے تجاوز نہ کرے۔ ان لوگوں کا مطالبہ ہے کہ نادار و محروم کو روزی دی جائے، مال کو اس کے صحیح اور مناسب مقامات پر خرچ کرنے کے لئے پوری پوری توجہ دی جائے، خمس اور صدقہ کے اخراجات میں جائز حدود سے تجاوز نہ کیا جائے، صاحب قوت و امانت کو امیر مقرر کیا جائے، لوگوں کے جائز حقوق جو تلف کئے گئے انہیں واپس دیئے جائیں۔ میں نے ان کے یہ مطالبات

---

ملہ میری کے متعدد نسخوں میں اسی طرح مذکور ہے۔ یہاں عبارت میں کچھ نقص رہ گیا ہے۔

تسلیم کر لئے اور اس پر سختی سے کاربند ہوا۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج  
 مطہرات رضی اللہ عنہن کی خدمت میں مشورہ لینے کے لئے گیا، انھوں نے یہ مشورہ  
 دیا کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کرو  
 معاویہ کو نہ چھڑو کیونکہ انھیں تمہارے پیش رو نے مقرر کیا ہے۔ نیز وہ اپنے  
 علاقہ کا درست انتظام رکھتے ہیں اور ان کی فوج بھی ان سے خوش ہے، مگر  
 کو واپس اپنے عہدہ پر بھیج دو کیونکہ ان کا شکر انھیں پسند کرتا ہے انھیں  
 کر وہ اپنے علاقہ کی اصلاح پر توجہ دیں۔ اور میں نے ان کے مشورہ کے  
 مطابق یہ سب کچھ تبدیلیاں کر دیں۔ اس کے بعد بھی مجھ پر زیادتی کی جارہی  
 اور حق پر ظلم ہو رہا ہے۔ اس پر میں نے یہ خط لکھا اور میرے وہ ساتھی جو تون کو  
 ہاتھ میں لئے لینے کے آرزو مند ہیں تقدیر خداوندی سے جلدی نتیجہ نکلوانا چاہتے  
 ہیں، وہ نماز سے بھی روک رہے ہیں، انھوں نے میرا مسجد میں جانا بھی  
 کر دیا ہے اور اپنے مقدس بھریہ لوگ مدینہ پر علیہ حاصل کر چکے ہیں، اس  
 تک جبکہ میں آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ یہ  
 مجھ پر باتوں میں سے ایک کو قبول کرنے کا اختیار دے رہے ہیں

اس خط کے متن کی اس عبارت اور تاریخ کی روایات میں اختلاف ہے جس پر ہم ان  
 دوسرے حصہ میں بحث کریں گے۔

یا تو مجھ سے ہر اس آدمی کا بدلہ رقمصاص لیں جسے میں نے غلطی سے یا  
بجاطور پر کوئی سزا دی ہے اور اس سلسلہ میں کوئی رعایت یا چھوٹ نہ ہوگی۔  
یا میں خلافت سے معزول ہو جاؤں اور وہ میرے علاوہ کسی دوسرے  
کو خلیفہ بنا لیں،

یا پھر وہ میرے پاس اپنے ہم خیال دہم نواں شکروں اور شہریوں کو  
بھیجیں گے جو اپنی اس ذمہ داری (یعنی سمع و طاعت) سے برارت کا اظہار  
کریں گے جو اللہ تعالیٰ نے میرے لئے ان پر ڈالی ہے۔

میں نے ان لوگوں کو جواب دیا کہ جہاں تک مجھ سے قصاص لینے کا تعلق  
ہے آپ لوگ جانتے ہیں کہ مجھ سے پہلے بھی خلیفہ گزر چکے ہیں جنہوں نے غلط  
فیصلے بھی کئے اور صحیح بھی، لیکن ان میں سے کسی سے بھی قصاص کا مطالبہ  
نہیں کیا گیا اور یہ تو مجھے معلوم ہی ہے کہ یہ لوگ میری جان کے دشمن ہیں۔ چنانچہ  
خلافت سے معزولی کا تعلق ہے، تو اگر یہ لوگ مجھے سخت تکلیف دہ اور بدن میں  
بوجھ کر عین جانے والے تباہوں سے بھی لڑیں گے تو میں یہ تکلیف بخوشی برداشت کروں گا  
لیکن اللہ تعالیٰ کی خدمت و خلافت جو مجھے تفویض ہوئی ہے اس سے برأت  
کا اظہار ہرگز کو ارا نہ کروں گا، اور یہ لوگ جو فوج اور شہریوں کو میرے پاس  
میری سمع و طاعت سے اظہار برأت کے لئے بھیجتا چاہتے ہیں تو میں ان کا کوئی  
وکیل نہیں ہوں، نہ میں نے ان کو پہلے اپنی سمع و طاعت کے لئے بھجوا دیا تھا



ان لوگوں نے خوشی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اپنے باہمی تعلقات خوشگوار رکھنے کے لئے میری سمع و طاعت قبول کی تھی۔ یاد رکھو تم میں سے جو بھی دنیوی اغراض کا طالب ہے تو اسے ان میں اتنی ہی کامیابی ہوگی جتنی اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مقرر کر دی ہے اور جو خوشنودی مولیٰ دار آخرت، مصلح امت کا بوجہ اللہ طلبکار ہے اور اس سنت حنیفہ پر چلنے کا خواہاں ہے جسے آنحضرتؐ نے اور ان کے بعد الوبکرؓ وغیرہ نے قائم رکھا تو اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ دے گا۔ میرے پاس مختار ابد نہیں ہے، اور اگر میں تمہیں تمام دنیا بھی دے دوں تو بھی وہ تمہارے دین کا بدلہ نہیں ہو سکتی، اور نہ تمہیں کوئی فائدہ پہنچا سکتا۔ لہذا اللہ سے ڈرو اور جو کچھ اس کے پاس ہے اس پر اپنے اعمال کی بنیاد رکھو جو بھی تم میں سے اپنے عہد و بیان سے پلٹنا چاہتا ہے تو میں اس کے لئے یہ طریقہ پسند نہیں کرتا، اور اللہ تعالیٰ کو بھی یہ پسند نہیں کہ تم اس کے عہد پر پھر جاؤ۔

یہ لوگ مجھے جو کچھ بھی اختیار دے رہے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں خلافت سے دستبردار ہو جاؤں اور یہ کسی اور کو امیر بنالیں، میں خود کو اور اپنے ساتھیوں کو روکے ہوئے ہوں اور اللہ کے فیصلہ کا منتظر ہوں کہ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے اس نعمت کو دے دے، میں بڑی سنت ایکا دکرنے اور امت میں اختلاف ڈالنا اور خوہنریزی کرنا پسند نہیں کرتا، میں آپ لوگوں

کو اللہ کی قسم دلاتا، اور اسلام کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ لوگ صرف حق کا  
 ساتھ دیجئے میری طرف سے حق ادا کیجئے اور بغاوت کو سرکشوں تک چھوڑ  
 دیجئے، ہمارے درمیان فرمان الہی کے مطابق عدل سے فیصلہ کیجئے۔ میں  
 تمہیں اللہ عزوجل کی قسم دلاتا ہوں جس نے تمہارے اوپر امر اللہ کے بارے  
 میں پاسداری عہد اور باہمی تعاون فرض کیا ہے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا  
 فرمان ہے اور وہ حق ہے کہ

وَأَذِّنْ فِی الْبَیِّنَاتِ إِنْ الْعَهْدُ كَانَ مُسْتَوْلًا رِیَاسِی

اور تم عہد کو پورا کرو، بے شک عہد کے بارے میں تمہارے بازپرس کی جائیگی۔  
 یہ اس لئے ہے کہ میں اللہ کے پاس عذر پیش کر سکوں اور تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔  
 آخر میں مجھے یہ بھی عرض کرنا ہے کہ میرا یہ دعوائے ہنسی کہ میرا نفس عیوب  
 و نقائص سے پاک و مبرا ہے، بیشک نفس تو برائی کا بہت حکم دینے والا ہے  
 بخزان لوگوں کے جن پر میرے رب کا رحم ہو، بے شک میرا رب غفور و رحیم ہے۔  
 میں اپنے ہر کئے ہوئے کام سے خدا کی طرف توبہ کرتا ہوں اور اس سے مغفرت  
 کا طالب ہوں، اس کے سوا کوئی نہیں جو گناہوں کی مغفرت کر سکے۔ بیشک  
 میرے رب کی رحمت ہر چیز پر چھانی ہوئی ہے، یقیناً اللہ کی رحمت سے سوائے  
 گمراہ لوگوں کے اور کوئی ناامید نہیں ہوتا، اور یقیناً وہی ہے جو اپنے بندوں کی  
 توبہ قبول فرماتا ہے اور سیئات سے درگزر کرتا ہے اور وہ اپنے بندوں کے

کاموں سے باخبر ہے، اور میں اللہ عزوجل سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ میری  
 اور بھتاری مغفرت فرمائے اور اس امت کے دلوں کو خیر پر جوڑ دے، اور ان کے  
 دلوں میں فسق کو ناپسند بنا دے، اے مومنین اور مسلمانو! تم سب پر خدا کی  
 سلامتی و رحمت و برکات ہوں۔



# اعتذار

اس حصّہ میں ہم نے عبداللہ بن سبار کے حالات جو ابن سودا کے نام سے مشہور ہے بالتفصیل بیان نہیں کئے ہیں اس لئے کہ اس کے واقعہ میں کچھ طول اور پیچیدگی ہے اس لئے بھی کہ اس کی اہم سرگرمیاں ہمارے خیال میں حضرت علیؓ کی خلافت کے دوران میں ہوئیں، لہذا ہم نے اس موضوع کی تفصیل کو اس کتاب کے دوسرے حصّہ میں لے لیا ہے۔

اسی طرح ہم نے حضرت عثمانؓ کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور عمرو بن العاصؓ کے باہمی نزاع کا بھی تذکرہ نہیں کیا ہے۔ اس لئے کہ ان دونوں کی اہم سیاسی سرگرمیاں بھی حضرت علیؓ کے عہد میں رونما ہوئیں۔ لہذا اس موضوع کو بھی ہم نے اس کتاب کے دوسرے حصّہ میں شامل کر لیا ہے۔



- ۱۰۔ تاریخ ابن خلدون
- ۱۱۔ تاریخ دمشق لابن عساکر
- ۱۲۔ تاریخ بغداد للخطیب بغدادی
- ۱۳۔ تاریخ عقد الجمان للعبی
- ۱۴۔ نہایت الأرب للنویری
- ۱۵۔ مسالک الألبار فی الممالک والأمصار، للعمری
- ۱۶۔ المخطط، للمقریزی
- ۱۷۔ النزاع والتحامم، للمقریزی
- ۱۸۔ دلاء مصر وفتناتها، للکندی
- ۱۹۔ الجاحظ کے مختلف رسائل
- ۲۰۔ الفصل فی الملل والأہواء والنحل، لابن حزم
- ۲۱۔ کتاب الفرق بین الفرق، لعبد القاهر بن طاهر بغدادی
- ۲۲۔ التبصیر فی الدین، لابی المنظر اسفرائینی
- ۲۳۔ الملل والنحل للشہرستانی
- ۲۴۔ منہاج السنۃ لابن تیمیہ

اس موضوع پر معاصرین کی تصانیف میں سے صرف تین ہم نے  
پڑھی ہیں۔



- ۱۔ اشہر مشاہیر الاسلام، الرفیق بابک عظم
  - ۲۔ الاسلام و اصول الحکم، للاستاذ علی عبدالرزاق
  - ۳۔ کتاب عثمان بن عفان، للاستاذ شیخ صادق ابراہیم عرجون
- مستشرقین کی کتابوں میں سے اس ضمن میں ہم نے صرف دو چیزیں زیر نظر رکھی ہیں۔

- ۱۔ کیٹانی کی کتاب "انالی دی الاسلام"
- ۲۔ ان انیکلو پیڈیا آف اسلام کی متفرق فصلیں۔



# انسان نے کیا سوچا؟

## کائنات

کس طرح وجود میں آگئی۔ مادہ کیلئے۔ زندگی کیلئے۔ شعور کیلئے؟ انسانی ذات کسے کہتے ہیں۔ زمان و مکان سے کیا مفہوم ہے۔ انسانی زندگی کا مقصد کیا ہے۔

## اخلاقیات

سے مراد کیلئے؟ حق و باطل کا معیار کیا ہے۔ خیر کسے کہتے ہیں۔ شر کیا ہے؟ ضمیر کی آواز سے کیا مفہوم ہے۔ گیر بکیر کیا ہوتا ہے۔ جبر و قدر سے کیا مراد ہے؟ فطرت انسانی کیلئے؟

## سیاسیات

کن امور سے متعلق ہے۔ حکومت اور مملکت کے مختلف نظریے۔ نیشنلزم نے کیا کیا ہے۔ جمہوریت کا مہیا رہا ہے یا ناکام

## معاشیات

اس مسئلہ نے اتنی اہمیت کیوں حاصل کر لی ہے۔ عہد قدیم میں روٹی کے مسئلہ کا



حل۔ عہد حاضر کی مشکلات۔ سرمایہ داری کسے کہتے ہیں؟ اشتراکیت کیا ہے۔ یہ  
کب شروع ہونی تھی؟ اس کا مستقبل کیا ہے؟

### تہذیب و فننگ

کسے ترکیبی عناصر کیا ہیں؟ اس کے ثمرات کیا ہیں؟ کیا اہل مغرب اس سے مطمئن ہیں؟

### فرد و گم گشتہ

مفکرین یورپ کس قسم کا معاشرہ چاہتے ہیں؟ ایسا معاشرہ کیوں نہیں بن سکتا؟

تاریخ و فلسفہ: مذہب

ونیا کے ائمہ فکر کس مذہب کی تلاش میں ہیں؟ وہ سب آسمان کی طرف کیوں

نک رہے ہیں؟

؟ یہ ہیں ان متعدد سوالات میں سے چند ایک جن کا جواب افلاطون نے لیکر

رسول تک کی زبان سے اس عظیم تصنیف میں ملے گا جس کا نام ہے

✓ انسان نے کیا سوچا؟

دوسرا ایڈیشن مصنف کی نظر ثانی کے بعد شائع ہوا ہے۔

ملنے کا پتہ:-

ناظم ادارہ طلوع اسلام

گلی گکری کا لونی لاہور



# سلیم کے نام خطوط و سرالڈیشن

ان خطوط میں ملت کے اس نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کو مخاطب کیا گیا ہے جو مشرق و مغرب کے تقادم کے بعد ملوکیت کے وضع کردہ غلط مذہبی تصورات سے متغیر ہوتے ہوئے اسلام اور اس کے سرخیز حیات قرآن ہی سے ماتم دھوپا تھا عقائد و نظریات جیسے خشک اور نازک مسائل پر اس عمدگی سے بحث کی گئی ہے کہ عسوس ہی نہیں ہوتا کہ ہم کسی خشک فلسفیانہ بحث کو پیشہ رہے ہیں۔ باتوں باتوں میں وہ دقیق اور معرکہ آرا مسائل حل کر کے رکھ دیئے گئے ہیں جنہیں ضخیم محکدات میں بھی حل نہیں کیا جاسکتا تھا۔ یہ خطوط ملک کے گوشہ گوشہ سے خراج تحسین وصول کر چکے ہیں۔ ترائی کی روشنی اور محترم پرویز صاحب کالیمیرت افروز قلم۔

کتاب .. حلدوں میں شائع ہوئی ہے

ملنے کا پتہ۔

ناظم ادارہ طبع اسلام

۳۲ ربی۔ گلبرگ کالونی۔ لاہور

# معراج النساءیت

از پروفیسر

سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام کو قرآن کے  
آئینے میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش —  
مذاہب عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور سرکار  
کی سیرت اور دین کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آگئے ہیں۔  
بڑے سائز کے قریباً نو سو صفحات اعلیٰ ولایتی گلیزڈ کاغذ مصبوط و  
حسین جلد بچہ گرد پوش — قیمت بیس روپے

ملنے کا پتہ

ناظم ادارہ طبع اسلام

۳/ بی گلیزڈ کالونی — لاہور



ڈاکٹر احسن (مصری) کی عظیم تصنیف

# الفتن الکبریٰ

ترجمہ  
پروفیسر محمد منور (ایم۔ اے)

جس میں حضرت عثمانؓ کے زمانہ کے نازک ترین واقعات کا بڑے  
ذمہ دارانہ اور غیر جانبدارانہ انداز سے جائزہ لیا گیا ہے۔

شائع کردہ: ادارہ طلوع اسلام - لاہور

قیمت: پچھروپے